

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى

کلیاتِ شاہ نصیر

ہدایت

ترجمہ

ڈاکٹر تنویر احمد مدنی

○

مجلس ترقی ادب لاہور

جلد نمبر

بِعَوْنِ صَنَائِعِ مِکْنِیْنِ وَمِکَانَ وَفَضْلِ خَلْقِ زَمَانِ

۱۱۷

اُردو کا کلاسیکی ادب
مکلیاتِ شاہ نصیر

جلد اول

ترجمہ

ڈاکٹر تنویر احمد صمدی

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۰، ننگہ داس روڈ، لاہور
کلپ روڈ

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : نومبر ۱۹۷۱ء

تعداد : ۱۱۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خان

ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، لاہور

طابع : عہد زرین خان

سرورق : مطبع عالیہ ، ۱۲۰/۵ جمیل روڈ ، لاہور

قیمت :

فہرست

۸۹

دیباچہ	- - - - -	۸ تا
مقدمہ	- - - - -	۹ تا ۱۳۱

غزلیات

ردیف الف

نمبر شمار	مصرع اول	صفحہ
۱۔ ہم نے وصفِ گوہرِ عرفاں کو جب لکھنا کیا۔	- - -	۱۳۵
۲۔ دل اُس کے سایہ نخلِ مزہ میں اولک گیا	- - -	۱۳۶
۳۔ ہنسی ہے ان کو دریا میں لگا بیٹھے جو ہم چوینٹا	- - -	۱۳۷
۴۔ فلک پہ دیکھ مرے گدودِ آہ کا لکڑا	- - -	۱۳۸
۵۔ ہوا باندھے ہے ہرگز آہ تو بھی اس کو ہاں چمکا	- - -	۱۳۸
۶۔ میں نے بٹھلا کے جو ہاس اس کو کھلایا بیڑا	- - -	۱۵۰
۷۔ ہشت لب ہر ہے ترے پہ خطِ رجاں کیسا	- - -	۱۵۱
۸۔ تو رات کئے لک کے جو ہم خواب نہ ٹھیرا	- - -	۱۵۱
۹۔ اشکوں کا شہرِ ہجر میں سیلاب نہ ٹھیرا	- - -	۱۵۲
۱۰۔ قفس میں ایسے میں کم بخت دن اسیر ہوا	- - -	۱۵۳
۱۱۔ سرزمینِ زلف میں کیا دل ٹھکانے لک گیا	- - -	۱۵۳
۱۲۔ ہنس کے کیا دندان کو تو نے عشوہ گر دکھلا دیا	- - -	۱۵۵
۱۳۔ دیکھئے جب اپنی صورت وہ بڑی پیکر لکا	- - -	۱۵۷
۱۴۔ لسانہ گر کروں اظہارِ اپنی شامِ غربت کا	- - -	۱۵۸
۱۵۔ زندگی ہوتی نہیں ، مرنا مقدر ہو چکا	- - -	۱۵۹

صفحہ	مصرع اول	نمبر شمار
۱۵۹	بارے مہ جہیں کو شوق ہے زلفیں بنانے کا	۱۶
۱۶۰	نہ ہوجھ اب ساجرا مجھ سے (تو) کچھ آنسو بہانے کا	۱۷
۱۶۲	نیا اک رنگ تیرے ہاتھ آیا ہے بہانے کا	۱۸
۱۶۳	کرے اُس کوچے سے چلنے کی کیا ندیر دل میرا	۱۹
۱۶۴	کیا مجھ سے میں اسے دینے تر ہاتھ اٹھایا	۲۰
۱۶۵	کوچے سے ہری رو کے پتا ہے اٹھا لایا	۲۱
۱۶۶	زلف چھٹی ترے رخ پر تو دل اپنا بھرتا	۲۲
۱۶۷	میں ترے کوچے میں ہوں دیکھ تو لپکا بھرتا	۲۳
۱۶۸	خال رخ اُس نے دکھایا نہ دوبارا اپنا	۲۴
۱۶۹	دالت کیوں رکھتا ہے دلبر تو سٹانے سے جدا	۲۵
۱۷۰	جو رقیبوں نے کہا تو وہی بد ظن سمجھا	۲۶
۱۷۲	کیوں نہ اسے طغیٰر حسین کاٹ کے یہ سر بھینکا	۲۷
۱۷۲	کر کے آزاد ہر اک شہپر بلبل کترا	۲۸
۱۷۳	دل جلوہ نگار صورتِ جانانہ ہو گیا	۲۹
۱۷۳	دل نے ہلکوں میں گزر اسے کا کلر دلبر کیا	۳۰
۱۷۵	اُس قبا پوش نے جب غیر کو اپنا سمجھا	۳۱
۱۷۷	لیا نہ ہاتھ سے جس نے سلام عاشق کا	۳۲
۱۷۸	داغ سینہ جب مرا سہر درخشاں بن گیا	۳۳
۱۷۸	مرے ایٹامے وعدہ پر جو شب دل دار اُٹھ بیٹھا	۳۴
۱۷۹	دل میں ہے کیا جانے کس کا خیالِ نقشِ پا	۳۵
۱۸۰	حلقہ ہنگوشِ ابرو جب ہو ہلال اُس کا	۳۶
۱۸۱	سوائے خاکِ صفا طہنتوں نے کیا دیکھا	۳۷
۱۸۲	تو خد سے شبِ وصل نہ آیا تو ہوا کیا	۳۸
۱۸۳	رنگ میلا نہ ہوا جامہٴ عربانی کا	۳۹

- ۶۴۔ دل کو کس صورت سے کیجئے چشمِ دلبر سے جدا ۔ ۔ ۔ ۲۱۲
- ۶۵۔ نہ کیونکہ اشکِ مسلسل ہو رہتا دل کا ۔ ۔ ۔ ۲۱۳
- ۶۶۔ کھول زلفیں آنکھ کو اُس نے دکھلائی گھٹا ۔ ۔ ۔ ۲۱۵
- ۶۷۔ تم اپنے دل کے سوا مت لو نام شیشے کا ۔ ۔ ۔ ۲۱۵
- ۶۸۔ دل سے اُس زلفِ سیہ کا تو نہ مذکور کیا ۔ ۔ ۔ ۲۱۶
- ۶۹۔ قابل ہوں رفو کاریِ آفت کے ہنر کا ۔ ۔ ۔ ۲۱۷
- ۷۰۔ کھینچ کر ترکش سے ناوک جب کہ قاتل رہ گیا ۔ ۔ ۔ ۲۱۸
- ۷۱۔ وہم عاشق کو نہیں تیرے ذرا آتش کا ۔ ۔ ۔ ۲۱۹
- ۷۲۔ دلِ سوزاں کو مرے خوف ہے کیا آتش کا ۔ ۔ ۔ ۲۱۹
- ۷۳۔ یقین ہے کوئی دم وہ کر کے میرا خون نہ ٹھیرے گا ۔ ۔ ۔ ۲۲۰
- ۷۴۔ بگولہ جب کہ ہمراہِ جانبِ ہاموں نہ ٹھیرے گا ۔ ۔ ۔ ۲۲۱
- ۷۵۔ سرگرمِ نالہ ہونے دے مجھ کو سحرِ سیا ۔ ۔ ۔ ۲۲۲
- ۷۶۔ مری اور جگر سے کیوں نہ ہووے اب اثر پیدا ۔ ۔ ۔ ۲۲۳
- ۷۷۔ مٹنوں ہوں میں ابھی اس چشمِ خونِ فشاں کا ۔ ۔ ۔ ۲۲۴
- ۷۸۔ اسے رشکِ سرِ کہاں ہے خطِ شب کو کہکشاں کا ۔ ۔ ۔ ۲۲۵
- ۷۹۔ بہ غلوتِ گامِ دل گر جلوۂ دلِ دار ہو پیدا ۔ ۔ ۔ ۲۲۷
- ۸۰۔ ہامال ہونے سے نہیں عاشق کو غم ہوا ۔ ۔ ۔ ۲۲۸
- ۸۱۔ بے سہر و وفا ہے وہ دلِ آرام بہارا ۔ ۔ ۔ ۲۲۸
- ۸۲۔ عالم میں جوں مہرِ مذکور ہے بہارا ۔ ۔ ۔ ۲۲۹
- ۸۳۔ لختِ جگرِ شہیدِ مغفور ہے بہارا ۔ ۔ ۔ ۲۳۰
- ۸۴۔ غنچہ جو مثلِ سیبِ صدفِ وا سحر ہوا (کذا) ۔ ۔ ۔ ۲۳۱
- ۸۵۔ کس سرو قد کا آج چمن میں گزر ہوا ۔ ۔ ۔ ۲۳۲
- ۸۶۔ کھر اُلٹ کے بزم سے جو وہ مے نوش کل گیا ۔ ۔ ۔ ۲۳۳
- ۸۷۔ شب کیوں نہ روئے شمع کہ پروانہ جل گیا ۔ ۔ ۔ ۲۳۴

صفحہ	مصرع اول	نمبر شمار
۲۳۵	اس الدھیری رات میں اے جانِ من بھٹکا کیا	۸۸
۲۳۶	اس دل کو ہمتنار کیا ، ہم نے کیا کیا	۸۹
۲۳۷	دسترِ خزاں نے جب صبحِ بہار کھینچا	۹۰
۲۳۸	فتاش نے جب اُس کا نقش و نگار کھینچا	۹۱
۲۳۹	یہ دل ہے فکر میں اس خستہ حال کے کیسا	۹۲
۲۴۰	میں بارہ ہو گیا دل میں تھا کہ تاب لایا	۹۳
۲۴۱	خدا کے واسطے چہرے سے لکھ نقاب اٹھا	۹۴
۲۴۲	اے سبب ہاتھ کٹاری کو لگانا کیا تھا	۹۵
۲۴۲	آتش اس دستِ حنائی سے لگانا کیا تھا	۹۶
۲۴۳	جب لٹک چرب نہ جوں شمع زباں کیجیے گا	۹۷
۲۴۳	دل عشقِ خوش قدان میں جو خوابانِ لالان تھا	۹۸
۲۴۵	صبح گلشن میں ہو کر وہ گلِ خندان پیدا	۹۹
۲۴۷	نن ترے بزم میں ہے مرگ کا سامان پیدا	۱۰۰
۲۴۸	دیکھ تو یارِ بادہ کش ! میں نے بھی کام کیا کیا	۱۰۱
۲۵۰	اُس کا کلر بُرخم کا خلل جائے تو اچھا	۱۰۲
۲۵۲	باز آؤ بتو ! دل کا ستانا نہیں اچھا	۱۰۳
۲۵۳	زُبدِ تن گرچہ ہے گلِ ایرانِ سرخ ترا	۱۰۴
۲۵۳	تجہ کو جب از جہاں بجز انکار کچھ نہ تھا	۱۰۵
۲۵۵	سوزِ غم سے تن ز اُس ہم دوشِ خاکستر رہا	۱۰۶
۲۵۵	بیابانِ مرگ ہے جہنمِ خاک آلودہ تن کس کا	۱۰۷
۲۵۶	اک تارِ جنوں تو نے ثابت نہ مرا رکھا	۱۰۸
۲۵۶	مڑگان سے میرے لطرۂ اشک چکیدہ تھا (مصرع ثانی)	۱۰۹
۲۵۷	فنا کا حرف ہے ہستیِ دامن گیر پر لکھا	۱۱۰
۲۵۷	چلو میں رکھ اُس تیر کی ہیکان کا لوہا	۱۱۱

صفحہ	مصرع اول	نہیں شمار
۲۵۸	- - - - -	۱۱۲- کیا دیکھوں ترے خنجر ہیران کا لوہا
۲۵۹	- - - - -	۱۱۳- ہے عجب جھومر کا عالم اپنے رشکِ حور کا
۲۶۰	- - - - -	۱۱۴- مالتھے یہ قسط ، قسطے یہ لٹکا ، لٹکے یہ موتی ہے ہم کا
۲۶۰	- - - - -	۱۱۵- کیا ہوا کر چشم تر سے غوں لپک کر رہ گیا
۲۶۲	- - - - -	۱۱۶- ہاتھوں کو اٹھا جان سے آخر کو رہوں گا
۲۶۲	- - - - -	۱۱۷- مجھ سے تو جوں کہاں ابھی دلیر نہیں بھرا
۲۶۳	- - - - -	۱۱۸- بیسے کایاں تو کبھی شب کو اگر چاندی کا
۲۶۳	- - - - -	۱۱۹- جب اُس نے آئے میں ابرو سے خم دار کو دیکھا
۲۶۵	- - - - -	۱۲۰- کہاں ہے رخ یہ اُس کے لاجوردی کان کا ہٹا
۲۶۶	- - - - -	۱۲۱- لکڑی عشق میں سر شمع کو کھوئے دیکھا
۲۶۶	- - - - -	۱۲۲- بجومر خال دیکھ اُس رخ پہ دل غط ہے منبہل نکلا
۲۶۷	- - - - -	۱۲۳- یوں دلِ صمد چاک کو مت دیدہ تر بیچنا
۲۶۸	- - - - -	۱۲۴- ٹانگوں سے زخم پہلو لگتا ہے کنگھجورا
۲۶۹	- - - - -	۱۲۵- غط سے ترے وصلِ دلِ انگار نہ پایا
۲۷۰	- - - - -	۱۲۶- شب مجھ کو دیکھ نہ نہ فقط شرمگین رہا
۲۷۱	- - - - -	۱۲۷- دل کو اسے شاہدِ معنی جو مصفا کرتا
۲۷۳	- - - - -	۱۲۸- صاف طہیت ہے ، کہاں آئے نظر میں تنکا
۲۷۵	- - - - -	۱۲۹- عکسِ مژگاں سے ہے یوں دیدہ تر میں لٹکا
۲۷۶	- - - - -	۱۳۰- نہیں کرتا یہ 'نفقش' ، کیفیت میں 'چور' ہے شیشا
۲۷۷	- - - - -	۱۳۱- غرق نہ کر دکھلا کر دل کو کان کا بالا زلف کا حلقا
۲۷۸	- - - - -	۱۳۲- ایک آنکھ کھول کے دیکھو حباب ہے دریا
۲۷۹	- - - - -	۱۳۳- شب کاکشیاں کا نہیں زرنار کا پٹھنا
۲۷۹	- - - - -	۱۳۴- جسم اُس کے غم میں زود از لاتوالی ہو گیا
۲۸۰	- - - - -	۱۳۵- آب میں سایہ لکھن گر رخِ دلیر ہوتا

- ۱۳۶۔ زلف کا کیا اُس کی چٹکا لگ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۸۱
- ۱۳۷۔ گل کو ترے جھوٹے کے برابر جو نہ پایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۸۱
- ۱۳۸۔ نقطہ نہ دیر نہ کہے میں ہے گزر قیرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۸۲
- ۱۳۹۔ آبلے دیکھ تو ہیں اس دلِ سوزان میں کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۸۳
- ۱۴۰۔ سرشک چشم نہ رخ پر کہیں ذرا ٹھہرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۸۵
- ۱۴۱۔ دلا ا جو رات دن اس میں وہ دل رہا ٹھہرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۸۶
- ۱۴۲۔ دل نے تو الفتِ نہاں کو نہ اصلا کھولا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۸۷
- ۱۴۳۔ وصالِ ہارِ سنگیں دل میسر ہو نہیں سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۸۸
- ۱۴۴۔ عاقبت نہا گئے ملکِ عدم مشکل ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۹۰
- ۱۴۵۔ بول و خبر اس مانگ میں کیا کہوئے ، غارت دل ہوا ۔ ۲۹۱
- ۱۴۶۔ لکھنا بہت ہے مشکل اس پیچ دار خط کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۹۲
- ۱۴۷۔ دیوالہ قرا بادیدہ پیا نہیں ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۹۳
- ۱۴۸۔ ہائے مجنوں ہے تو خوں خار سے ہل ہل ٹپکا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۹۵
- ۱۴۹۔ سرو کا گر نہیں گلشن میں شجر ہے نیجا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۹۶
- ۱۵۰۔ باوشر گریدہ کی میری دیکھ طغیان گھٹا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۹۷
- ۱۵۱۔ حسن اُس کا غضب ابرو سے خمدار ہے چمکا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۰
- ۱۵۲۔ بس میں کر ان انگلیوں کے تو نہ پوروں کو حنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۱
- ۱۵۳۔ گلر لڑکس کے خریدار ہے کیا ہاروں کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۳
- ۱۵۴۔ سیرِ گلشن کو حیا دل جو ہو مہ ہاروں کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۴
- ۱۵۵۔ داغِ سینہ جب مرا سہرِ درخشاں بن گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۵
- ۱۵۶۔ کب دیدہ خون بار سے طوفاں نظر آیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۶
- ۱۵۷۔ اشک کو آساں نہ تھا تارِ نظر سے باندھنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۶
- ۱۵۸۔ چشمکِ زدن میں سوئے عدم جا گزر کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۷
- ۱۵۹۔ رتبہ گریدہ عاشق جو تیر خاک چڑھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰۸

صفحہ	مصرع اول	نمبر شمار
۳۰۹	لختِ دل لے کے نہ اسے دیدہ تنہا چڑھا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۰
۳۱۰	اُس تفتانِ ہشہ نے جب سمت میری رو کیا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۱
۳۱۱	دل گیا ہائے سرا فوج کے دل میں مارا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۲
۳۱۲	اپنے شاہینِ نظر سوئے عصفیر اڑا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۳
۳۱۳	کام کیا گلشن میں تجھ بن عاشقِ دل گیر کا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۴
۳۱۴	ترے دہن سے جو پیدا بہت تپاک کیا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۵
۳۱۵	ہے مُدرِ معنی کو با چشمِ سدقِ دل ڈھونڈتا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۶
۳۱۶	کلامِ اللہ کی سوگند ہے ایمانِ عاشق کا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۷
۳۱۷	کل اُس کے دل میں جو سرسری کچھ خیالِ عزمِ شکار آیا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۸
۳۱۸	زلف کا تار جو لے دل کو دوبار لٹوٹا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶۹
۳۱۹	ترے ہے زلف و رخ کی دیدِ صبح و شام عاشق کا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۰
۳۲۰	یارو نہیں اتنا بھجے قاتل نے ستایا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۱
۳۲۱	مزارِ عاشقان پر جب بتِ بد مست اُٹو پہنچا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۲
۳۲۲	ترے جب ہاتھ کے ٹانغن کوئی حجام لیتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۳
۳۲۳	خالدِ رخ ہے یہ ترا حافظِ قرآن لیا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۴
۳۲۴	گر تصورِ کمرِ یار کا باندھا ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۵
۳۲۵	نہ ترے کل یہ ستم میری رگِ جان پر کیا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۶
۳۲۶	کمرےِ رنجورِ دل کو کیوں نہ چشمِ یار کا سایا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۷
۳۲۷	برگشتگیِ بخت سے تو کیا نہیں آتا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۸
۳۲۸	زبانِ شمع سے بھرتا نہیں کچھ مُدود سا لپٹا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۹
۳۲۹	عبثِ خالِ دہانِ یار کو نقطہ جہاں باندھا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۰
۳۳۰	تصورِ تیرے زلف و رخ کا جب ہم نے میاں باندھا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۱
۳۳۱	اشک کا دیدہ تر سے ہے پھالا اچھا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۲
۳۳۲	منہل کو میں اُس زلف کے پسر نہیں پاتا ۔ ۔ ۔ ۔	۱۸۳

۳۳۶	- - - - -	۱۸۴- آئیں گو نہ قط سوجہ طوفان کیا
۳۳۸	- - - - -	۱۸۵- وہ ہے روئے عرق اشان بخونہ برق و باران کا
۳۳۸	- - - - -	۱۸۶- صحنے میں جب کہ تیرا تیر نگاہ بٹھا
۳۳۹	- - - - -	۱۸۷- ادھر ابر لیے چشمِ لم کو چلا
۳۴۰	- - - - -	۱۸۸- ایک پاں قسمت کا اپنے کنج تنہائی ملا
۳۴۱	- - - - -	۱۸۹- شب ہم آغوش جو تو بستر گل پر نہ ہوا
۳۴۳	- - - - -	۱۹۰- اُس واحدِ مجمل کو تفصیل تلک دیکھا
۳۴۴	- - - - -	۱۹۱- چھوڑا نہ تجھے ، نے رام کیا ، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
۳۴۵	- - - - -	۱۹۲- خالِ رخ جب کہ یسٹے میں تمہارا ڈوبا
۳۴۶	- - - - -	۱۹۳- دم کہاں ہو گیا شبم بدن گل ٹھنڈا
۳۴۷	- - - - -	۱۹۴- دام میں دکھتے ہے کب دوری پر گل ٹھنڈا
۳۴۸	- - - - -	۱۹۵- شب ٹری چیر جیہی نے کیا بتایا مالینا
۳۵۰	- - - - -	۱۹۶- بار بنا ان پارہ دل کا ، مانگ نہ گجرا پھولوں کا
۳۵۱	- - - - -	۱۹۷- تمہارا خالِ رخ زلفوں میں کیا اے سیم تن دیکھا
۳۵۲	- - - - -	۱۹۸- ترے دالت سارے سفید ہیں ، بٹے زویب ہاں سے مل کر آ
۳۵۳	- - - - -	۱۹۹- کر گئی جانِ حزن تن سے سفر اچھا ہوا
۳۵۴	- - - - -	۲۰۰- نو رتن بازو پہ جب وہ بالندہ مد پیکر اٹھا
۳۵۶	- - - - -	۲۰۱- خواب میں مجھ سے جو وہ شب ہو گئے ہم بستر اٹھا
۳۵۸	- - - - -	۲۰۲- ہے فوقِ حاقیا بطر سے کے شکار کا
۳۶۱	- - - - -	۲۰۳- سبزہ خط سے ترے لشہر ہنگ آ ہی گیا
۳۶۲	- - - - -	۲۰۴- صنفِ خورشید تابان فردِ باطل ہونے کا
۳۶۳	- - - - -	اشعار
۳۶۳	- - - - -	فردیات

ردیف ب

- ۱- منہہ اپنے اے جلا ساقی! کلفام! شراب - - - - - ۳۶۵
- ۲- ہم نہیں مجنوں جو ہو یہاں لہر باموں نصیب - - - - - ۳۶۷
- ۳- کسی کو ہے اس دور میں ساقی منے کلگون نصیب - - - - - ۳۶۸
- ۴- ہو نہ اس دور میں منت کشی گوداب حباب - - - - - ۳۶۹
- ۵- گر کبھی دیکھے ہمارا دلِ بیتاب حباب - - - - - ۳۷۰
- ۶- لا سکے تیغ نگہ کی تری کیا تاب حباب - - - - - ۳۷۱
- ۷- بیرونِ چشم دیکھے جو اس دل کا اضطراب - - - - - ۳۷۲
- ۸- چینِ ابرو کے نہ اُس عکس سے زنجیر ہو آب - - - - - ۳۷۳
- ۹- اشک ہوں کیوں نہ رواں آورِ دلِ زار شتاب - - - - - ۳۷۳
- ۱۰- ظاہرِ وحشت نہیں اے خضرِ مالمومر حباب - - - - - ۳۷۵
- ۱۱- ہاتھ تک اُس کے ہے گو دسترس جامِ شراب - - - - - ۳۷۶
- ۱۲- ہو نہ کسی وجہ ترا حسنِ خط و خال سے خوب - - - - - ۳۷۷
- ۱۳- تارِ زلف اُس کے نہ کیوں چہرے پہ اہل کھائے قریب - - - - - ۳۷۸
- ۱۴- ساقی بتا شراب کو آتش کہوں کہ آب - - - - - ۳۷۹
- ۱۵- رخ سے وہ اٹھا زلف دکھاوے شبِ مستتاب - - - - - ۳۸۰
- ۱۶- قہر سرکشی وہ زلفِ یار ہے اب - - - - - ۳۸۰
- ۱۷- "تک کان دھر کے سن لے ہزاری ہدا گلاب - - - - - ۳۸۲
- ۱۸- ہے گرہ میں اپنی زر رکھنا برائے عندلیب - - - - - ۳۸۳
- ۱۹- خوش نہیں آتی ترے آگے عدائے عندلیب - - - - - ۳۸۳
- ۲۰- کہہ کے اُس شوخ نے یہ کھول دے ہات شتاب - - - - - ۳۸۵
- ۲۱- رات اُس بت کا ہوا ہوسہ رخسار نصیب - - - - - ۳۸۶
- ۲۲- بادہ و لب کو ترے کہتے ہیں ہم آتش و آب - - - - - ۳۸۷

- ۲۳- پہلو میں شب کو ہو وہ ہترِ شوخ و شنگ و خواب - - - ۳۸۸
 ۲۴- جگر میں شمع کے آتش ، ہے شمع درِ ندرِ آب - - - ۳۸۹

ردیف پ

- ۱- ہلا ہے لاوکرِ مژگانِ نازلیں کا سالپ - - - ۳۹۰
 ۲- ڈھے ہے اڑ کے کہاں زلفِ عنبریں کا سالپ - - - ۳۹۱
 ۳- لکھے ہے جمد کو کب اس کی ہر کہیں کا سالپ - - - ۳۹۲
 ۴- تم آئندہ بیٹھے ہوئے دیکھو ہو آدھر چپ - - - ۳۹۳
 ۵- بھینک کر (برجھی) ننگہ کی دل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ - ۳۹۴

ردیف ت

- ۱- رکھے ہے جوں گلِ بازی جو راہِ ٹیرے بات - - - ۳۹۵
 ۲- گہات چوری کی جولی تو نے اڑا بالہوں بات - - - ۳۹۶
 ۳- کب اٹھاتا ہے وہ لہو سے عاشقِ بے دل کے بات - - - ۳۹۷
 ۴- بندھا یہ لشکرِ مسلسل کا تارِ ساری رات - - - ۳۹۸
 ۵- اس رشکِ گل کو دیکھ چمن میں سحرِ بسنت - - - ۳۹۸
 ۶- مژدہ گلِ باغ میں اب دے ہے گو جا کر بسنت - - - ۴۰۰
 ۷- نہ رنگِ زرد سے عاشق کے ہو دو چار بسنت - - - ۴۰۱
 ۸- غمِ شبیر سے رکھتی ہے رخِ زرد بسنت - - - ۴۰۲
 ۹- عالم میں اس کی کیوں نہ ہو مشہورِ ہشتِ دست - - - ۴۰۳
 ۱۰- شانے کے نہیں زلفِ گرہ گیر سرِ دست - - - ۴۰۴
 ۱۱- کھلی خطِ ہر ترے کا گل کے طلسمات کی بات - - - ۴۰۵
 ۱۲- یک چند مد کو دے ہے یہ کب ایک ناں درست - - - ۴۰۶
 ۱۳- یہ لشکِ چشم کے کیا ہیں مکان سے رغبت - - - ۴۰۷
 ۱۴- ہو فراموش نہ کیوں غیر کے مطلب کی بات - - - ۴۰۸

صفحہ	مصرع اول	کبر شہار
۳۰۹	- - - -	۱۵۔ فرہاد مجھ سے بوجھے ہے کیا دلستاں کی بات
۳۱۰	- - - -	۱۶۔ رخ پر بنایا حلقہ کاکل گجر کے وقت
۳۱۱	- - - -	۱۷۔ دیکھا نہ مجھے وہ کئی دیدار کی حسرت
۳۱۲	- - - -	۱۸۔ جانے تھیں ہے ہمارے ترے تیار کی بات
۳۱۳	- - - -	۱۹۔ زبیں کہہ کرے ہے آنکھیں تھیں نہیں دن رات
۳۱۴	- - - -	۲۰۔ رفیق غم کے سوا کوئی باں نہیں دن رات
۳۱۵	- - - -	۲۱۔ ہر ایک فرمے کو ہے آفتاب سے نصبت
۳۱۵	- - - -	۲۲۔ سر پہ رکھ تاج شگوفہ ہے وہ افلاک پرست
۳۱۶	- - - -	۲۳۔ تو نے جو کی اے جائز محفل جانے کی تیاری رات
۳۱۷	- - - -	۲۴۔ اس داغدار دل سے نہ دھو ہو کے تنک بات
۳۱۸	- - - -	۲۵۔ چل دے اُس کوچے میں موج اشک چشم تر سمیت
۳۲۰	- - - -	۲۶۔ دیکھ اے قاتل کمر کو تیری وہ خنجر سمیت
۳۲۲	- - - -	۲۷۔ ذکر خط اپنی زبان پر رکھ رخ جانان سمیت

ردیف ٹ

۳۲۵	- - - -	۱۔ فزع میں بوسہ لب دے ، نہ گلا داب کے گھونٹ
۳۲۵	- - - -	۲۔ لڑ گیا رشکِ نمر شام کو اس گھات سے چھوٹ
۳۲۶	- - - -	۳۔ زلفِ مشکیں کئی شانے کے جو شب بات سے چھوٹ

ردیف ٹ

۳۲۸	- - - -	۱۔ نہیں کھلتا یہ عذہ پنجدہ تقدیر کیا باعث
۳۲۹	- - - -	۲۔ دلِ مفلس ہوا کس چشم کا تیار کیا باعث

کبر شہار مصرع اول صفحہ

- ۳۰۔ ہمارا دل یہ کیوں جیتے سے ہے بیزار کیا باعث - - - - ۳۰
۳۱۔ گر ہے خدا خود آنے کا پھرنا ہے تو عبث - - - - ۳۱

ردیف ج

- ۱۔ ہاں ہے (دیں گے) نہ تم کو جانے آج - - - - ۳۲
۲۔ کب چشم یار سے ہو دل زار کا علاج - - - - ۳۲
۳۔ چمکے ہیں دانت یار کے دوئے مہی سے آج - - - - ۳۳
۴۔ تخت پر مت پھول خسرو سر بہ رکھ اہول لاج - - - - ۳۵
۵۔ بندہ ہو ہر اک دیکھ نہ کیوں کر نری سچ دھج - - - - ۳۵

ردیف ج

- ۱۔ میں کیونکہ کہوں یار کی میرے ہے کمر بیچ - - - - ۳۷
۲۔ کیا ترے من میں ہے دل کا گھر خمدار نہ کھنچ - - - - ۳۹
۳۔ جدا نہیں ہے ہر اک موج دیکھ آب کے بیچ - - - - ۳۹
۴۔ رکھنے کہاں ہیں ہم گلہ گلزار تک پہنچ - - - - ۴۰
۵۔ روشہ تازہ تو ہو اس گلہ شاداب کے بیچ - - - - ۴۱
۶۔ سرگرم فنا ہے تو دم عشق نہاں کھنچ - - - - ۴۲
۷۔ دیکھے تو جی لکے نہ لرا اپنے کھر کے بیچ - - - - ۴۲
۸۔ دیکھے لیلیٰ کے اکو زلف گرہ گیر کے بیچ - - - - ۴۳

ردیف ح

- ۱۔ شبنم جو نقل جام بنا کل علی الصباح - - - - ۴۶
۲۔ جوں بیاض صبح ہے چاکہ گریباں کی طرح - - - - ۴۸
۳۔ چشم تر میں اختر دل سے ہوں ہے مژگاں کی طرح - - - - ۴۹

صفحہ	مصرع اول	نمبر شمار
۴۵۰	سجھ اور بوجھ کو اسے شیخ اہم نے دور کی تسبیح - -	۴
۴۵۰	اجابت گر ہوئی کب اس کی بے لالہ کی تسبیح - - -	۵
۴۵۱	گشت میں جب کہ فتنہ پا تو دکھائے صبح - - -	۶
۴۵۲	ہر چند صاف تر ہے فلک اشتہائے صبح - - - -	۷
۴۵۳	لالے سے لیے کے دل نے نئی باد کی طرح - - - -	۸

ردیف خ

۴۵۵	۱- اس کی مڑکاں سے ہوئے یوں مرے سر میں سوراخ - -	۴۵۵
۴۵۶	۲- تن نہ زخمِ سنگ سے ہے یہ بروئے خاک سرخ - - -	۴۵۶
۴۵۷	۳- تھی زلفِ یار سبیلِ خلدِ بولی کی شاخ - - - -	۴۵۷
۴۵۸	۴- یہ نکل جانے کی اک دن تری چوڑائی چرخ - - - -	۴۵۸
۴۵۹	۵- ترا نہ در تیر غلط روئے آتشیں ہے سرخ - - - -	۴۵۹

ردیف د

۴۶۰	۱- بیٹھا ہے کیا تو منہ کو کیے غنچہ وار بند - - - -	۴۶۰
۴۶۱	۲- اہنے پر لغتِ چکر پر ہے یہ مڑکاں کی گرد - - - -	۴۶۱
۴۶۲	۳- کاش رہ جائیں مرے دیدہ تر بند کے بند - - - -	۴۶۲
۴۶۲	۴- کرے ہے کھیت کو جہز ابر لہنگوں کی بولد - - - -	۴۶۲
۴۶۳	۵- یوں تصور ہے ترا دیدہ پُر آب میں بند - - - -	۴۶۳
۴۶۵	۶- حشر کے دن قاکہ ہو روئے سیاہ کاراں سفید - - - -	۴۶۵
۴۶۶	۷- کیوں نہ کہیں بشر کو ہم آتش و خاک و باد - - - -	۴۶۶
۴۶۷	۸- اشک و لغتِ چکر آئے ہیں مجھے یار پسند - - - -	۴۶۷
۴۶۸	۹- دلِ یناب نہ جا زلفِ سیاہ قام کے گرد - - - -	۴۶۸

- ۱۔ محفل نشیں ہے لیلیٰ بانگِ درا ہے شاید - - - - ۳۶۹
 ۱۱۔ بھولے ہے زلف و رخ کی ترے کب جہاں میں یاد - - - ۳۷۰

ردیف ذ

- ۱۔ نامہ بر ! کیوں نہ وہاں پہنچے یہ اڑ کر کاغذ - - - - ۳۷۲
 ۲۔ سوزِ دل میں لکھا جب ابھی جاناں کاغذ - - - - ۳۷۳
 ۳۔ حرفِ ہجران ہے ترے صاف نہیں ہے کاغذ - - - - ۳۷۴
 حواشی - - - - - - - - - - - - - - ۳۷۵-۳۸۰



دیباچہ

از

مرتب

شاہ نصیر اپنے عہد کے ممتاز شعرا اور دہلی کے نامور اساتذہ میں سے تھے۔ ایک خالوادۃ تصوف سے تعلق کے باوجود انہیں سبھ و سجادہ سے وہ گہری دلچسپی نہیں تھی جو شعر و سخن سے تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ سخن و راہ معرکہ آرائیوں میں گزارا اور اسی سلسلے سے لکھنؤ، حیدرآباد اور بعض دوسرے مقامات کا سفر کیا۔

مرحوم کی زندگی کا کوئی مربوط خاکہ نہیں ملتا، ہاں ان کے مطارحوں اور شاعرانہ رزم آرائیوں کا تذکرہ بعض ہم عہد یا قریب العہد تذکروں میں موجود ہے جس سے ان کے شعور و شعر کی مزاج شناسی اور ان کے زمانے کی ادبی فضا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ان کی شاعری کا زمانہ اردو شعر و ادب کی تاریخ کے اُس دور سے تعلق رکھتا ہے جب معنی سے زیادہ صورت اور معیار سے زیادہ مقدار کی اہمیت ہر فی الجملہ زور دیا جا رہا تھا۔

دہلی کے علاوہ شاہی ہند کے بعض دوسرے اہم شہروں میں بھی شعر و سخن کے جلسے عام ہو چکے تھے۔ شعرا مقامی اور

غیر مقامی طور پر گروہ بندیوں سے وابستہ ہوتے جا رہے تھے اور مقابلہ و مسابقت کے جذبے نے شاعرانہ فکر فرمائیوں اور خیال آرائیوں کا انداز بدل دیا تھا، اور جذبے کی صداقت اور تجربے کی صحت پر شعر کی اساس قائم کرنے کے بجائے شعرا ہیئت پسندی اور الفاظ کی صورت گری پر زور دینے لگے تھے اور ہر قسم کے مضامین اور ہر نوع کے ردیف و قوافی کو غزل کے دائرے میں داخل کر رہے تھے۔ بحور و اوزان سے واقفیت اور الفاظ و محاورات پر قدرت کو کمالِ استادی اور معیارِ شاعری سمجھا جانے لگا تھا۔ فن پر دسترس حاصل کرنے کے لیے ”رباعی“ ضروری تھا۔ تخلیقی جوہر سے زیادہ مشق و مزاوت کی اہمیت تھی۔

جس دور میں ہر صنعت پیشہ و دستکار اپنے فن کا مظاہرہ کسی نہ کسی نوع سے عجوبہ کاری کے انداز میں کرتا ہو، وہاں شاعر اگر صرف اپنے خونِ چکر کی نمود ہی کو معجزہ فن بنا کر پیش کرے تو اس سے معاشرے کو ذہنی تسکین میسر نہیں آ سکتی۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور کے شعرا بھی معاشرے کے مجموعی مزاج اور فنی نقطہ نظر کا ساتھ دینا ضروری سمجھتے ہیں اور شاعرانہ فنکاری کو فنکارانہ شاعری میں بدل رہے ہیں۔

شاہ نصیر کے شعور و شعر کا مطالعہ ان کے عہد کے اسی ادبی میلان اور شاعرانہ اقتدارِ مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے کرنا چاہیے۔ ان کے یہاں داخلی شاعری کے نمونے بہت کم ہیں۔ ایک خائفہ کا باقاعدہ سجادہ نشین ہونے اور صوفیانہ مشاغل سے دلچسپی کے اظہار کے باوجود ان کے یہاں صوفیانہ افکار کا عنصر کچھ زیادہ نہیں، اور اگر ان کی شاعری میں یہ عنصر کہیں ملتا بھی ہے تو اس کی حیثیت محض روایتی ہے۔ اہل بیت کی منقبت میں کہے گئے اشعار ان کے یہاں غزلوں اور قصیدوں میں شامل ہیں لیکن ان کی شاعری کی فضا مذہبی

نہیں ہے۔ ان کے محرکات شعری میں مذہب و تصوف کو اگر کچھ دخل ہے تو وہ بڑی حد تک برائے بیت ہے۔ وہ تو سنگلاخ زمینوں کو ہانی کرنے اور اپنے حریفوں کو معرکہٴ سخن میں شکست دینے کے لیے شعر کہتے ہیں اور بے تحاشا کہتے ہیں۔ ان کے مقطعوں میں شاعرانہ تعلیٰ سے زیادہ اپنے معاصرین کے لیے ”تقاضہ“ موجود ہے۔ لیکن ایک آدمہ موقع کے علاوہ انہوں نے اپنے کسی معاصر کا نام لے کر اس طرح اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جس طرح مقطع میں بار بار میر سے طرف ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ میر ان کے مد مقابل نہیں، دونوں کے درمیان کسی ملاقات یا اختلاف کی جالب ان کی تحریروں میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ ممکن ہے ایسے شعر مداحینِ میر کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہے گئے ہوں۔

شاہ نصیر کی بہت سی غزلیں ایسی ہیں جن کی زمینیں ان کے اور ان کے ہم چشموں کے مابین قدر مشترک کا درجہ رکھتی ہیں لیکن ایسی غزلیں نسبتاً بہت کم ہیں جن کے زمانہٴ تالیف کا تعین کیا جا سکے، اس لیے موجودہ حالات میں ان کے کلام کی تاریخی ترتیب ممکن نہیں۔

شاہ نصیر زبان و بیان کے شاعر ہیں۔ ان کے بیشتر اشعار زبان کے لحاظ سے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ایسے شعر بھی قابلِ لحاظ تعداد میں ملتے ہیں جن کو زبان کے اچھے شعر نہیں کہا جا سکتا۔ کہیں کہیں حروفِ علت کے دہنے کی مثالیں بھی ان کے چاں مل جاتی ہیں۔ با اسی ہمہ یہ واقعہ ہے کہ ان کی زبان اپنے اکثر معاصرین کے مقابلے میں کافی ترقی یافتہ ہے۔ تعقید کا عیب، جو ان کے بعد کے شعرا کے چاں نمایاں طور پر موجود ہے، ان

کے اشعار میں اس کی مثالیں نسبتاً بہت کم ہیں۔ متروک الفاظ کی تعداد بھی ان کے یہاں بہت کم ہے۔ افعال میں فعلِ حال کی شکل 'کرے ہے'، 'اُڑے ہے'، 'دیکھے ہے' وغیرہ کے علاوہ اور قدیم شکلیں ان کے یہاں نہیں ملتیں۔

دہلی کے دبستانِ شاعری کے ساتھ اب تک جن خصوصیات کو وابستہ کیا جاتا رہا ہے، وہ بالکل ایک اضافی صورت ہے۔ اردو شعر و ادب کی تاریخ میں نظم و نثر دونوں ہی کے لحاظ سے دہلی کا تشخص و امتیاز اتنا اس کے عناصرِ فکر سے وابستہ نہیں جتنا اس کے اسلوبِ ادا سے تعلق رکھتا ہے۔ دہلی کے اس اسلوبِ ادا پالپ و لہجہ کے تعین میں شاہ نصیر کا بڑا حصہ ہے اور ان کے بعد تو اسے ذوق اور داغ کے ہاتھوں باقاعدہ ایک ادارے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ میر و میرزا کے عہد میں اس لب و لہجہ کا تعین نہیں ہوا تھا۔ زبانِ سیال حالت میں تھی جس کا اثر انداز و ادا پر بھی تھا۔ جب زبان میں استحکام اور باقاعدگی آ گئی تو لب و لہجہ بھی متعین ہوا جسے ہم شاہ نصیر سے لے کر یخود دہلوی تک اور میر امن سے لے کر حسن نظامی تک دہلی کے شاعروں اور ادیبوں کے اسلوبِ نگارش میں دیکھ سکتے ہیں۔

شاہ نصیر کا دیوان ان کی زندگی میں مرتب ہو گیا، اس کا امکان تو یقیناً ہے لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت نہیں۔ ان کے دیوان کے جو قلمی نسخے موجود ہیں، ان میں غالباً سب سے زیادہ قدیم نسخہ "اصلیہ" کا ہے جس کا اندازہ اس کے کاغذ، کثافت اور اشعار کی زبان سے ہوتا ہے۔ سب سے بعد کا نسخہ رضا لائبریری کا سمجھنا چاہیے جو بداعتبار کلامِ باقی نسخوں سے زیادہ مبسوط اور مکمل ہے۔ یہ نسخہ غفران مآب نواب کلب علی خاں بالقابہ کے عہد

میں مرتب ہوا اور کتاب خالدؒ عالیہ ریاست رامپور کے ذخیرہ کتب میں داخل ہوا۔

پچھلی صدی عیسوی کے اواخر میں ان کے کلام کا ایک مختصر انتخاب میرٹھ میں شائع کیا گیا۔ اسی صدی کے عشرہ ثانی یعنی سنہ ۱۳۱۳ ہجری میں ان کا باقاعدہ دیوان ”چمنستانِ سخن“ کے نام سے حیدرآباد سے شائع ہوا جو ایک قلمی نسخے کی مدد سے تیار کیا گیا تھا۔ ان دونوں نسخوں میں سے کسی کی طبعِ ثانی کی نوبت بھی ممکن ہے آئی ہو، لیکن وہ راقم الحروف کے علم میں نہیں۔ موجودہ متن شاہ نصیر کے تین قلمی نسخوں، دو قلمی انتخابات اور دو مطبوعہ نسخوں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ شاہ نصیر کے عہد کے تذکروں اور بعد کے کچھ مستند ماخذوں کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ (قلمی نسخوں اور دو مطبوعہ ماخذ کا تعارف مقدمے میں کرا دیا گیا ہے)۔

ترتیبِ متن میں قدیم تر اور نسبتاً زیادہ صحیح نسخے کو مرجع سمجھا گیا ہے، باقی روایتوں کو حاشیے میں داخل کیا گیا ہے۔ ایسے اشعار بھی ہیں کہ صحت کے ساتھ ان کی قراعت ممکن نہ ہو سکی۔ ان کے سامنے ”کذا“ کا نشان بنا دیا گیا ہے۔ ایسے الفاظ جو بالکل نہیں پڑھے جاسکتے، ان کی جگہ نقطے دے دیے گئے ہیں۔ ایسی عبارتیں جو ماخذ میں کتابت سے رہ گئی ہیں، ان کی جگہ پر خط (—) کھینچا گیا ہے۔ قیاسی تصحیح کو قوسین میں ظاہر کیا گیا ہے۔ قدیم املا کو ضرورتاً جدید املا میں بدلا گیا ہے۔ حوالہ جات میں مختلف ماخذ کے سلسلے میں مندرجہ ذیل مخففات سے کام لیا گیا ہے :

محققات

دواوین :

ادبیات : انتخاب دیوانِ شاہ نصیر ، مخطوطہ ادارہ ادبیاتِ
آردو ، حیدرآباد دکن ۔

انتخاب (ب) : انتخابِ کلیاتِ شاہ نصیر ، مطبوعہ میرٹھ
(اول و دوم) ۔

آصفیہ : دیوانِ شاہ نصیر ، مخطوطہ " آصفیہ اسٹیٹ لائبریری
حیدرآباد دکن ۔

پشالہ : دیوانِ شاہ نصیر ، مخطوطہ " سینٹرل پبلک لائبریری
پشالہ ۔

رضا : دیوانِ شاہ نصیر ، مخطوطہ " رضا لائبریری
رامپور ۔

سخن : دیوانِ شاہ نصیر ، مطبوعہ " فخر نظامی حیدرآباد
دکن ۔

قلعی : انتخابِ دیوانِ شاہ نصیر ، مخطوطہ " سرسار جنگ
میوزیم ، حیدرآباد دکن ۔

تذکرات :

آب : آبِ حیات ، مؤلفہ مولانا محمد حسین آزاد ، مطبوعہ
سنہ ۱۸۸۷ء ع ۔

- ہے جگر : تذکرۃ ہے جگر ، مؤلفہ خیراتی لال ہے جگر ،
 فوٹو اسٹیٹ ۔
- ہے خار : گلشنِ یخار ، مؤلفہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ ،
 (طبع دوم) ۔
- ہے خزاں : گلستانِ یخزاں ، مؤلفہ حکیم قطب الدین ہاٹن ۔
 خزینہ : خزینۃ العلوم ، مؤلفہ ڈوگہ برشاد نادر ۔
 دستور : دستور الفصاحت ، مؤلفہ احد علی پکتا ۔
- ریاض : ریاض الفصحا ، مؤلفہ شیخ غلام ہمدانی مصحفی ۔
 شعرا : سخنِ شعرا ، مؤلفہ عبدالغفور لساخ ۔
- صنادید : آثار الصنادید ، مؤلفہ سر سید احمد خان ۔
 طبقات : طبقاتِ شعراے ہند ، مؤلفہ مولوی کریم الدین ۔
- عشق : تذکرۃ عشقی ، مشمولہ دو تذکرے ، مرتبہ
 کلیم الدین احمد ۔
- عیار : عیار الشعرا ، مؤلفہ خوب چند ڈکا ، فوٹو اسٹیٹ ۔
 کلیم : مثنوی کلیم ، مؤلفہ نور الحسن خان ۔
- کمال : مجمع الانتخاب ، مؤلفہ شاہ کمال الدین حسین ،
 سر سالار جنگ میوزیم ۔
- گلستان : گلستانِ سخن ، مؤلفہ مرزا قادر بخش صابر ۔
 منتخبہ : عمدۃ منتخبہ ، مؤلفہ اعظم الدولہ میر محمد خان
 سرور ۔

- نازلىتان : گلدستە نازلىتان ، مۇلفە مولوى كرىم الدىن -
- لغز : مېمۇرە لغز ، مۇلفە حكىم قەدرەت اللە قاسم -
- ئەكەت : ئەكەت الشعرا ، مۇلفە مېرەتقى مېر -
- ھەمىشە ھار : كەشەن ھەمىشە ھار ، مۇلفە نەسرەت اللە خان خەيشەكى -
- پەندى : تەذكەرە پەندى ، مۇلفە شەيخ غلام ھەمدانى مەصفى -



مقدمهٔ کلیاتِ شاه نصیر

از

مرتّب

سوانح

شاہ نصیر :

محمد نصیر الدین نام اور میان کاٹو 'عرف یا پیار کا نام تھا ۔ مولانا آزاد کا بیان ہے کہ رنگ کے سیاہ قام تھے اس لیے گھبرانے کے لوگ میان کاٹو کہتے تھے^۱۔

نام کے شروع میں 'شاہ' کا لفظ سلسلہ سادات سے نسبت اور تصوف سے تعلق کو ظاہر کرتا ہے ۔ شاہ صدر جہاں (یا میر جہاں) کی اولاد میں سے تھے ۔ اپنے والد کی وفات کے بعد درگاہ کے سجادہ نشین ہوئے ۔ آپ کے والد شاہ غریب^۲ (شاہ غریب اللہ - 'طور کلیم' ص ۱۱۶) ایک خوش طینت و نیک سیرت بزرگ تھے ۔ شاہ نصیر کے ترجمے میں ان کا ذکر کرتے ہوئے حکیم قدوت اللہ قاسم نے لکھا ہے :

”پدر والا قدر وے کہ شاہ غریب نام داشت ، مرد نیک

سیرت و خوش طینت اسم با مسمیٰ غریب خوش طالع و

صاحب نصیب بہ دلق فقر آراستہ و بہ لباس درویشان

پیراستہ ، پرورش دادہ ”زبدہ“ صوفیان زمان حضرت

۱۔ آپ ، ص ۱۶۷ ۔

۲۔ ”آپ مرید و خلیفہ مخدوم شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں ۔ قادریہ ، چشتیہ و نقشبندیہ خاندانوں میں مجاز تھے ۔ عرصے تک دہلی میں پنکاسہ شیخت گرم رہا اور ہزاروں کو اللہ کا راستہ دکھایا ۔ آخر ۱۳ ذی قعدہ ۱۸۸۲ء کو بعد شاہ عالم ثانی وفات پائی ۔ آپ کا مزار روشن پورہ میں لئی سڑک پر ہے ۔“ (مزارات اولیائے دہلی ، ص ۱۶۲ ، طبع سوم)۔

میر جہاں قدس سرہ بود ، و خیلے بہ ترقہ و آسودگی ایام
 عمر گرامی بسر می فرمود و در کسوتِ درویشی موسیٰ آسا
 عصا در دست می داشت و ذلقِ ملمع پوشیدہ بہ تزلزل
 لباسِ درویشی بہت می گہاشت^۱۔“

مولانا آزاد کا بیان ہے :

”والد شاہ غریب نام ایک بزرگہ تھے کہ اپنی غربتِ طبع
 اور خاکساریِ مزاج کی بدولت اسم بامسمیٰ تھے۔
 نیک لہی کا ٹمرہ تھا کہ نام کی غریبی کو امیری میں بسر
 کرتے تھے۔ شہر کے رئیس و امیر سب ادب کرتے تھے
 مگر وہ گوشہٴ عافیت میں بیٹھے اپنے معتقد مریدوں کو
 ہدایت کرتے رہتے تھے۔“^۲

شاہ صاحب کی پیدائش دہلی میں ہوئی :

”اصلی از دہلی۔“^۳

مولانا آزاد نے بھی یہی لکھا ہے کہ :

”وطن ان کا خاص دہلی تھا۔“^۴

لیکن ان کے کسی تذکرہ نگار نے سالِ پیدائش یا زمانہٴ پیدائش
 کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا۔

مصطفیٰ نے اپنے تذکرہ ”ریاض الفصحاح“ میں ان کے سفر ہائے

لکھنؤ کے ضمن میں لکھا ہے :

”دوین نزدیکی دو سہ بار مشارؔ الیہ بلین دہار آمدہ ،

عمرش از شصت متجاوز خواهد بود۔“^۵

۱۔ آب ، ص ۱۶۶ ۔

۱۔ لغز (دوم) ، ص ۲۷۲ ۔

۲۔ آب ، ص ۱۶۶ ۔

۳۔ منتخبہ ، ص ۷۵۲ ۔

۴۔ ریاض ، ص ۳۳۷ ، ۳۳۸ ۔

’ریاض الفصحا‘ کا زمانہ‘ ترتیب ۳۹-۱۲۲۱ھ ہے۔ پندرہ سال کے اس وقفے کے ساتھ ان کے سینے عمر کا تعین دشوار ہے، لیکن سیاق عبارت اور بعض دوسرے قرائن کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصحفی نے (نصیر سے متعلق) یہ کلیات ۳۵-۱۲۳۰ھ کے مابین کسی وقت لکھے ہیں، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہے۔ اس اعتبار سے از روئے قیاس ان کی پیدائش ۷۵-۱۱۷۰ھ کے مابین کسی سال میں ہونی چاہیے۔ ان کے زمانہ‘ پیدائش کے بارے میں یہ بات اس لیے بھی قرین امکان کہی جا سکتی ہے کہ انتخاب کلیات شاہ نصیر کے دیباچہ نگار نے انہیں سہاراجہ چندو لال کا ہم عصر قرار دیا ہے جو سنہ ۱۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

اس ضمن میں ایک اور بیان، جس سے ان کے سینے عمر کے تعین میں کسی قدر مدد ملتی ہے، صاحبِ ’گلشنِ غار‘ کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

”از شصت سال بہ مشقِ سخن می پردازدا۔“

تذکرے کا زمانہ‘ تالیف ۵۰-۱۲۳۸ھ ہے۔ اس وقت تک نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے علم کے مطابق ان کی مشقِ سخن پر ساٹھ برس بیت چکے تھے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ شاہ صاحب نے ۹۲-۱۱۹۰ھ کے مابین مشقِ سخن شروع کی۔ اگر اس وقت ان کی عمر پندرہ اور بیس برس کے درمیان مان لی جائے تو ان کی پیدائش کا زمانہ وہی ۷۵-۱۱۷۰ھ کے مابین ہوگا۔

شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی اور ان کے والد نے اس پر خصوصی توجہ دی۔ حکیم قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے :

”و این مجد نصیر الدین بسیار با ناز و نعمت پرورش یافتہ ،
والدِ ماجدش استادِ ادیب و خدامِ متعدّدہ متکفلِ آموزش
بروئے گماشتہ بود۔“

مگر تکمیلِ علوم کی قوت نہیں آتی جس کا اندازہ اس امر سے
ہوتا ہے کہ قاسم ، مصحفی اور یکتا کی رائے ان کی علمیت کے بارے
میں اچھی نہیں ہے ۔ قاسم نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ رموزِ فن
سے بھی واقف نہیں :

”از احوالِ فن و قواعدِ سخن چندان آگہی ندارد۔“
یکتا کا بیان ہے :

”آگاہیِ علم و فن ہیچ ندارد۔“
مولوی کریم الدین نے لکھا ہے :

”میں نے بھی نصیر کو دیکھا تھا ، رنگ اوس کا کالا اور
قد لمبا تھا ۔ چہرے پر شاعر ہونا اور خواندگی معلوم نہ
ہوتی تھی۔“

اول الذکر دونوں تذکرہ نگار شاہ نصیر کے معاصر ہیں ۔ ان
میں سے قاسم ان کے خاندان سے بنوی واقف ہیں اور خود شاہ نصیر
کی پیدائش ان کے سامنے ہی ہوئی ہے :

”والدِ ماجدش بر قاسم ہیچ مدان خیلے مہربان ، و زہدہ
صوفیانِ زمانِ حضرت میر جہان بر این سراپا نقصان نہایت
عنایت فرما بودند و مع هذا جلوہ اش از کثرِ غیب

۲۔ نغز ، ص ۲۵۲ (دوم) ۔

۳۔ طبقات ، ص ۲۱۸ - ۲۱۹ ۔

۱۔ نغز ، ص ۲۵۲ (دوم) ۔

۳۔ دستور ، ص ۱۱۳ ۔

”ہم منصبہ ظہور بہ حضور ابنِ عینِ قصور... (رودادہ)۔“
 تحصیلِ علم کی طرف سے شاہ نصیر کی بے توجہی یا اس کوشش میں ان کی لاکسی کی وجہ کیا ہے ؟ اس کے بارے میں ان کے معاصرین اور خود قاسم نے کچھ نہیں لکھا۔ ممکن ہے اس بے توجہی کا سبب ان کے گھر کا بُہر آرائش ماحول ہو جس نے ان کو طلبِ علم سے محروم رکھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ والد کی بے وقتِ وفات نے ان کی توجہ کو تحصیلِ علوم و فنون سے ہٹا کر شعر و سخن کی طرف مبذول کر دیا ہو جو اُس وقت کے شریف زادوں کا ایک دلچسپ مشغلہ بن گیا تھا۔

شاہ نصیر نے اپنے والد کی وفات کے بعد شاعری شروع کی۔ چنانچہ قاسم نے لکھا ہے :

”مختصر کلام بعد رحلت آن صاحبِ اقتدار ابنِ ستودہ کردار
 شوقِ رفتہ کوئی ہم رسانیدہ۔“

شاہ غریب کا زمانہ وفات کیا ہے ؟ قاسم کے بیان سے اس کا پتا نہیں چلتا۔ ہاں ’مزاراتِ اولیائے دہلی‘ کے مولف کے بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۸۲۱ء میں شاہ غریب کی وفات ہوئی۔ اس کے بعد ہی کسی وقت شاہ نصیر نے شاعری شروع کی ہوگی۔ غالباً آغازِ شاعری کے ساتھ انہوں نے شاہ مجددی مائل کی شاگردی اختیار کی۔ قاسم نے لکھا ہے :

”شاگرد شاہ مجددی مائل، کہ نسبتِ خویشی بآں مرحوم
 داشت، گردید، سلسلہٴ تلمذ وے بہ دو واسطہ کہ شاہ
 مجددی مائل و قیام الدین علی قائم بود، بہ سرآمدِ شعرائے

قصاحت آیا مرزا محمد رفیع سودا می رسد و بہ اعتبارے بہ ہمیں
 دو واسطہ و بہ اعتبار دیگر بہ سہ واسطہ کہ قیام الدین علی
 قائم شاگرد استاد صاحب درایت ہدایت اللہ خان ہدایت ہم
 بہت بہ مضار سخن سازی را یکہ ناز مرد خواجہ میر درد
 می پیولدد^۱۔“

شاہ مجددی مائل ایک نیک ذات و خوش صفات بزرگ تھے ۔
 مسجد فتح پوری کے پاس رہتے تھے اور آزادانہ و درویشانہ زندگی
 گزارتے تھے ۔ قاسم نے ان کے ترجمے کے ضمن میں لکھا ہے :
 ”مردے بزرگ بود از شاہجہان آباد . . . بزبور حلم و حیا
 آراستہ و بحلیہ سہرو وفا پیراستہ ، بسیار درویشانہ و آزادانہ
 ایام بسر می برد ، نسبت قلمذ بہ میان قیام الدین علی قائم
 داشت ۔ و استاد بھورے خان آشفته و محمد نصیرالدین نصیر
 و خسروے است^۲۔“

اس موقع پر ”خسروے است“ کا لفظ قابل غور ہے ۔ نصیر
 کے بارے میں قاسم نے لکھا ہے : ”نسبت خویشی ہاں مرحوم داشت“
 اس سے یہ بات بھی ذہن میں آہوتی ہے کہ شاہ مجددی مائل ، شاہ نصیر
 کے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے خسروے بھی تھے ۔

شاہ نصیر نے شاہ مجددی مائل کی شاگردی بھی اختیار کی ۔
 کم از کم قاسم کے بیان سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے
 شعر گوئی کے آغاز ہی میں شاہ مجددی مائل کی شاگردی بھی اختیار کر لی
 تھی مگر مصحفی ، جو شاہ نصیر کے سب سے پہلے ترجمہ نگار ہیں اور
 جنہوں نے اپنے ’تذکرہ ہندی‘ میں ایک نو مشق کی حیثیت سے ان کا
 تعارف کرایا ہے ، وہ اس تعلق کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے ۔

”فقیر در ایامیکہ در شاہجہان آباد بود ، اکثر در مشاعرہ
می آمد ۔ در ہان عالمِ نومشتی در طبعش روانی و تیزی
در یافت می شود (کذا)“^۱۔

اس سے عالمِ نومشتی ہی میں ان کی ہر اقی طبع کا پتا چلتا ہے
اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مشاعروں میں شریک
ہوتے تھے مگر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ میر جہدی مائل کے شاگرد
تھے ۔ اتنا ہی نہیں ، جب وہ لکھنؤ میں بیٹھ کر اپنا تذکرہ ترتیب
دے رہے تھے ، تو نصیر کی شاعرانہ شہرت وہاں بھی ان کے کانوں
تک پہنچتی ہے ، چنانچہ وہ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
”حالا گویند کہ قوتِ شاعری ہمایا پیدا کردہ“^۲۔

اس وقت بھی ان کی زبان پر شاہ نصیر کی شاگردیِ مائل کا
کوئی تذکرہ نہیں آتا ۔

ریاض الفصحا میں وہ ایک بار پھر شاہ نصیر کی مبتدیانہ مشقِ
سخن اور میانِ خورم علی خورم کے مشاعرے میں ان کی آمد کا ذکر
کرتے ہیں جو ان کے قیامِ دہلی (۹۹-۱۸۵۰ھ) کے زمانے کی بات ہے ۔
لیکن اس موقع پر بھی وہ مائل سے ان کے سلسلہٴ تلمذ کی طرف کوئی
اشارہ کیے بغیر گزر جاتے ہیں ۔ تاہم قاسم کا بیان قابلِ ترجیح ہے جس
کی تائید خیراقل لال بے جگر کے ان کلمات سے بھی ہوتی ہے :

”میلِ خاطرش بہ سمتِ شعر و سخن از صحبتِ میر جہدی
مائل بہ روئے توجہ آوردہ بہ مصداقِ گفتہٴ خودش :

۱۔ ہندی ، ص ۲۶۱ ۔ ۲۔ ایضاً ، ص ۲۶۱ ۔

۱۔ ہندی ، ص ۲۶۱ ۔

۳۔ ”دورانِ ایام کہ فقیر در دہلی بر مکانِ میانِ خورم علی خورم تخلص طرح
مشاعرہ انداختہ بود ۔۔۔۔۔“ (ریاض ، ص ۲۳۰) ۔

قبولِ خاطرِ احباب ہے سخن اپنا
یہ فیض صحبتِ مائل نصیر آٹھایا ہے“

با ایں ہمہ شاہ نصیر کے سلسلے میں شاہ ہدی مائل کی شاگردی کی حیثیت جو بھی رہی ہو، ان کی شاعرانہ سیرت کی تشکیل میں اس کا دخل غالباً بہت کم ہے۔ بہت ممکن ہے اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ شاہ ہدی مائل کی وفات کی وجہ سے جلد ہی یہ سلسلہ تلمذ منقطع ہو گیا۔ شاہ ہدی مائل کا انتقال سنہ ۱۲۰۱ھ میں ہو گیا تھا، جیسا کہ خود شاہ نصیر کی کہی ہوئی تاریخِ وفات سے ظاہر ہوتا ہے :

فرزندِ غوثِ پاک چوسید ہدی
رحلتِ بسوی ملکِ بقا زیں جہاں نمود
ہاتفِ ہگفت مصرعِ تاریخِ ناگہاں
از دل خدا شناس و وحیدِ زمانہ بود

۱۲۰۱ھ

شاہ نصیر کی طباعی، قوتِ مشق اور جوہرِ سخن نے بہت جلد دہلی کی ادبی محفلوں اور مشاعروں میں ان کے نام اور کلام کو چمکا دیا اور وہ خود درجہٴ استاد پر فائز ہو گئے۔ قاسم نے اپنے تذکرے میں صرف ان کی مشاق و مہارتِ فن ہی کا ذکر نہیں کیا، یہ بھی لکھا ہے کہ دہلی کے اکثر تازہ مشق ان سے سلسلہٴ تلمذ رکھتے ہیں :

”مناسبتِ کلی یہ سخن پردازی دارد۔ بنا بر تناسبِ طبعی و سیرِ مشقِ معنشی لغز و بسببِ کثرتِ فکر و بسیاریِ توکلِ کلامش پُر مغز معلوم می شود۔ اکثرے از تازہ مشقان نسبتِ تلمذ بوی دارد و بیشترے از نوآموزان گفتہٴ خود

یہ اصلاح دے رساندا۔“

مولانا آزاد کا بیان ہے :

”شاہ عالم کے زمانے ہی میں شاعری جوہر دکھانے لگی تھی اور خاندانی عظمت نے ذاتی کمال کی سفارش سے دربار تک پہنچا دیا تھا۔“

اس کا یہ مطلب ہے کہ شاہ نصیر ۱۲۲۱ھ سے پہلے ، جو شاہ عالم کا سالِ وفات ہے ، دربارِ شاہی تک پہنچ چکے تھے جس کا اندازہ ان کے بعض قصائد سے بھی ہوتا ہے ۔ کیسے اور کب پہنچے ؟ یہ نہیں معلوم ۔

مولانا آزاد نے شاہ نصیر کے ایک قطعہ ”حسنِ طلب کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے شاہ عالم کی بارگاہ میں پیش کیا تھا :

”دربار کے اہلِ کمال کو عیدوں اور جشنوں کے علاوہ ہر فصل اور موسم پر سامانِ مناسب العام ہوتے تھے ۔ شعرا کو دیر ہوتی تھی تو تقاضے سے بھی وصول کرتے تھے ۔ ایک قطعہ بطور حسنِ طلب جاڑے کے موسم میں انہوں نے کہہ کر دیا تھا اور صلہ حاصل کیا تھا ، اس کے دو شعر مجھے یاد ہیں :

بچانے کا تُو ہی اب میرے اللہ
کہ جاڑے سے پڑا ہے ڈھب ہے ہالا
پتہ آفتاب اب مجھ کو بس ہے
کہ وہ مجھ کو آڑھا دے گا دوشالا

اس میں لطف یہ ہے کہ 'آفتاب' شاہ عالم بادشاہ کا تخلص تھا^۱۔ شاہی دربار تک رسائی کے بعد شاہ نصیر کی شاعری کو اور چار چاند لگ گئے اور ان کی استادۃ آسمان شہرت کو چھوئے لگی۔ خوب چند ذکا نے ان کے بارے میں لکھا ہے :

”از شعرائے اخص ہائے تختِ بادشاہِ جم جاہ و مصلحِ اشعار
اکثر شہزادہ ہائے کیتی ہنہا بالفعل در دیارِ خلد بنیاد
شاہِ جہاں آباد ہم چون او زبانِ دانِ خوش تقریر و سخن
کوئے دل پذیر و بسیار کو و خوش کو ہم نمی رسد^۲۔“
آگے چل کر یہی تذکرہ نگار لکھتا ہے :

”شعرش بادشاہ پسند و تکرش بلند ، اگر بدین سرمایہ
کوسِ ملک الشعرائی زلد بجاست و اگر نفاۃ لمن الملکی
فوازد سزا ست^۳۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں اپنے شاعرانہ مقام اور استادانہ مرتبے کے لحاظ سے وہ ”ملک الشعراء“ سمجھے جانے کے لائق تھے ، اگرچہ دربار شاہی سے ان کو باقاعدہ طور پر یہ خطاب نہیں ملا تھا۔ اس کے برعکس خیراتی لال بے جگر نے

۱- آب ، ص ۷۱ - یہ پورا قطعہ ۱۱ اشعار پر مشتمل ہے اور نسخہ رضا میں آخر کے دو شعر یہ ہیں :

نصیر اپنے کو اپنا ملتجی رکھ
شہا تبعا ہے دستِ جود بالا
پنارِ آفتاب اب مجھ کو بس ہے
بڑا ہے بے طرح اب مجھ کو بالا (رضی)

۲- عیار ، ص ۳۰۳ -

۳- عیار ، ص ۳۰۳ -

ان کی شاعرانہ شہرت کے ذیل میں لکھا ہے :

”ہندگانِ حضورِ سلطانی او را مخاطب بہ ملک الشعرا
فرمودہ اند“۔^۱

مگر اس کے حق میں کوئی اور شہادت موجود نہیں، ہاں ان کے ادعاے ملک الشعرائی کی جانب بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی اشارہ کیا ہے۔

ذکا اور بے جگر کے ترجموں میں شاہ نصیر کے سفر ہائے حیدر آباد و لکھنؤ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان تذکروں میں ان کا ترجمہ ۱۲۲۱ھ سے پہلے داخل ہوا۔

دربار شاہی لک شاہ نصیر کی رسائی کے بعد دوسرے شہزادوں اور شہر کے لوشقوں کی طرح مرزا ابو ظفر بھی گمانِ غالب ہے کہ شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کر چکے ہوں گے۔ اگرچہ سرور اور قاسم نے ظفر کے ترجمے میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مؤخر الذکر نے یہ ضرور لکھا ہے :

”اگرچہ کدر ہائے ریختہ طبعِ صافیِ خواش کم و بیش گاہ گاہ
بہ بعضے جوہریانِ جوہر شناس می نمایند اما از برخوردار
کامگار میر عزت اللہ عشق . . . کہ ارثاً سررشتہ استادی
این دودمانِ عالی شان دارد ، اکثر استشارہ می فرمایند“۔^۲

ان جوہریانِ جوہر شناس میں شاہ نصیر کو بھی ضرور ہونا چاہیے جن کو شہزادۂ والا تیار اپنا کلام دکھلاتے تھے۔ معروف ، اس تذکرے کی تکمیل (سنہ ۱۲۲۱ھ) سے پہلے ہی ان کے سلسلہٴ تلمذ

سے وابستہ ہو چکے تھے۔

”در بدو شوقِ سخن سنجی از ہمد نصیرالدین نصیر استشارہ
ممودہ“۔^۱

ذوق کا ذکر بھی اس تذکرے میں ان کے ایک لومشق شاگرد
کی حیثیت سے ضمیمے میں موجود ہے۔

غرض کہ شاہ عالم کے زمانہٴ وفات تک شاہ نصیر دہلی کے
ممتاز شعرا میں شمار ہونے لگے تھے اور دہلی سے گزر کر ان کی شہرت
لکھنؤ اور دوسرے شہروں تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ مصحفی
’ریاض الفصحا‘ میں لکھتے ہیں :

”در شاہجہان آباد عسکرِ استاذی می افرازد و شریف آن
شہر بہ حلقہٴ شاگردیش در آمدند و او را در استاذی مسلم
الثبوت می دانند“۔^۲

”تذکرۃ بے جگر“ میں شاہ نصیر کے ترجمے کے سلسلے میں
”طبقاتِ سخن“ کے حوالے کے ساتھ ایک سخن ورانہ معارفہ بھی ذکر
کیا گیا ہے :

”محرر طبقاتِ سخن می نگارد کہ بعد چند سال از تحریرِ
تذکرہ بہ تقریبِ وصولِ زرِ سالیانہ درگاہِ میر صدر جہاں از
سرکار صاحب کلکٹر در میرٹھ آمد و از مؤلف ہم در خورد
دو نوبت بہ غریب خانہ بزمِ مشاعرہ بیاراست ، قصیدۂ خود
را کہ دستورِ ایام است ، خواندم و حاضرینِ محفل را خوش
کردم مگر او در سکوت ماند ، بعد فراغ از مشاعرہ مصرعے
کہ این است :

کردے چمن میں ’تو ذرا بند کہا کو وا کہ یوں
 ہزبانش رفت ، چنانچہ درخواست طرح غزلش ساخت ، مصرع
 مذکور ہر چند کہ دانتے لداشت لیکن کسی دل نہاد فکر
 غزل نشد آن کس ہر جا کہ رفت و با ہر کسی کہ غرضاً
 بہ ملاقات پیوست ظاہر نمود کہ از احدی سر انجام غزل
 فرمائش من نتوانست و بلکہ از طرف ابن خاکسار دل بد
 کرد و طرفہ تر این کہ از احوال و اشعار ہر صاحب
 کلامی کہ بر اوراق نگاشته ام ، اگر ذرہ آفتاب پنداشتہ ام
 غرض کہ میان روشن شاہ را و بمن دعویٰ ناپسند افتاد و
 دو غزل نوشتہ مع دو سہ مطلع دیگر بندمتش فرستاد مگر
 او بجواب نہ پرداخت - راقم گوید کہ ازین عبارت مستفاد
 است کہ نصیر در شعر و سخن طبع نازما و قصور پذیر
 دارد مگر خیالِ لائق [من] و ہم بدانست دیگران دعویٰ
 شاعری امروز بنامش می نازد - بہر حال چند شعر ازان دو
 غزل روشن شاہ مذکور فرمودہ تقریباً ازان نکتہ یاب معرکہ
 بلند خیالی است^۱۔“

شاہ نصیر نے اگرچہ اس عہد کے بعض دوسرے ادیبوں اور
 شاعروں کی طرح وجہ معاش کی فکر اور قندالوں کی جستجو میں
 دہلی کی سکونت ترک کر کے کسی دوسرے شہر میں توطن اختیار نہیں
 کیا اور ان کو بڑی حد تک اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ ان
 کا گھرانہ فی الجملہ خوش حال اور فارغ البال تھا ، تاہم ان کی شاعرانہ
 حوصلہ مندہوں اور قوتِ فکر کی بلند پروازیوں کا تقاضا تھا کہ وہ

دہلی تک محدود ہو کر نہ رہیں اور حیدر آباد اور لکھنؤ جیسے ادبی اور ریاستی شہروں میں پہنچ کر اہل فن کا مظاہرہ کریں اور امراء کی زرخشیوں اور قدر دانیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ مولانا آزاد نے لکھا ہے :

”سیاحی کی دولت سے جو سرمایہ الٰہیں حاصل ہوا ، وہ بھی شاعری کی برکت سے تھا جس کی مسافت جنوب میں حیدرآباد اور مشرق میں لکھنؤ تک پہنچی۔ اگرچہ دربار کے علاوہ تمام شہر میں ان کی قدر اور عزت ہوتی تھی مگر جن لوگوں کی عادتیں اسے درباروں میں بگڑی ہوئی ہیں ، ان کے دل تعلیم یافتہ حکومتوں میں نہیں لگتے۔ اسی واسطے جب عمل داری انگریزی ہوئی تو الٰہیں دکن کا سفر کرنا پڑا۔“

اس سے اور باتوں کے علاوہ شاہ صاحب کے پہلے سفر دکن کے زمانے پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ پہلی بار حیدر آباد کا سفر انہوں نے انگریزی عمل داری کے قیام (سنہ ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۳ع) کے بعد کیا۔ (انگریزوں نے ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ع میں دہلی کو فتح کیا اور ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ع میں مرہٹوں کے حملے کی ہستیائی کے بعد ان کی باقاعدہ عمل داری قائم ہوئی)۔

اس ضمن میں اس غلط فہمی کا ذکر کر دینا ضروری ہے جو نواب ارسطو جاہ مدار السہام حیدر آباد (متوفی ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ع) کی مدح میں لکھے جانے والے قصائد کے مجموعے میں نصیر قنصل کے ساتھ ایک قصیدے کی موجودگی سے سخاوت مرزا اور العبار اللہ غورجو

صاحب کو ہوئی ہے ۔

سخاوت مرزا صاحب کا مضمون ”شاہ نصیر دہلوی“ کے عنوان سے ماہی ”اردو“ کراچی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا ہے ۔ اس میں انھوں نے ”غزینہ سخن“ (مجموعہ قصائد در مدح ارسطو جاہ) کا بھی ذکر کیا ہے جس کا زمانہ ترتیب ۱۲۱۱ھ ہے اور جس کے مؤلف شاہ قہلی علی (متوفی سنہ ۱۲۱۵ھ) ہیں ۔ سخاوت صاحب کا بیان ہے کہ اس میں ایک قصیدہ شاہ نصیر دہلوی کا بھی ہے ۔ اس سے سخاوت صاحب اور ان کے اتباع میں نظر صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شاہ نصیر نے پہلی بار ۱۲۱۱ھ سے پہلے دکن کا سفر اختیار کیا^۱ ۔ مگر اس کی حیثیت ایک تسامح سے زیادہ نہیں ۔ قاسم ، سرور ، ذکا اور بے جگر ان کے سفر حیدر آباد کی طرف کوئی اشارہ لک نہیں کرتے ۔ شاہ کمال کی ملاقات شاہ نصیر سے ۱۲۱۳ھ کے قریب دہلی میں ہوئی ہے جیسا کہ ان کے ترجمے کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے :

”فقیر اورا درشاہجہان آباد دیدہ ، دران ایام کہ آصف الدولہ
رئیس لکھنؤ رحلت نموده بود^۲ و فقیر در شہر دہلی وارد شدہ
بود ، این بزرگ دو سہ بار ہر مکان فقیر قدم رنجہ نموده و فقیر
نیز ہر مکان ایشان دو بار رفتہ۔“^۳

اس وقت اگر شاہ نصیر نے سفر دکن کیا ہوتا ، جو ایک اہم واقعہ تھا ، تو شاہ کمال کے یہاں اس کا ذکر ضرور ہوتا اس لیے کہ

۱۔ ملاحظہ ہو ”ہاری زبان“ بابت ماہ مئی ۱۹۶۳ء ”شاہ نصیر کی دکن سے واپسی۔“

۲۔ آصف الدولہ کا سال وفات ۱۲۱۲ھ ہے ۔

۳۔ کمال ، ورق ۷۵ ب ۔

ان کے سفر ہائے حیدر آباد و لکھنؤ کے بعد تذکرہ نگاروں نے ان کے ترجمے میں اس کو فراموش نہیں کیا ۔

اب رہا شاہ تجلی کے مؤلفہ مجموعہٴ قصائد میں ”نصیر“ کے تخلص سے قصیدے کی موجودگی جو اس تمام غلط فہمی کا باعث بنی ہے ، اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ قصیدہ ، نصیر تخلص رکھنے والے کسی دوسرے شاعر کا ہے ، خود شاہ نصیر کا نہیں جس کا ثبوت ”خزینۃ العلوم“ مؤلفہ درکا پرشاد نادر سے فراہم ہوتا ہے جس میں ان تمام شاعروں کا ذکر آیا ہے جنہوں نے نواب ارسطو جاہ کی تعریف میں قصیدے لکھے تھے ۔ خود یہ مجموعہٴ قصائد بھی مؤلف کے سامنے تھا اور اس کی کتاب کے اہم مآخذ میں سے ہے ۔ نواب ارسطو جاہ کے ترجمے میں اس نے اس کا ذکر کیا ہے :

”ارسطو جاہ . . . سیف الملک اعظم الدولہ کے خطاب سے مخاطب بارہ ہزاری منصب دار ذکن کا صوبہ دار تھا ۔ شعرا نے اس کی مدح سرائی خوب کی جس کا مجموعہ بنام اسمِ تاریخی ’قصائدِ اعظم‘ اور ’ریاضِ قصائد‘ کے جمع ہوا ۔ اتفاقاً کتاب مذکور میرے مہربان بشیر صاحبِ توفیر کے ہاتھ آ گئی جس کے بموجب اس تذکرے میں شعرائے اردو کو کا کلام مع تخلص لکھا گیا اور کچھ حال کسی شاعر کا اس سے معلوم نہیں ہوا ۔ مجبوراً اسی پر قناعت کی ۔“

اس سے کئی اہم امور پر روشنی پڑتی ہے : ایک یہ کہ اس مجموعہٴ قصائد کا نامِ تاریخی ’قصائدِ اعظم‘ ہے جس سے اس کی تاریخ ترتیب ۱۲۰۶ھ نکلتی ہے ۔ دوسرے یہ کہ مصنف نے اسے اپنے

تذکرے کے لیے ماخذ بنایا ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ مجموعہ اسے بشیر کے ذریعے بہم پہنچا تھا (یہ بشیر شاہ شاہ الدین بشیر نواسہ شاہ وجیہ الدین منیر ہیں)۔ مؤلف نے شاہ نصیر کے ترجمے میں ان سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے اور بعض ایسی باتیں بھی درج کی ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملتیں۔ اہی صورت میں یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ کتاب کے مطالعے اور اس سے استفادے کے باوجود اس سے بے خبر رہا کہ شاہ نصیر بھی ارسطو جہ کے مداحوں میں سے ہیں۔ اس نے شاہ نصیر کے ترجمے سے پہلے، ایک دوسرے نصیر قتلص کے ذہل میں لکھا ہے :

”نصیر مداح ارسطو جہ کا یوں لکھتا ہے :

بے جام ایک دم نہ رکھوں لالہ وار دست
دے اب کے سال کر مجھے سیر چار دست
ہامال کر دے گو کہ مرا مزرع امید
اس سے نہ ہر اٹھاؤں کبھی زینہار دست“

شاہ نصیر کے عہد میں نصیر ایک سے زیادہ شعرا کا تخلص تھا۔ بہت ممکن ہے یہ قصیدہ خواجہ غلام نصیر الدین نصیر کا ہو۔ بہر حال شاہ نصیر کا نہیں ہے اور نہ ہی وہ ارسطو جہ کے مداح ہیں جس کی بنا پر یہ سوچا گیا ہے کہ انہوں نے ۱۲۱۱ھ سے پہلے سفر حیدر آباد کیا ہوگا، خود یہ مجموعہ قصائد اپنے تاریخی نام کے لحاظ سے ۱۲۰۶ھ میں مرتب ہوا ہے۔

شاہ نصیر کے سفرِ دکن کے زمانے سے متعلق مولانا آزاد کی یہ روایت بھی قابلِ ذکر ہے۔

”دکن میں دیوان چندو لال کا دور دورہ تھا۔ اگرچہ کمال کی قدردانی اور سخاوت ان کی عام تھی مگر دلی والوں پر نظر پرورش خاص رکھتے تھے اور بہت سہولت سے پیش آتے تھے۔ بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ وہ شعر و سخن کا مذاق رکھتے تھے۔ شاہ صاحب کے جواہرات نے خاطر خواہ قیمت پائی لیکن دلی کا چٹخارہ ایسا بھی نہیں کہ انسان بھول جائے۔ العام و اکرام سے مالا مال ہو کر پھر دلی آئے اور تین دفعہ بھر گئے۔“

۱۔ آب ، ص ۳۱۷۔

سنہ ۱۲۱۲ھ میں حسین قریک مشیر الملک بہادر نواب اعظم الاسرا ارسطو جاہ (مشرق ۱۲۱۹ھ) موصوف کو خطاب راجہ بہادر ہارگاہ خسروی سے مرحمت ہوا اور قلعہ سدوت و موضع کڑپہ و کنجی کوٹہ وغیرہ کے انتظام کے لیے چار ہزار سوار اور چار ہزار پیدل کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راجہ بہادر نے اس مہم کو بہ احسن وجوہ سر کیا اور راجہ چٹپول کو کہ دس ہزار سوار و پیدل کا سردار تھا ، مغلوب کیا اور غداروں کو سرکشی کی سزا دی۔ راجہ صاحب بہادر مہم سے واپس ہو کر جب بلدے پہنچے تو چند غلط فہمیوں کی وجہ سے زمانہ ناموافق ہو گیا۔ لیکن ان کی قسمت نے بہت جلد ہلکا کیا اور شمس الاسرا کی جمعیت ہالنگاہ ان کے سپرد ہو گئی۔ راجہ لکھپت رائے (راجہ صاحب کے تالیا زاد بھائی تھے) کے فوت ہونے پر کشمیری کروڑ گیری پر مقرر ہو گئے اور تھوڑے ہی دنوں بعد نواب سکندر جاہ بہادر نے ان کی قابلیت سے آگاہ ہو کر انواجر قاہرہ آصفیہ کا پیشکار مقرر فرما دیا (۲۲۔ صفر ۱۲۲۱ھ)۔ میر عالم بہادر دیوان (۲۳۔ ۱۲۱۹ھ) جدید راجہ بہادر سے بہت خوش تھے اور ان پر ہر طرح اعتداد رکھتے تھے۔ میر عالم کے بعد جب مشیر الملک دیوان مقرر ہوئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سہاراجہ چندو لال کے دورے دور سے متعلق چند ضروری وضاحتیں حاشیے پر دی جا رہی ہیں، ان سے یہ آسانی سے پتا چلا جا سکتا ہے کہ ۱۹۲۱ء سے پہلے سہاراج چندو لال کی حیثیت سرکار و دربار میں وہ نہیں تھی کہ وہ خود دربار داری کر سکیں۔ مولانا کے بیان سے کہیں یہ پتا نہیں چلتا کہ خود سہاراجہ نے شاہ نصیر کو دکن آنے کی دعوت دی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۱۸۸۳-۱۹۲۳ء) تو ان کی نظر میں راجہ صاحب کی عزت اور بڑھ گئی اور انہوں نے تمام امور مالی و عدالتی ان کی رائے پر چھوڑ دیے۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں نواب سکندر جاہ بہادر نے ان کو ”سہاراجہ“ کا خطاب دے کر نوبت اور جہاندار ہالکی سے سرفراز کیا اور ان کی سخاوت اور فیاضی سے واقف ہو کر ایک کروڑ روپیہ نقد انعام عطا فرمایا۔ توڑے ہی زمانے کے بعد ۱۹۳۷ء میں صاحب زادہ ہارز الدولہ کی قلمی گولکنٹھ سے واپسی پر ہفت ہزاری سوار کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے۔ سنہ ۱۹۴۴ء میں سکندر جاہ نے وفات پائی اور نواب ناصر الدولہ بہادر ان کے جانشین ہوئے۔ اس زمانے میں سہاراجہ چندو لال بہادر نے اور ترقی کی۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں راجہ راجپان کا خطاب پایا اور جس قدر کرمہ ریاست کا ان کے ذمہ تھا وہ سب معاف کر دیا گیا، اور خود نواب ناصر الدولہ بہادر کئی بار ان کے مکان پر تشریف لائے۔

سنہ ۱۹۴۸ء میں منیر الملک نے انتقال کیا تو راجہ راجپان سہاراجہ چندو لال بہادر وزارت عظمیٰ پر سرفراز کیے گئے۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں وہ عہدہ مدارالمہاسی سے مستعفی ہوئے اور ۱۹۶۱ء میں انتقال فرمایا (ملاحظہ ہو دیباچہ دیوان شادان، صفحہ ۱-۸، مطبوعہ محبوب پریس حیدرآباد، ۱۹۶۳ء/۱۳۸۳ء)۔

”جب عمل داری انگریزی ہوئی تو الہیں دکن کا سفر کرنا پڑا۔“

جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ دہلی کے ماحول کی ناسازگاری کے پیش نظر وہاں گئے تھے اور یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں مہاراجہ چندو لال جیسا قدردانِ سخن مل گیا جس نے انہیں مالا مال کر دیا۔ ہا این ہمہ، جیسا کہ خود مولانا کے بیان سے بھی مترشح ہوتا ہے، غالباً وہ وہاں زیادہ دنوں تک قیام نہیں کر سکے اور دہلی کا چٹخارہ الہیں اپنے وطن واپس لے آیا۔ اسی ضمن میں سخاوت مرزا صاحب نے بھی لکھا ہے کہ شاہ نصیر دکن میں زیادہ اس لیے بھی نہیں ٹھہرنا چاہتے تھے کہ ان کو ڈر تھا کہ یہاں رہ کر ان کی زبان خراب ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضمونِ متذکرہ بالا میں شاہ نصیر کا یہ فقرہ بھی نقل کیا ہے: ”زبانم کوڑا خواہد شد۔“

مولانا نے نصیر کے پہلے سفرِ دکن کے ضمن میں ان کی ادبی فتوحات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے :

”دکن میں ان کے لیے فقط دولت کے فرشتے نے خیالات نہ کی بلکہ حسنِ شاعری کی زہرا آسمان سے آتری اور شمس ولی کے عہد کا ہرتو بھر دلوں پر ڈالا۔ شعرگوئی کے شوق، جو برسوں سے بچھے چراغوں کی طرح طاقوں میں پڑے تھے، دلِ دل میں روشن ہو گئے اور دماغوں کی محبتیں اس پر تیل ٹپکانے لگیں۔“

شاہ نصیر کی سفرِ دکن سے واپسی کے بعد ان کے اور ذوقِ مرحوم کے درمیان جو سخنِ وراثہ مقابلہ ہوا، آبِ حیات میں

اس کی تفصیل اس طرح پیش کی گئی ہے :

”کئی برس کے بعد شاہ نصیر مرحوم دکن سے بھرے اور اپنا معمولی مشاعرہ جاری کیا ۔ شیخ علیہ الرحمہ کی مشقین خوب زوروں پر چڑھ گئی تھیں ۔ انہوں نے بھی مشاعرے میں جا کر غزل پڑھی ۔ شاہ صاحب نے دکن میں کسی کی فرمائش سے نو شعروں کی ایک غزل کہی تھی ، جس کی ردیف تھی : ”آتش و آب و خاک و باد۔“ وہ غزل مشاعرے میں سنائی اور کہا کہ اس ’طرح‘ میں جو غزل لکھے ، آئے میں استاد مانتا ہوں (یہ طنز ہے شیخ مرحوم ہر کہ ولی عہد بہادر اور نواب الہی بخش خان کی غزل بناتے تھے اور استاد کہلاتے تھے) ۔ دوسرے مشاعرے میں انہوں نے اس طرح ہر غزل پڑھی ۔ شاہ صاحب کی طرف سے بجائے خود اس پر کچھ اعتراض ہوئے ۔ جشن قریب تھا ، شیخ علیہ الرحمہ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی ’طرح‘ میں لکھا مگر پہلے مولوی عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ اس کے صحت و سقم سے آگاہ فرمائیں ۔ انہوں نے سن کر پڑھنے کی اجازت دی مگر ولی عہد بہادر نے اپنے شقہ کے ساتھ اسے بھر [شاہ صاحب کے پاس] بھیجا ۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہی جواب میں لکھ دیا اور یہ شعر بھی لکھا :

بود بگفتہ من حرفِ اعتراض چنان

کسے بدیدہ بینا فرو برد انگشت

شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہو گیا اور دوبار شاہی

میں جا کر قصیدہ سنایا۔ اس کے بڑے بڑے چرچے ہوئے اور کئی دن بعد سنا کہ اس پر اعتراض لکھے گئے ہیں۔ شیخ مرحوم قصیدہ مذکور کو مشاعرے میں لے گئے کہ وہاں پڑھیں اور روبرو ہر سرِ معرکہ فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ قصیدہ پڑھا گیا۔ شاہ نصیر مرحوم نے ایک مستعد طالب علم کو کہہ کتبِ تحصیل اچھے خوب روان تھیں، جلسے میں پیش کر کے فرمایا کہ انہوں نے اس پر کچھ اعتراض لکھے ہیں۔ شیخ علیہ الرحمہ نے عرض کی کہ میں آپ کا شاکر د ہوں اور اپنے تئیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپ کے اعتراضوں کے لیے قابلِ خطاب ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے کچھ تعلق نہیں، انہوں نے کچھ لکھا ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا کہ خیر تحریر تو اسی وقت تک ہے کہ فاصلہ دوری درمیان ہو، جب آئیں سامنے موجود ہیں تو تقریر فرمائیے۔ قصیدے کا مطلع تھا :

کوہ اور آندھی میں ہوں گر آتش و آب و خاک و باد
آج نہ چل سکیں گے ہر آتش و آب و خاک و باد
معترض نے اعتراض کیا کہ سنگ میں آتش کے چلنے کا ثبوت چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ جب پہاڑ کو ہڑھنے کے سبب حرکت ہے تو اس میں آگ کو بھی حرکت ہوگی۔ معترض نے کہا کہ سنگ میں آتش کا ثبوت چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ مشاہدہ۔ اس نے کہا کہ کتابی سند دو۔ انہوں نے کہا کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ہوشنگ کے وقت میں آگ نکلی۔ اس نے کہا کہ شاعری میں شعر کی سند درکار ہے، تاریخ شعر میں نہیں

چلتی - حاضرینِ مشاعرہ ان سوال و جواب کی آلت ہلٹ کے تماشے دیکھ رہے تھے اور اعتراض پر حیران تھے کہ دفعۃً شیخ علیہ الرحمہ نے یہ شعر محسن تاثیر کا پڑھا :

پیش از ظہورِ جلوہٗ جانانہ سوختیم
آتش بہ سنگ بود کہ ما خانہ سوختیم

ستے ہی مشاعرے میں غل سے ایک ولولہ پیدا ہوا اور ساتھ ہی سودا کا مصرع گزرا :
ہر سنگ میں شرار ہے قبرے ظہور کا

اسی طرح اور اکثر اشعار پر سوال و جواب ہوئے -
شاہ صاحب بھی بیچ میں کچھ دخل دیتے جاتے تھے - آخر میں ایک شعر پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس میں ثبوت روائی کا نہیں ہے - شیخ علیہ الرحمہ نے کہا کہ یہاں تغلیب ہے - اس وقت خود شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تغلیب کہیں آتی نہیں - انہوں نے کہا کہ تغلیب کا قاعدہ عام ہے - انہوں نے کہا کہ جب تک کسی استاد کے کلام میں نہ ہو ، جائز نہیں ہو سکتی - شیخ علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ نے یہ شعر کی غزل پڑھ کر فرمایا تھا کہ اس 'طرح' میں کوئی غزل کہے تو ہم اسے استاد جانیں ، میں نے تو ایک غزل اور تین قصیدے لکھے ، اب بھی استاد نہ ہوا - معترض نے کہا کہ اس وقت مجھ سے اعتراضوں کا پورا سراجام نہیں ہو سکتا ، کل پر منحصر رکھنا چاہیے اور جلسہ پر خانت ہوا۔“

۱- اس موقع پر ”تین قصیدے“ کا لفظ مولانا کی لغزشِ قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے -
۲- آپ ، ص ۳۶۶ -

ایسا ہی ایک اور واقعہ ”آپِ حیات“ میں ذوق کی غزل :
 ”جس ہاتھ میں خاتمِ عمل کی ہے ، گر اس میں زلفِ سرکش ہو“
 سے متعلق مذکور ہے ۔ چوںکہ اس غزل کو پیش کرتے ہوئے ذوق
 کے دیوانِ طبعِ اولین میں حاشیے پر ”زمانہ“ ابتدائے سخن گوئی کا
 فقرہ سپردِ قلم کیا گیا ہے اور مولانا آزاد کے بیان کے مطابق یہ
 وہ دور ہے جبکہ سلسلہٴ اصلاحِ سخن منقطع ہو چکا تھا مگر شاگردانہ
 آداب کے ساتھ ذوق، شاہ نصیر کی خدمت میں حاضر ہونے رہتے تھے :
 ”ایک دفعہ طبعِ موزوں نے لیا گل کھلایا ؛ یہ وقت وہ تھا
 کہ اصلاح بند ہو گئی تھی مگر آمد و رفت جاری تھی ۔
 شاہ صاحب کو جا کر غزل سنائی ۔ انہوں نے تعریف کی اور
 کہا کہ مشاعرے میں ضرور پڑھنا ۔ اتفاقاً مطلع کے سرے
 میں ”سببِ خفیف کی کمی تھی ۔ جب وہاں غزل پڑھی تو
 شاہ صاحب نے آواز دی کہ بھئی میانِ ابراہیم وا ! مطلع تو
 خوب کہا ۔ شیخ مرحوم فرماتے تھے کہ اسی وقت مجھے کھٹکا
 ہوا اور ساتھ ہی لفظ بھی سوجھا ۔ دوبارہ میں نے پڑھا :
 (جس) ہاتھ میں خاتمِ عمل کی ہے گر اس میں زلفِ سرکش ہو
 پھر زلف بنے وہ دستِ موسیٰ جس میں اخگر آتش ہو
 اس پر اس قدر حیرت ہوئی کہ انہوں نے جانا شاید پہلے
 عمداً یہ لفظ چھوڑ دیا تھا ۔ مگر پھر اعتراض ہوا کہ

۱۔ مولانا آزاد سے یہاں تسامح ہوا ہے ؛ ”جس“ سببِ خفیف نہیں ہے ،
 جملے کا ضروری حصہ ہے ۔ ممکن ہے یہ سببِ خفیف کی بات دوسرے
 مصرع سے متعلق ہو ۔ جیسا کہ مولانا نے اس واقعے کو بیان کرتے
 ہوئے اپنے مرتبہ دیوانِ ذوق میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

یہ بھر ناجائز ہے ، کسی استاد نے اس پر غزل نہیں کہی ۔
 شیخ مرحوم نے جواب دیا کہ ۱۹ بحریں آسان سے نہیں
 نازل ہوئیں ، طبائعِ موزوں نے وقت بوقت گل کھلائے ہیں ۔
 یہ تقریر مقبول نہ ہوئی مگر پھر منیر مرحوم نے اس پر
 غزل کہی ^۱۔

پہلا واقعہ مولانا آزاد کے بیان کے مطابق شاہ نصیر کی دکن
 سے واپسی کے بعد پیش آیا اور استاد اور شاگرد کے مابین شکر رنجی
 کا باعث بن گیا ۔ دوسرا واقعہ بھی کم و بیش اسی زمانے سے متعلق
 ہونا چاہیے ، کیونکہ ’مجموعہ‘ لغز‘ کی تکمیل کے وقت سنہ ۱۲۲۱ھ تک
 وہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے اور نونمشق سچھے جاتے تھے اور ان
 کی عمر بھی سترہ آٹھارہ برس سے زیادہ نہ تھی ۔ ایسی صورت میں
 خیال کیا جا سکتا ہے کہ معاصرانہ چشمک کی ابتدا اور اس کے
 سلسلے میں پیش آنے والے بعض واقعات ان کے پہلے سفرِ دکن کے
 بعد کے قریبی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا زمانہ از روئے
 قیاس ۲۵ - ۱۲۲۴ھ ہونا چاہیے ۔ سنہ ۱۲۲۵ھ سے پہلے وہ حیدرآباد
 سے واپس آچکے تھے ۔ اس کا ثبوت ان کے پہلے سفر لکھنؤ سے بھی
 فراہم ہوتا ہے ۔

مولانا آزاد نے ان کے سفرِ بارے لکھنؤ کے بارے میں لکھا ہے :
 ”شاہ صاحب دو دفعہ لکھنؤ بھی گئے مگر افسوس ہے
 کہ آج لکھنؤ یا دہلی میں کوئی اتنی بات بتائے والا نہ
 رہا کہ کس کس سنہ میں کہاں کہاں گئے تھے یا کہ
 کس کس مشاعرے میں اور کس کے مقابلے میں کون کون سی

۱۔ آب ، ص ۹۶۔ (اس زمین میں خود شاہ نصیر کی غزل بھی موجود
 ہے)۔

غزل ہوئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ پہلی دفعہ جب کئے ہیں تو سید انشا اور مصحفی و جرأت وغیرہ سب موجود تھے۔ اور بعض غزلیں جو ان معرکوں سے منسوب مشہور ہیں، وہ مصحفی کے دیوان میں بھی موجود ہیں^۱۔ مولانا آزاد کے خط کشیدہ حصے کی تائید ’گلستانِ سخن‘ مؤلفہ مرزا قادر بخش صابر سے بھی ہوتی ہے جس میں صابر نے اس معرکہ^۲ سخن کی پوری تفصیل درج کی ہے، یہ اساتذہ موجود تھے :

”ایک بار سفر لکھنؤ اختیار کیا، جس دن یہ شہ سوار عرصہ“ سخن اس گل زمین میں وارد ہو کر کارواں سرا میں فرود آیا، دفعۃً درد کردہ میں مبتلا ہوا۔ آن ایام میں مصحفی اور انشاء اللہ خاں اور مرزا قتیل اور جرأت چار بالشر حیات پر متمکن تھے^۳۔“

ان شخصیتوں میں سے مصحفی کا انتقال ۱۲۲۰ھ، انشا اور قتیل کا انتقال ۱۲۳۳ھ اور جرأت کا انتقال ۱۲۲۵ھ میں ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ معرکہ^۴ سخن ۱۲۲۵ھ سے پہلے وقوع پذیر ہوا۔ شاہ نصیر اپنے سفرِ دکن سے پہلے کبھی لکھنؤ گئے ہوں، اس کے حق میں کوئی خارجی شہادت موجود نہیں۔

انصار اللہ نظر خورجوئی صاحب نے اپنے ایک مضمون ”شاہ نصیر لکھنؤ میں“ مطبوعہ ’نگارِ پاکستان‘، اہت سہ نومبر سنہ ۱۹۶۲ع میں ’محاصرہِ رلکین‘ کی ایک عبارت متعلقہ مجلسِ یازدہم کو پیش کرتے ہوئے یہ استدلال کیا ہے کہ شاہ نصیر نے ۱۲۱۵ھ سے پہلے، جو

۱۔ گلستان، ص ۲۳۳۔

۲۔ آب، ص ۱۸۔

۳۔ صحیح ۱۲۲۲ھ (ادارہ)۔

’محاسن رنگین‘ کا زمانہ“ تالیف ہے ، اپنے بیٹے کی تلاش میں لکھنؤ کا سفر اختیار کیا تھا ۔ موصوف نے جس عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے ، وہ یہ ہے :

”مرزا سبحان قلی بیگ فرمودند کہ مطلع اوشان (شاہ نصیر) می خوانم چیمزے قباحات اگر بتوانند بر آوند :

’چراقی چادر سہتاب شب میکش نے جیحوں پر
کشورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر
ناچار شدہ گفتم کہ این مطلع بہ از مطلع آفتاب است ، لیکن
مرا درین تأمل است کہ چادر سہتاب را میکش پر جیحوں
چگونہ دزدید ؟ اگر بجائے ’میکش‘ لفظ ’بادل‘ می بود البتہ
بہتر بودے شخصے این سخن بہ میان نصیر رسانیدہ ۔
اوشان شنیدہ از بندہ آزرده خاطر شدند ، ہارے ہزار خرابی
در چند مدت تصفیہ نمودم ۔“

یہ واقعہ ’آب حیات‘ میں بھی مذکور ہے اور اس کے ذیل میں مولانا نے لکھا ہے :

”کسی شخص نے شاہ صاحب سے بھی جا کر کہا ۔ وہ بہت خفا ہوئے اور کہا کہ نواب زادہ ہونا اور بات ہے اور شاعری اور بات ہے ۔ خان صاحب یہ خبر سن کر شاہ صاحب کے پاس گئے اور بہت معذرت کی ۔“

آخری فقرے کا مطلب نظر صاحب نے یہ سمجھا :
”عالمیاً مولانا کی مراد یہ ہے کہ جب شاہ نصیر لکھنؤ گئے تو رنگین خود ان کی خدمت میں حاضر ہوئے

’مجالس رنگین‘ کی تالیف ۲ وجب سنہ ۱۲۱۵ھ کو ہوئی۔
 یقین ہے کہ اس سے پہلے یہ قضیہ چکایا جا چکا ہوگا۔“
 مگر رنگین یا مولانا کے بیان سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ
 معذرت خواہی کے وقت شاہ صاحب لکھنؤ میں موجود تھے۔ اس موقع
 پر ”غالباً“ کا سہارا لینا صحیح نہیں ہو سکتا جبکہ رنگین کے بیان
 سے یہ بات واضح ہے کہ یہ واقعہ ان کے زمانہ قیام شاہجہان آباد
 سے تعلق رکھتا ہے۔

اس ضمن میں نظر صاحب نے مؤلف ’دستور الفصاحت‘ کے اس
 بیان کو بھی موضوع بحث بنایا :

”احوال آن آفہ مسموع شدہ بہ قلم آمدہ است دروغ
 بہ کردن راویان گویند کہ در سال گزشتہ بنا بر تلاشِ
 پسرِ خودی کہ گریختہ بود ، بہ لکھنؤ آمدہ در مشاعرہ ہائے
 میرزا قمر الدین احمد خان بہادر حاضر می شد و شعر خوانی
 می کرد“^{۱-۲}

اور لکھا ہے :

”ہکتا کے بیان پر غور کریں تو شاہ نصیر کے اس پہلے
 سفر کا زمانہ ۱۲۱۲ھ ’دستور الفصاحت‘ کی تالیف ۱۲۱۳ھ
 سے ایک سال قبل قرار پاتا ہے۔ اس وقت شاہ صاحب اپنے
 لڑکے کی تلاش میں آئے تھے۔ چلا سفر تھا ، اہل لکھنؤ
 ان سے واقف نہ تھے۔ خود بھی عجلت میں رہے ہوں گے۔
 ایسی صورت میں باوجودیکہ شاہ صاحب مرزا حاجی کے
 مشاعروں میں شریک ہوئے ، یکنہا ان سے ملاقات نہ

کر سکا ہوگا ‘۔‘

ان نتائج تک پہنچنے میں نظر صاحب سے تسامح ہوا ہے ۔
 ’دستور الفصاحت‘ کی ابتدائی ترتیب ۱۲۱۳ھ میں عمل میں آئی لیکن
 جیسا کہ مکرمی مولانا امتیاز علی صاحب عرشی نے اپنے مقدمے میں
 تحریر فرمایا ہے ، مصنف نے ۱۲۲۹ھ میں اپنے مسودے پر نظر ثانی کی
 اور اس میں اضافے کیے ۔ اس کے بعد ۱۲۴۹ھ میں شیخ رمضان علی
 نے جب اس کو صاف کرنے کا اقرار کیا تو مصنف نے ایک بار
 پھر اپنے مسودے میں کچھ اضافے کیے جس کے یہ معنی ہیں کہ اس
 کا موجودہ متن محض ابتدائی روایت پر مبنی نہیں ہے ۔ شاہ نصیر نے
 ۱۲۱۲ھ میں لکھنؤ کا سفر اختیار نہیں کیا جس کا ایک ثبوت یہ بھی
 ہو سکتا ہے کہ شاہ کمال نے ، جن کی ملاقات ان سے ۱۲۱۲-۱۲۱۳ھ کے
 قریب زمانے میں ہوئی ہے ، اس سفر کی طرف بھی سفرِ دکن کی طرح
 کوئی اشارہ نہیں کیا ، جبکہ شاہ کمال کے بیان سے ان کے ۱۲۱۲ھ کے
 قریبی زمانے میں قہارِ دہلی پر روشنی پڑتی ہے ۔ علاوہ بریں مصحفی نے ،
 جو نصیر سے بخوبی واقف ہیں ، اپنے تذکرے ’ریاض الفصحا‘ میں ان
 کے ترجمے کے ذیل میں لکھا ہے :

”درین نزدیکی دو سہ بار مشار‘ الہ ہا بن دیار آمدہ۔“

’ریاض الفصحا‘ کا زمانہ‘ تالیف ۳۶-۱۲۲۱ھ ہے جس کا یہ
 مطلب ہے کہ یہ سفر اسی زمانے میں کیے گئے ۔ سنہ ۱۲۱۲ھ میں
 کیے ہوئے سفر کو ”درین نزدیکی“ کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ۔
 اور جیسا کہ اس سے پیشتر عرض کیا جا چکا ہے ، سفرِ دکن سے پہلے

۱۔ نگار پاکستان ، نومبر ۱۹۶۵ء ۔

۲۔ ریاض ، ص ۳۳۔

ان کے سفر لکھنؤ کے حق میں کوئی شہادت موجود نہیں (مگر ان کی شہرت اس سے بہت پہلے تذکرہ ہندی کی تالیف ۱۲۰۰-۵۹ کے مابین لکھنؤ پہنچ چکی تھی)۔

ان قرائن کی موجودگی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نصیر نے پہلی بار لکھنؤ کا سفر حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد کیا اور ۱۲۲۵ء سے پہلے کیا جس کا یہ مطلب ہے کہ اس سفر کا زمانہ ۱۲۲۲-۲۵ء کے مابین ہے۔ اس زمانے میں شاہ نصیر کے سفر لکھنؤ پر شاہ وجیہ الدین منیر کے آس ترجمے سے بھی روشنی پڑتی ہے جو ’ریاض النصح‘ میں شامل کیا گیا ہے :

”منیر : خلف الرشید میان نصیر ، جوانِ خوش فکر است ،
ہمراہ پدر خود بہ لکھنؤ آمدہ و باز بدہلی رفتہ ۔ عمرش تقریباً
ہست سالہ خواہد بود۔“

منیر جو شاہ نصیر کے سفر لکھنؤ کے وقت تقریباً بیس برس کے ہیں ، ان کے بارے میں مولانا آزاد کا بیان ہے کہ وہ ذوق کے ہم عمر تھے ۔ ذوق ۱۲۰۳ء میں پیدا ہوئے ۔ منیر کا زمانہ پیدائش بھی ایک آدھ سال کے فرق سے ہی ہونا چاہیے اور ۱۲۲۳ - ۲۴ء میں ان کی عمر تقریباً بیس برس ہونی چاہیے ۔ وہ اس وقت لکھنؤ میں شاہ نصیر کے ساتھ ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ سفر بھی اسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے ۔

اس سفر میں جو معرکہ ’سخن پیش آیا (اور آس وقت پیش آیا جب مصحفی ، انشا ، قتیل اور جرأت چار بالش حیات پر متمکن تھے) اس کی تفصیل پیش کرتے ہوئے مرزا قادر بخش صابر نے لکھا ہے :

”سب کے مشورے سے آٹھ مصرعے مشکل زمینوں میں طرح ہوئے اور اس مبتلائے کوقتِ سفر کے پاس پہنچے۔ اتفاقاً مشاعرے میں تین دن باقی رہے تھے۔ معاذ اللہ سخت مشکل واقع ہوئی۔ زمینیں وہ سنگلاخ کہ طے راہ اس درد و الم میں دشوار لیکن غیرت کے تقاضے نے ماسور اور اسی عرصہٴ قلیل میں اس فرمایہ کے سرانجام میں مجبور کیا۔ ان میں سے ایک کا ردیف و قافیہ ”چمنِ سرخ ترا“، ”دہنِ سرخ ترا“ اور دوسری کا ”قائوس ہیں گویا، جالہنوس ہیں گویا“ صیغہ جمع تھا۔ اس مہمِ ضروری سے فارغ ہو کر صرف اپنی طبع کے تقاضے سے ایک اور غزل کا فکر کیا۔ اس کا ردیف اور قافیہ ”چمن کی مکھی“ اور ”کفن کی مکھی“ تھا۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ اس کی شہرت کی کشش نے اکثر ساکنینِ شہر لکھنؤ کو اس کے حلقہٴ شاگردی میں کھینچ لیا تھا اور روزِ معبود ایک جنمِ خفیر للامذہ اعتقاد کیش کا ساتھ لے کر بساطِ مشاعرہ پر قدم رکھا۔ کمالے فن نے جب اس زورِ طبع اور تیزیِ فکر پر اطلاع پائی، صلہٴ تحسین و آفرین سے شاد کیا اور حقِ انصاف ادا کیا۔ یہ تحسین و آفرین کہ اس شیریں کلام کی خوبیِ سخن نے ان بزرگواریوں سے بزورِ لہی تھی اور پھر اس شولحائے محشر نما کے ساتھ اہلِ اعتساف کو ناگوار ہوئی، ایک کچ طبعِ ستیزہٴ خو نے کہ شاگردانِ مصحفی کے زمرے سے تھا، باوازِ بلند کہا کہ شاہ صاحب ا فی الواقع

۱۔ شاہ نصیر کے دیوان میں جو غزلیں موجود ہیں، ان کا قافیہ ’عسل‘ و ’بھل‘ ہے۔

ان آلبوں لزل کی داد حیر قدرت سے خارج ہے لیکن
 نوبی لزل میں 'مکھی' کی ردیف سے نفیس مزاجوں کا جی
 متلاتا ہے۔ اس یکہ تازِ عرصہ ظرافت نے بدیہہ کہا کہ
 لطیف طبعان نفیس مزاج تو اس سے مواہد لذیذہ کے نما سے
 لذت ستان اور کامیاب ہیں لیکن غالب ہے کہ علیل نہادان
 صغرائے حسد کو جوشِ بغیرت سے ڈاک لگ جائے۔^۱
 شاہ نصیر نے دوسری بار غالباً ۱۲۲۸ - ۲۹ء میں لکھنؤ کا
 سفر کیا۔ اس کا ثبوت عبدالقادر چیف رامپوری کے بیان سے فراہم
 ہوتا ہے جسے مولانا امتیاز علی صاحب عرشی نے نصیر کے ترجمہ
 (دستور الفصاحت) کے ضمن میں پیش کیا ہے :

”در خصوصی سفر شاہ نصیر بہ طرف لکھنؤ مولوی عبدالقادر
 چیف رامپوری در روزناچہ خود (۹۹ الف) می نویسند ”و
 ہم دران شہر (دہلی) شعرا بسیار اند بلکه آغاز شعر رختہ
 بزبان اردو ازین جاست ، اکتوں نامور درین کار نصیرالدین
 نصیر است۔ و این مطلع وے :

بشت لب پر ہے ترے یہ خطِ رحمان کیسا ؟
 منہ تو دیکھو لکھے یاقوت رقمِ خاں ایسا ؟

عالمگیر است۔ باز بسلسلہ سفر خود بطرف لکھنؤ کہ در
 ۱۲۲۹ء (۱۸۱۳ع) رو دادہ می گوید ”روزے در محفل
 مشاعرہ کہ دران ایام بخاندہ مرزا جعفر می بود ، رقم۔ مرزا
 محمد حسن قتیل ، مصحفی و میر نصیر دہلوی دران زمرہ
 سرکردہ بہ شمار می آمدند و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام
 روز افزونی درین کار بود (۳۰ الف)۔“

اس ضمن میں خود بکتا کے بیان کا یہ ٹکڑا قابل غور ہے
(جس کا ذکر اس سے پیشتر آ چکا ہے) :

”گویند کہ در سالِ گزشتہ بنا بر تلاشِ پسرِ خودش کہ گریختہ
بود بہ لکھنؤ آمدہ در مشاعرہ ہائے میرزا قمرالدین احمد خاں
بہادر حاضر می شد و شعر خوانی می کرد ۔ اشعار قدیم کہ
خواندہ خوب بودند ولے غزل ہائے طرحی کہ میگفت ، ہرگز
آن پایہ نداشتند و کسی پسند نہ کرد۔“

اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ
مرزا جعفر کے مکان پر ہونے والا مشاعرہ ، جس میں چیف رامپوری
نے شاہ نصیر کو مصحفی اور قتیل کے ساتھ دیکھا تھا اور مرزا
قمرالدین خاں بہادر عرف مرزا حاجی کا مشاعرہ در اصل ایک ہی ہے ،
اس لیے کہ مرزا قمر الدین خاں عرف مرزا جعفر ، مرزا قمر الدین
خاں عرف مرزا حاجی قمر (مخلص) کے والد ہیں ۔ چنانچہ مصحفی نے
لکھا ہے :

”در ایامیکہ قمر الدین احمد خاں عرف مرزا حاجی پسر
کلان ابن بزرگ مجلسِ مشاعرہ ترتیب دادہ نظمِ ریختہ خود
را بمعِ مبارکِ ایشاں می رسانید فواصل چند بہ تبعیتِ ابن
بزرگ در محفل می نشستند و از اول تا آخر کلام ہمہ را
می شنیدند۔“

اس کا امکان ہے کہ صاحبِ دستور نے جس مشاعرے کا ذکر
کیا ہے ، یہ وہی مشاعرہ ہو جس کا ذکر عبدالقادر چیف رامپوری کے
یہاں موجود ہے اور جس کا زمانہ ۱۲۲۸ھ ہے ، جس کو ہم نصیر کے

دوسرے سفر لکھنؤ کا زمانہ قرار دے سکتے ہیں ۔
 سرسید نے نصیر کے دوبارہ سفر لکھنؤ کے ذکر کے سلسلے میں
 لکھا ہے :

”دو بار لکھنؤ میں تشریف لے گئے اور سامنے مرزا قتیل
 کے مصحفی اور انشاء اللہ خاں کے ساتھ بساطِ مشاعرہ کو
 آراستہ کیا۔“

اگر ہم سرسید کے اس بیان کو من و عن صحیح مان لیں تو
 ۱۲۲۹ء میں شاہ نصیر کا سفر لکھنؤ ان کا تیسرا سفر قرار پاتا ہے ،
 اس لیے کہ ۱۲۲۸ء میں اگرچہ انشا زندہ ہیں لیکن یہ زمانہ ان کی
 خانہ نشینی اور پر بنائے عالم دیوانگی عزت گزینی کا ہے جس کا
 ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جیف رامپوری کے ذکر کردہ مشاعرے
 میں وہ شامل نہیں ، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سرسید نے ان کے ہر دو
 سفر ہائے لکھنؤ کے سلسلے میں مصحفی اور قتیل کے ساتھ ان کا نام
 بھی اس لیے شامل کر دیا کہ وہ اس وقت تک حیات تھے ، اگرچہ
 مشاعروں میں شرکت کا سلسلہ بند ہو گیا تھا ۔

اس سلسلے میں مصحفی نے جو کچھ لکھا ہے ، اس سے یہ تو
 پتا چلتا ہے کہ وہ تین مرتبہ لکھنؤ گئے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا
 کہ کب ۔ یا اس ہمہ ان کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں :

”چون در لکھنؤ گزر افکنده و با فصاحت این دیار ملاقات
 کرد ، در مشاعرہ با غزلِ طرحی گفتہ خواندہ مرتبہ سخن بلند
 او را معلوم شد۔“

اس موقع پر ’فصلائے ابن دیار‘ کی ترکیب غالباً مصحفی نے اپنے معاصرین کے لیے استعمال کی ہے۔ غزلِ طرحی کے بارے میں ان کی رائے بھی وہی ہے جو ہکتا کی ہے۔ اس سے بھی ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ مصحفی کا روئے سخن انہیں مشاعروں یا مطارحوں کی طرف ہے جن کا تذکرہ ہکتا نے کیا ہے۔

مولانا آزاد نے مصحفی کے سفر دوم لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے جس معرکہٴ سخن کا ذکر کیا ہے اس کا ماخذ واضح طور پر گلستانِ سخن کی روایت ہے لیکن جزئیات میں بہت کچھ اختلاف ہے اور یہ اختلاف بعض اعتبارات سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر مولانا کی روایت کو یہ تمام و کمال پیش کر دیا جائے جس سے اخذِ نتائج میں قدرے سہولت پیدا ہو سکے :

”یہ وہ زمانہ تھا کہ لکھنؤ میں بزرگانِ بااخلاق اور امرائے رتبہ شناس موجود تھے۔ وہ جوہر کو پہچانتے تھے اور صاحبِ جوہر کا حق مانتے تھے۔ جو جاتا تھا، عزت پاتا تھا اور شکر گزار آتا تھا۔ لیکن دوسری دفعہ جو گئے تو رنگ ہٹا ہوا تھا۔ شیخ ناسخ کے زمانے نے عہدِ قدیم کو نسخ کر دیا تھا اور خواجہ آتش کے کمال نے دماغوں کو گرمایا ہوا تھا۔ جوانوں کی طبیعتیں زور پر تھیں، نئی نئی شوخیانِ انداز دکھاتی تھیں، انوکھی تراشیں پرانے سادہ پن پر مسکراتی تھیں۔ چنانچہ جس حریف کا نشان منزلوں کے فاصلے سے دکھائی دیتا تھا، جب پاس آیا تو سب گردنیں ابھار ابھار کر دیکھنے لگے۔ یہ زبردست شاعر کہن سال مشاق، جس کا بڑھاپا جوانی کے زوروں کو چٹکیوں میں آڑتا

تھا ، جس دن وہاں پہنچا تو مشاعرے میں شاید دو تین دن باقی تھے ۔ ہر استاد نے ایک ایک دو دو مصرعے طرح کے بھیجے ۔ ادھر انہیں درد گردہ عارض ہوا مگر درد کے ٹھہرنے ہی آٹھ بیٹھے اور آٹھ غزلیں تیار کر کے مشاعرے میں پہنچے ۔ پھر اور مشکل مشکل طرحیں مشاعرے کے شاعروں نے بھیجیں اور یہ بھی بے تکلف غزلیں لے کر پہنچے مگر وہاں کے صاحبِ کمال خود نہ آئے ۔ جب دو تین جلسے اور اس طرح گزرے تو ایک شخص نے برسرِ مشاعرہ مصرعِ طرح دیا ۔ وہ مصرع شیخ صاحب کا تھا ۔ اس وقت شاہ صاحب سے ضبط نہ ہو سکا ، مصرع قولے لیا مگر اتنا کہا کہ ان سے کہنا کہ چکس پر گُلام لڑانے کی صحیح نہیں ہے ، ہالی میں آئیے کہ دیکھنے والوں کو بھی مزہ آئے ۔ افسوس ہے کہ اس موقع پر بعض جہلانے ، جن سے کوئی زمانہ اور کوئی جگہ خالی نہیں ، اپنی ہاواہ گوئی سے اہلِ لکھنؤ کی عالی ہمتی اور سہان نوازی کو داغ لگایا ۔ چنانچہ ایک شعر کے مشاعرے میں شاہ صاحب نے آٹھ غزلیں فرمائش کی کہہ کر پڑھی تھیں ۔ ایک غزل اپنی طرح کی ہوئی بھی پڑھی جس کی ردیف اور قافیہ ”عسل کی مکھی“ اور ”حلم کی مکھی“ تھا ۔ اس پر بعض اشخاص نے طنز کی ۔ کسی شعر پر کہا کہ سبحانِ اللہ ! کیا خوب مکھی بیٹھی ہے ، کسی نے کہا حضور ! یہ مکھی تو نہ بیٹھی ۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ قبلہ ! غزل تو خوب ہے مگر ردیف سے جی متلانے لگا ۔ شاہ صاحب نے اسی وقت کہا کہ جنہیں چاشنیِ سخن کا مذاق ہے ، وہ تو لطف ہی

اٹھاتے ہیں ، ہاں جنہیں صبرائے حسد کا زور ہے ، ان کا جی متلاتے گا ۔

ان جلسوں میں اس استادِ مسلم الثبوت نے علمِ استادی بے لاگ بلند کر دیا تھا مگر بعض لغزشوں نے قیامت کی جن سے کوئی بشر خالی نہیں رہ سکتا ۔ چنانچہ ایک جگہ ”تظلم“ بجائے ”ظلم“ بالادھ دیا تھا ۔ اس پر سرِ مشاعرہ گرفت ہوئی اور غضب یہ ہوا کہ انہوں نے سند میں یہ شعر عتشم کاشی کا پڑھا :

آلِ نبی چو دستِ تظلم ہر آورند

ارکانِ عرش را بہ تزلزل در آورند

ایسی بھول چوک سے کوئی استاد خالی نہیں اور اتنی بات ان کے کمال میں کچھ رخنہ بھی نہیں ڈال سکتی ۔ چنانچہ زورِ کلام نے وہیں بیسیوں اشخاص ان کے شاگرد کر لیے ۔“

اگر اس روایت کے بیان میں مولانا کی طرفہ طبیعت اور زیب داستان کے لیے کچھ بڑھا دینے کی عادت کو دخل نہیں تو اس کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس ایک روایت میں کئی ایک روایتیں (جن کا زمانہ وقوع بھی ایک دوسرے سے الگ ہونا چاہیے) خلط ملط ہو گئی ہیں ۔ بیان کا ابتدائی حصہ اس زمانے سے متعلق ہے جب لکھنؤ میں بزرگانِ با اخلاق اور امراءِ رتبہ شناس موجود تھے اور قدیم الدارِ فکر اور اسلوبِ اظہار کی قدر کی جاتی تھی ۔ یہ بجا طور پر ان کے پہلے سفر سے متعلق ہے ۔ دوسرے حصے میں جوانوں

کے زورِ طبیعت کا ذکر ہے ۔ یہ آتش و ناسخ ہیں جو شاہ صاحب کے مقابلے میں جوان ہیں ۔ لیکن :

”جس حریف کا نشان گردنیں ابھار ابھار کر دیکھنے لگے ۔“

یہ عبارت پہلے سفر سے متعلق ہونی چاہیے ۔ ناسخ و آتش کے زمانے تک شاہ نصیر لکھنؤ کی ادبی محفلوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ شرکت کر چکے تھے ۔ دردِ کردہ والی روایت بھی پہلے ہی سفر سے متعلق ہے اور ’گلستانِ سخن‘ سے لی گئی ہے ، لیکن ناسخ و آتش کا مشاعروں میں مصرع بھیج دینا اور خود نہ آنا پہلے سفر سے متعلق روایت نہیں معلوم ہوتی ۔ اس کا تعلق غالباً ان کے تیسرے یا چوتھے سفر سے ہے ۔ ’مکھی‘ ردیف کے ساتھ کہی جانے والی غزل کا تذکرہ صابر کے یہاں موجود ہے مگر قافیہ مختلف ہے (شاہ صاحب کے یہاں دونوں قافیوں میں غزلیں موجود ہیں) ۔ ’تظلم‘ لفظ پر گرفت والی روایت صابر کے یہاں موجود نہیں ۔ ہاں لکھنؤ میں ان کے بہت سے شاگرد ہوئے تھے ، اس کی طرف گلستان میں بھی اشارہ کیا گیا ہے ۔

۱۔ صاحب ’خزینۃ العلوم‘ منشی درگا برشاد قادر نے نصیر کے ترجمے کے ذیل میں لکھا ہے :

”ہم مقام لاہور زبانی منشی بھولا ناتھ صاحب آشنا لکھنوی کے معلوم ہوا کہ آتش و نصیر کی بدبختیاں بھی ہوئی تھیں ۔ ازان جملہ وہ یہ ہیں :

نصیر : نہ سرمہ آنکھوں میں او شوخ خانہ جنگ لگا
آتش : جلے گی خاک جو تیغِ نگہ میں زنگ لگا
نصیر : گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے
آتش : موت آئی ہے سر چڑھتا ہے دیوانہ ہوا ہے“

(خزینہ ، ص ۲۰۸)

نصیر و آتش اور ناسخ کے مابین (مصحفی اور انشا کے محفل ہائے مشاعرہ سے اُلٹ جانے کے بعد) معرکہٴ سخن غالباً ۱۲۴۲ - ۵۴۳ھ کے قریب یا اس کے کچھ بعد پیش آیا جس کا تذکرہ منشی فیض پارسا کے قائم کیے ہوئے مشاعرۂ مدرسہ غازی الدین کے ضمن میں مرزا قادر بخش صابر صاحبِ "گلستانِ سخن" نے کیا ہے :

"منشی فیض (پارسا) . . . مدرسہٴ شاہجہاں آباد میں ، جو حکامِ وقت کی طرف سے طالبانِ کمال کی تربیت کے واسطے معین ہے ، تعلیمِ فنِ حساب پر مامور اور اس فن کی مہارت میں مشہور تھا ، گاہ گاہ شعرِ ریختہ بھی کہتا ۔ مدرسہٴ غازی الدین خان میں ، جو شہرِ شاہجہاں آباد دروازۂ اجمیری کے باہر واقع ہے ، اس بزرگ نہاد کی تکلیف سے بزمِ مشاعرہ منعقد ہوتی تھی اور چند مدت تک وہ ہنگامہ گرم رہا ۔ مشاہیر شعرائے شہریں سخنِ شاہ نصیر عفر اللہ لہ' اور موسیٰ خان مرحوم اور شیخِ ابراہیم ذوقِ مغفور اور ان کھلائے قادر سخن کے کلامیڈ اور موزوں طبعانِ شہر جمع ہو کر شہریں سخن سے سامعانِ فہیم کے کلامِ طبیعت کو لذتِ ستار اور دلکشیِ کلام سے مستمعانِ سخن فہیم کے پردۂ گوش کو رشکِ گلستان کرتے تھے ۔ تقریباً ایک حکایت یاد آتی ہے ، مشتاقانِ حقائق و سوانح کی خیانتِ طبع کے واسطے مذکور ہوتی ہے ۔ شاہ نصیر اسی ایام میں سفر لکھنؤ سے معاودت کر کے واردِ شاہجہاں آباد ہوئے تھے اور پارسا نے پارسا طینت کی تکلیف سے شریکِ مشاعرہ ہو کر دو غزلیں تلاذہ زمین کہ شعرائے لکھنؤ کی فرمائش سے کہی تھیں ، اس مشاعرے میں بطریقِ تکرار پڑھیں ، ایک کا مطلع اور دوسری کا ایک

شعر اس مقام میں لکھتا ہوں :

ہم پھڑک کر توڑنے ساری قفس کی تیلیاں
بر نہ لہیں اے ہم صغیرو ! اپنے بس کی تیلیاں

برہمن اپنے بتوں کو بخدا سجدہ نہ کر
آدمِ مردہ ہیں بے گور و کفن ہتھر کے
بعض احباب نے اس نظم کی افراطِ تحسین اور کثرتِ
متالشی سے حسد کو کام فرمایا اور اپنے بعض شاگردوں
کو ان دونوں زمینوں میں غزل کہنے کی تکلیف کی -
غیرالدین یاسؑ تخلص نے دوسری زمین میں ایک شعر خوب
کہا تھا :

مرہمِ سنگِ جراحت نے بھرے اپنے گھاؤ
کب کے مشتاق تھے زخموں کے دہن ہتھر کے

یہ بات شاہ نصیر کو ناگوار ہوئی اور پہلی زمین میں
قریب پچاس غزل کے کہہ کر اپنے شاگردوں کے لام
سے مشاعرۂ آئندہ میں پڑھوائیں۔ اس حرکت سے حسد کا
بازار گرم ہوا اور اس جلسے کے بعد شعرا نے یہ التزام
کیا کہ ہر مشاعرے میں اسی زمین میں غزل طرح ہو -
الحاصل کئی مہینے تک ’تیلیوں‘ کی ردیف کی غزلوں کے
سوا اور کچھ نہ کہا ، اور ان عاشقانِ سخن کو ایسا سودا
ہوا کہ زمینِ سخن میں مدت تک تنکے چننے کے
سوا کچھ کام نہ تھا اور کثرتِ غس و غشاشاک سے

۱۔ یہ ذوق اور ہوسن کے شاگرد تھے - ملاحظہ ہو ’گلستانِ سخن‘ (ترجمہ)
غیرالدین یاس) -

کاغذِ مسودہ نے کوڑے کا حکم پیدا کیا۔ غالب ہے کہ اس طرح تازہ کے طفیل سے کسی شاعر کے گھر جاروب میں بھی کوئی تہلی باقی نہ رہی ہوگی، اور لوگ آٹھ نو شعر کے سوا مشاعرے میں نہ پڑھتے تھے۔ شاہ نصیر کی تلاش پر ہزار آفرین ہے کہ ہر بار دو غزلہ ساٹھ ستر بیت کا پڑھتا تھا اور ہر شاگرد کی غزل ایس ایس بیت سے کم نہ ہوتی تھی۔ ”طرفہ یہ کہ وہ سب غزلیں بھی اسی یکہ تافر سخن کی طبع زاد ہوتی تھیں، و إلا ان کم استعدادوں کی مجال سے اس قدر گرم جولانی جملہ محالات سے ہے۔ آخر الامر شیخ ابراہیم ذوق نے ایک قصیدہ اسی زمین میں حضرت ظل سبحانی سایہ رحمت ربانی محمد سراج الدین بہادر شاہ غلام اللہ ملکہ کی مدح میں لکھا اور وہ دن وہ تھے کہ حضرت بادشاہ ہنوز مسندِ ولی عہدی پر متمکن تھے۔ کہتے ہیں کہ اس قصیدے میں نہایت شوکتِ الفاظ اور جودتِ معنی صرف کی تھی، لیکن جس وقت قصیدہ پڑھا گیا تھا، بزمِ مشاعرہ برہم ہو گئی تھی اور سوائے شاہ نصیر اور دو چار اور سامع کے کوئی اس مجلس میں موجود نہ تھا۔ اسی واسطے اس کا لطف زبان زدِ اربابِ شہر نہ ہوا اور بعد چند روز کے وہ جلسہ برہم ہو گیا۔“

یہ معرکہ سخن خود بھی اپنی جگہ پر بہت اہم ہے۔ اسی کے ساتھ اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ شاہ نصیر نے قیسری یا چوتھی بار لکھنؤ کا سفر کب کیا۔

دہلی کالج کا قیام ۱۲۴۰-۱۸۲۵ء میں عمل میں آیا

جب غازی الدین خان کے قدیم مدرے کو انگریزی سرکار نے لٹی
تعلیم کے لیے منتخب کیا۔ ایسی صورت میں منشی فیض ہارسا کا قائم
کیا ہوا یہ مشاعرہ ۱۲۴۱-۵۴۲ھ کے بعد کے زمانے سے تعلق رکھتا
ہے اور کم و بیش یہی زمانہ شاہ نصیر کے اُس سفر لکھنؤ کا بھی ہے
جس کا تذکرہ اسی مشاعرے کے ضمن میں ان الفاظ کے ساتھ کیا
گیا ہے :

”شاہ نصیر اسی ایام میں سفر لکھنؤ سے معاودت کر کے
واردِ شاہجہاں آباد ہوئے تھے۔“

سنہ ۱۲۴۸ھ اور ۱۲۴۲ھ کے مابین شاہ نصیر نے دوبارہ سفر
حیدرآباد اختیار کیا اور اس امر کا قوی امکان ہے کہ یہ سفر ۱۲۳۵ھ
یا ۱۲۳۷ھ کے قریب کیا گیا ہو۔ یہی وہ دور ہے جب سہاراجہ
چندو لال کا ستارۂ اقبال عروج پر ہے۔ اس سفر میں ان کے بیٹے شاہ
وجیہ الدین منیر بھی ان کے ساتھ ہیں اور حیدرآباد کی سیر کے لیے
گئے ہیں۔ ”درگاہ پرشاد نادر نے ان کے قرجے میں لکھا ہے :

”منیر تخلص ، شاہ وجیہ الدین نام ، خلف اکبر شاہ نصیر
صاحب دہلوی ، مرحوم نے حیدرآباد کی خوب سیر کی۔“

منیر کا انتقال ۱۲۴۲ھ میں ہو گیا اور وہ شاہ صدر جہاں کی
درگاہ میں مدفون ہوئے :

”ان کی وفات کی تاریخ ۲ ذی قعدہ روز چہار شنبہ ہے اور
آپ کا مدفن دہلی میں بہ محلہ ”روشن پورہ اندرون احاطہ دوگاہ
شاہ صدر جہاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہے۔“

اس لیے انہوں نے حیدر آباد کا سفر ۱۲۳۲ھ سے پہلے اختیار کیا ہوگا اور از روئے قیاس یہ زمانہ ۱۲۳۵-۱۲۳۶ھ کے قریب ہے ۔ شاہ نصیر کے کسی سفرِ دکن سے متعلق ”آب حیات“ میں یہ روایت بھی ملتی ہے :

”ایک دفعہ دکن کو چلے ۔ نواب جھجر مدت سے بلانے تھے ۔ چوںکہ مقامِ مذکور سرِ راہ تھا اور گرمی شدت سے بڑھتی تھی ، برابر سفر بھی مشکل تھا ، اس لیے وہاں گئے اور کئی دن مقام کیا ۔ جب چلنے لگے تو رخصت کی ملاقات کو گئے ۔ نواب نے کہا گرمی کے دن ہیں ، دکن کا سفر دور دراز کا سفر ہے ، خدا بھر خیر و عافیت سے لانے مگر وعدہ فرمائیے کہ اب جھجر میں کب آئیے گا ؟ ہنس کر بولے کہ جھجر کی چاہ تو وہی گرمی میں (ہے)۔“

سرسید نے شاہ صاحب کے سفر نامے دکن کی تعداد تین بتائی ہے :

”تین بار حیدر آباد کو گئے اور وہاں کے رئیس نے نہایت قدودانی سے ہر بار ہزار ہا روپے کا سلوک کیا ، خصوصاً راجہ چندو لال نے کہ اس سرکار کا مختار کل اور مردِ سخن فہم اور قدر شناسِ اہل کمال تھا ، اس بزرگ کو مالا مال کر دیا۔“

مولانا آزاد نے پہلے سفرِ دکن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

”تین بار پھر گئے ۔“

لیکن ان تین بار کے سفر نامے دکن کے زمانے کے تعین میں ان کے آخری سفر کو چھوڑتے ہوئے ، جو آخر عمر میں ہوا ، مولانا کے بیانات سے کوئی مدد نہیں ملتی ۔

النصار اللہ نظر خورجوی صاحب نے اپنے مضمون ”شاہ نصیر کی دکن سے واپسی“ میں ان کے تیسرے سفر کے زمانے کا تعین کرتے ہوئے لکھا ہے :

”شاہ صاحب کے تیسرے سفر دکن کا حال ان کے ایک قصیدے سے معلوم ہوتا ہے ، جو اس طرح ہے :

”در مدح راجہ“ راجگان مہاراجہ چندو لال بہادر مختار حیدر آباد :

گو ہیں سپر ، تیغ اور ستار شمس و ہلال و کہکشان
ہر ہیں قرے قبضے میں ہاں شمس و ہلال و کہکشان
چندو لال کو عہدہ مدار المہامی ۱۲۳۸ھ میں حاصل ہوا ، البتہ ۱۲۳۵ھ میں ان کو راجہ“ راجایان کا خطاب مل چکا تھا ۔ اس لحاظ سے شاہ نصیر کا قصیدہ مذکور سنہ ۱۲۳۵ھ کے بعد کا ہونا چاہیے اور یہی ان کے تیسرے سفر کا زمانہ ہو سکتا ہے۔“

یہ قصیدہ بعض اشعار کے فرق و اضافہ کے ساتھ اکبر شاہ ثانی اور مہاراجہ چندو لال دونوں کی خدمت میں پیش کیا گیا ۔ چنانچہ انتخابِ کلیات شاہ نصیر میں اگر اسے مذکورہ عبارت ”در مدح راجہ“ راجگان . . . مختار حیدر آباد“ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تو دوسری طرف نسخہ“ رضا میں اس کا سرنامہ یہ ہے :

”قصیدہ در مدح بادشاہ کیوان خدیو“ (اکبر شاہ ثانی)

جس نے اس کے زمانہ“ تالیف کو معرضِ اشتباہ میں ڈال دیا ہے ۔ نسخہ“ آصفیہ میں اس کے سرعنوان میں مہاراجہ چندو لال کا نام

موجود ہے مگر راجہ* راجایان ان کے نام کے ساتھ نہیں لکھا گیا ۔
 ”قصیدہ شاہ نصیر دہلوی در صفت راجہ چندو لعل بہادر
 پیشکار مدار المہام سرکار عالی ۔“

نسخہ* آئینہ خطی نسخوں میں دیوان نصیر کا قدیم ترین
 مخطوطہ ہے اور حیدر آباد میں ترتیب دیا گیا ہے ۔ نیز یہ اوراق
 جن میں شاہ نصیر کا یہ قصیدہ نقل کیا گیا ہے ، اس کا کاتب شاہ نصیر
 کا کوئی شاگرد ہے جس سے اس کی استنادی حیثیت بڑھ جاتی ہے ۔
 اس کے سرعنوان میں راجہ صاحب کو ”راجہ چندو لال“ لکھا گیا ہے
 اور ”پیش کار مدار المہام سرکار عالی“ کہا گیا ہے جس کے معنی
 یہ ہیں کہ ان کے خطاب راجہ* راجایان سے پہلے پیش ہوا تھا ، اور
 یہ زمانہ ۸۱۲۳۵ سے پہلے ہونا چاہیے ۔ ایسی حالت میں اس قصیدے
 کے سرعنوان سے ان کے تیسرے سفرِ دکن کے زمانے کا حتمی تعین
 ممکن نہیں ، جب تک کہ اس کے حق میں کوئی اور خارجی شہادت
 موجود نہ ہو ۔

سرسید کے بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا
 تیسرا سفر ان کے آخری ایامِ حیات کا سفر ہے جس کے بعد وہ دکن
 سے واپس نہیں آئے ۔

”تیسری بار چونکہ خمیر ان کا وہیں کی خاک سے تھا
 شاہجہان آباد کو آنا نصیب نہ ہوا اور اسی سرزمین میں
 وفات پا کر مدفون ہوئے“۔^۱

شاہ نصیر کا آخری زمانہ ، جس میں انھوں نے حیدر آباد کا
 آخری بار سفر کیا ، وہ کون سا ہے ؟ اس کا تعین مولانا کے اس بیان

کی روشنی میں بھی ہو سکتا ہے :

”ایک دن فرمایا کہ یہ ہمارے بادشاہ کے پہلے سال جلوس کا قصیدہ ہے ۔ شاہ نصیر مرحوم بھی دکن سے آئے ہوئے تھے ، دل نے کہا کہ قصیدہ لکھیے اور ایسا لکھیے کہ استاد بھی کہیں کہ ہاں شاگرد نے کچھ لکھا ، یہ طرح خدا نے دی اور خود سر انجام کیا ۔ اللہ اللہ آن دنوں کا جوش و طبع بھی یاد رہے گا ، عجب عالم تھا :

”ہے آج جو یوں خوش ہما نور سحر رنگ شفیق“۔

بہادر شاہ ظفر ۱۲۵۳ھ میں تخت نشین ہوئے ۔ ان کی تخت نشینی کے وقت مولانا کے اس بیان کے مطابق شاہ صاحب دہلی میں موجود تھے ۔ اس کے ایک سال بعد ۱۲۵۴ھ میں حیدر آباد میں ان کا انتقال ہو گیا ۔ اب اگر مولانا کے اس بیان کو صحیح مان لیا جائے تو شاہ نصیر نے آخری سفر حیدر آباد ۱۲۵۳-۵۴ھ کے ماہین کیا :

تاریخ ”گلزارِ آصفیہ“ کا بیان اس ضمن میں اور زیادہ واضح اور بہین ہے :

”در عہدِ حضرتِ مغفرتِ منزلِ واردِ حیدر آباد گردیدہ ہموارہ در صحبتِ مہاراجہ بہادر بودہ بوطنِ خود رفت و باز در سنہ یک ہزار و دو صد و پنجاہ و چہار ہجری حسبِ الطابِ راجہ چندو لال مہاراجہ بہادر موصوف کہ ہفت ہزار روپیہ برائے خرچ او فرستادہ از دہلی طلب نمودند واردِ حیدر آباد گشت ، بست و پنج روپیہ ہومیہ می یافت

سوائے سلوک دیکرا۔“

اس بیان سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے صرف دو بار سفر حیدر آباد کیا اور وہ ایک اچھے خاصے عرصے تک مہاراجہ بہادر کی خدمت میں رہ کر اپنے وطن واپس آ گئے۔ آخری بار ۱۲۵۳ء میں گئے۔ سات ہزار روپے بطور سفر خرچ پایا اور حیدر آباد میں رہتے ہوئے انہیں پچیس روپے یومیہ تنخواہ ملتی تھی اور عنایات اس کے علاوہ تھیں ، اسی وجہ سے حیدر آباد کی زمین ان کے لیے بڑی کشش رکھتی تھی :

چنانچہ ان کے آخری بار سفرِ دکن سے متعلق مولانا نے لکھا ہے :

”شاہ صاحب چوتھی دفعہ پھر دکن گئے مگر اس دفعہ اسے گئے کہ پھر نہ آئے۔ استاد مرحوم کہ شاہ صاحب کی استادی کو ہمیشہ زبانِ ادب سے یاد کرتے تھے، اکثر افسوس سے کہا کرتے تھے کہ چوتھی دفعہ آدھر کا قصد تھا جو سرِ راہ مجھ سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے کہا کہ اب آپ کا سن ایسے دور دراز سفر کے قابل نہیں۔ فرمایا کہ میانِ ابراہیم وہ بہشت ہے، میں بہشت میں جاتا ہوں، چلو تم بھی چلو۔ استاد مرحوم عالمِ ناسف میں اکثر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ انہی کا مطلع ان کے حسبِ حال ہوا :

بیابانِ مرگ ہے بھنوں خاکِ آلودہ تن کس کا

سے ہے سوزنِ خارِ مہیلاں کو کفن کس کا

آخر حیدر آباد میں جہانِ فانی سے رحلت کی۔“

انتخابِ کلیاتِ شاہ نصیر کے دیباچہ نگار کے بیان کے مطابق :
 ”تاریخِ ہست و پنجم ماہ شعبان ۸۱۲۵۳ روز پنج شنبہ کو
 اس جہانِ فانی سے وفات پائی۔“

مخدوم قاضی موسیٰ قادری کی درگاہ میں دفن ہوئے ۔ شاگرد
 نے ”جراخِ کل“ کے الفاظ سے تاریخِ وفات نکالی ۔

۱۲۵۳

بعض قطعاتِ تاریخِ وفات یہ ہیں جو انتخابِ کلیات کے دیباچہ نگار
 نے تضمین کیے ہیں :

”قطعہ“ تاریخِ نتیجہ“ فکرِ متین شاہ نجم الدین صاحب ہسر
 شاہ نصیر“ :

حیف صد حیف امامِ شعرا شاہ نصیر
 ہازمِ خلدِ برین گشت ازلین دارِ محن
 بہر تاریخِ وفاتش بحروفِ منقوط
 ہاتھ کر دنا خسروِ اربابِ سخن

۱۲۵۳

”قطعہ“ تاریخِ نتیجہ“ فکرِ متین شاہ بہاء الدین متخلص بہ بشیر
 سجادہ نشین درگاہ ، لیرہ شاہ نصیر“ :

موجدِ فنِ سخن شاہ نصیر
 چون ز دنیا رقت و جاں باحق سپرد
 مصرعِ تاریخِ گفت آنکہ بشیر
 پشوائے شاعرانِ ہند ’مرد

۱۲۵۳

”قطعہ“ تاریخ از فکر سید احمد حسن سجاده نشین حضرت
سید حسن رسول“ :

شاہِ نصیرِ واقفِ رمزِ سخنِ وری
روزِ ازل سے جن کا نہ پیدا ہوا نظیر
رحلت کی جب انہوں نے تو تاریخ کے لیے
بولے تلامذہ جگت استاد ہے نصیر

۱۲۵۳

”قطعہ“ تاریخ نتیجہ“ فکر سلیم مولوی عبدالحکیم المتخلص
بہ جوش و حکیم“ :

نصیرِ خوش بیاں شیوہ زبانِ ’مرد
ہجوم آورد بر ما حسرت و رنج
دریغ از سخن می داشت بر دل
خزینہ بر خزینہ گنج بر گنج
حکیم این واقعہ بشنید و گفتی
کہ تاریخش پکو پکتا سخن سنج

۱۲۵۳

”قطعہ“ تاریخ حافظ محمد اکبر عفی عنہ :

فخرِ سخن شاعرِ پکتا نصیر
’مرد بہ ملکِ دکن اے آہ آہ
خامہ“ اکبر سرِ تربت نوشت
شاہِ دریائے سخن اے آہ آہ

۱۲۵۳

شخصیت :

”شاہ صاحب نہایت نفیس الطبع اور لطیف مزاج تھے۔ خوش پوشاک و خوش لباس رہتے تھے اور اس میں ہمیشہ ایک وضع کے پابند تھے جو کہ دہلی کے قدیمی خاندانیوں کا قانون ہے۔ ان کی وضع ایسی تھی کہ ہر شخص کی نظروں میں عظمت اور ادب پیدا کرتی تھی۔ وہ اگرچہ رنگت کے گورے نہ تھے مگر نورِ معنی سر سے پاؤں تک چھایا ہوا تھا۔ بدن چھریرا اور کشیدہ قامت تھے۔ جس قدر ریشہ مبارک مختصر اور وجاہتِ ظاہری کم تھی اس سے ہزار درجہ زیادہ خلعتِ کمال نے شان و شوکت بڑھائی تھی۔ بعض معرکوں یا بعض شعروں میں وہ اس بات پر اشارہ کرتے تھے تو ہزار حسنِ قربان ہوتے تھے۔“ (آبِ حیات، ص ۲۴۴)

شاہ صاحب کی اس قلمی تصویر میں ان کی زندگی اور مزاجِ زندگی کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ وہ خوش پوشاک و خوش لباس اور قدیم وضع کے پابند تھے۔ ان کے خد و خال میں کشش کے آثار جس قدر کم تھے، اتنا ہی انہوں نے اپنے شعور و شعر کے سہارے اپنی شخصیت کو ہر کشش بنانے کی کوشش کی تھی۔ وہ نمود و نمائش کے جذبے سے خالی نہ تھے اور اپنے خاندانی وقار کے ساتھ اپنے ذاتی کمالات کے مظاہرے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ وہ تصوف کے خاندانِ عالی سے تھے لیکن فقر و غنا و بے نیازی ان میں نہ تھی۔ گوشہ نشینی و عزلت گزینی انہوں نے کبھی اختیار نہ کی۔ سفر ہو یا حضر زندگی کی دلچسپیاں انہیں ہمیشہ عزیز رہتی تھیں۔ ان کے اہلِ خاندان سے گفتگو کرنے پر معلوم ہوا کہ

حیدر آباد کے سفر میں وہ خود رتہ پر سوار ہوتے تھے۔ کئی کئی گاڑیاں ضروری سامان سے لدی ہوئی ساتھ ہوتی تھیں۔ ہاں سات مسلح سپاہی معیت میں رہتے تھے اور قوالوں کی ٹولی ہم رکاب ہوتی تھی۔ زندگی کی خوشیاں انہیں عزیز تھیں، یار باش و خوش مزاج آدمی تھے۔ بوڑھوں میں بوڑھے اور بچوں میں بچے نظر آتے تھے۔ میلوں ٹھیلوں میں بے تکلف شرکت کرتے، دل بہلاتے اور تلاش مضامین کرتے اور بقول مولانا آزاد ”فکر سخن سے جو دل کمہلا جاتا تھا، اسے تر و تازہ اور شاداب کرتے تھے۔“ اس ضمن میں مولانا نے بعض لطائف پیش کیے ہیں جن سے اگر ایک طرف ان کے بعض اشعار کی شانِ نزول کا پتا چلتا ہے تو دوسری طرف ان کی شوخی مزاج اور طبعِ لطائف پسند پر بھی روشنی پڑتی ہے :

چلے ان کی بدھ، گوئی کے سلسلے میں یہ روایت ملاحظہ ہو :

”دیہات جاگیر کے تعلق سے ایک دفعہ تحصیل دار سوئی پت کے پاس ملاقات کو گئے اور کچھ رنگتروے دلی سے بطور سوغات ساتھ لے گئے۔ تحصیل دار نے کہا ”جناب شاہ صاحب ! رنگتروں کی تکلیف کیا ضرور تھی، آپ کی طرف سے آپ کا بڑا تحفہ آپ کا کلام ہے، ان رنگتروں کی حسنِ تشبیہ میں کوئی شعر ارشاد فرمائیے۔“ اسی وقت رباعی کہی اور سنائی :

اے تیرے برجِ آسمانِ افسانہ
ان رنگتروں پر غور سے کیجئے گا خیال
یہ لذرِ حقیر ہو قبولِ خاطر
پردے میں شفیق کے ہیں کرہ بند ہلال“

(آب حیات، ص ۳۲۹، ۳۳۰)

لطیفہ : استاد مرحوم فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بھولو شاہ کی ہست میں شاہ صاحب آئے ۔ چند شاگرد ساتھ تھے ، انہیں لے کر تیس ہزاری باغ کی دیوار پر بیٹھے اور تماشا دیکھنے لگے ۔ کسی رنڈی نے جہت سا رویہ لگا کر نہایت زوق برق کے ساتھ ایک کار چوبی رتھ بنوائی تھی ۔ شہر میں جا بہ جا اس کا چرچا ہو رہا تھا ۔ رنڈی رتھ میں بیٹھی جھم جھم کرتی سامنے سے نکلی ۔ ایک شاگرد نے کہا ”استاد ! اس پر کوئی شعر ہو۔“ اسی وقت فرمایا :

اس کی رتھ کا کلس سنہری دیکھو
شب کہا ماہ سے یہ پروں نے
بھر پرواز یہ نکالی ہے
چونچ بیٹھے سے سرخ زریں نے^۱

لطیفہ : ایک ایسے ہی موقع پر کوئی رنڈی سامنے سے نکلی ، اس کے سر پر اودی رضائی تھی اور وسعے کی چمک عجیب لطف دکھاتی تھی ۔ ایک شاگرد نے بھر فرمائش کی ۔ انہوں نے فرمایا :

اودی وسعے کی نہیں تیری رضائی سر پر
مہ جبین رات ہے تاروں بھری چھائی سر پر^۲

یہ صرف ظرائف اور زندہ دلی کی مثالیں ہی نہیں ہیں ، ان کے

۱۔ آب ، ص ۲۲۴ ، ۲۲۵ ۔

۲۔ آب ، ص ۲۲۵ ۔

پس منظر میں شاہ صاحب کی شاعری کی نضا بھی موجود ہے ۔ ایک اور لطیفہ ملاحظہ ہو :

لطیفہ : دل میں ایک منشی ہندو تھے ۔ نجیا نامی رنڈی پر (عاشق ہو کر) سلطان ہو گئے ۔ شاہ صاحب نے فرمایا :
جس طرف تو نے کیا ایک اشارا نہ جیا
نجیا آہ تری چشم کا مارا نہ جیا^۱

اگر ایک جانب زور شاعری میں شاہ صاحب کا بڑھاپا جوانی کے زوروں کو چٹکیوں میں اڑاتا تھا تو دوسری سمت شاہ صاحب کی بدیہ گوئی اور طبع حاضر نے خاص و عام سے تصدیق اور تسلیم کی سند لی تھی :

لطیفہ : ایک دفعہ کئی بادشاہی گاؤں سرکش ہو گئے ۔ شاہ نظام الدین کہ شاہ جی مشہور تھے اور دربار میں مختار تھے ، فوج لے کر گئے اور ناکام پھرے ۔ ان کی مختاری میں بادشاہی لوکروں نے تنخواہ کی تکلیف پائی تھی ، اس پر بھی شاہ نصیر نے ایک نظم لکھی جس کا مطلع یہ تھا :

کیا پوچھتے ہو یارو بیٹھے تھے زہر کھائے
شکر خدا کہ بارے پھر شاہ صاحب آئے^۲

لطیفہ : عیسیٰ خاں اور موسیٰ خاں دو بھائی دل میں تھے ۔
مال و دولت کی باہت دونوں میں کچھ جھگڑا ہوا ۔

۱۔ آب ، ص ۳۲۶ ۔

۲۔ آب ، ص ۳۲۶ ۔

عیسیٰ خاں ناکام ہوئے ۔ موسیٰ خاں نے کچھ عدالت کے زور سے ، کچھ حکمت عملی سے سارا مال مار لیا ۔ شاہ صاحب نے بطور ظرافت چند شعر کا قطعہ کہا ۔ ایک مصرع یاد ہے اور وہی قطعے کی جان ہے :

”ہوئے آفاق میں شہرت کہ عیسیٰ خاں کا گھر موسا“

لطف یہ کہ دونوں بھائی شاعر تھے ؛ ایک کا تخلص آفاق دوسرے کا شہرت تھا ۔

لطیفہ : سرزا مغل بیگ نے خدمت وزارت میں نوکرانِ شاہی کو ناخوش کیا ۔ اس موقع پر ہر ایک شخص نے اپنے اپنے حوصلے کے بموجب دل کا بخار نکالا ۔ ایک صاحب نے تاریخ کہی :

ہنس کے ہاتھ نے کہا اس کو کہ واہ
کیسا ہی الٹی میں وزارت آگئی
شاہ صاحب نے بھی ایک قطعہ کہا ۔ اس کے دو شعر یاد ہیں :

تائے ہائے پر نہ کر دنیا کے ہرگز اعتبار
غور کر چشمِ حقیقت سے کہ سر پر کوچ ہے

۱۔ اسی لطیفے کے سلسلے میں آگے چل کر مولانا نے لکھا ہے : ”ان میں سے بھی کسی نے مغز نے کچھ واپیات بکا لیا ۔ شاہ صاحب کے بزرگوں کی خوبیاں بیان کر کے خود ان کی شکایت کی تھی اور چونکہ روشن پورہ میں رہتے تھے ، اس کا اشارہ کر کے کہا تھا :

بعد ان سب کے شاہ صاحب نے خوب روشن پورہ کیا روشن
(ص ۲۷۷)

توڑ کر تو اس طرف سے اس طرف کو جوڑ لے
 تو تو تو مومن ہے ورنہ مومنوں کی ہوج ہے^۱
 ایک اور لطیفہ ملاحظہ ہو جسے مولانا نے ان الفاظ کے
 ساتھ پیش کیا ہے :

”قطع نظر اس سے کہ شعر کے باب میں طبع حاضر رکھتے
 تھے ، حاضر جوابی میں بھی برق تھے ، چنانچہ ایک دن
 سلطان جی کی سترھویں میں گئے اور باولی میں جا کر ایک
 طاق میں بیٹھ گئے ۔ ”حتہ پی رہے تھے کہ اتفاقاً ایک نواب
 صاحب آنکلیے ۔ شاہ صاحب سے صاحب سلامت ہوئی ، وہیں
 بہت سی اربابِ نشاط بھی حاضر تھیں اور ناچ ہو رہا تھا ۔
 اس عالمِ زرق برق پر اشارہ کر کے نواب صاحب نے فرمایا
 کہ استاد ! آج آپ بھی بالائے طاق ہیں ، بولے : جی ہاں !
 جفت ہونے کو بیٹھا ہوں ، آئیے تشریف لائیے ۲۔“

یہ ایسے لطائف ہیں جن سے ایک ثقہ اور متجیدہ طبیعت آدمی
 بھی کبھی کبھی دل بہلا لیتا ہے ۔ خود خوش ہوتا ہے اور دوسروں
 کو خوش کرتا ہے ۔ لیکن شاہ صاحب کی شاعری اور ان کے شعری
 شعور کے پس منظر کے ساتھ جب یہ لطائف سامنے آتے ہیں تو ان
 کے آئینے میں شاہ صاحب کی شخصیت کے وہ نقوش ابھرتے ہیں جن
 سے ان کی آزاد روی اور آزاد منشی کا پتا چلتا ہے اور وہ ایک ایسے
 انسان نظر آتے ہیں جو کسی خالقِ کا سجادہ نشین ضرور ہے لیکن

۱۔ آب ، ص ۴۷ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۴۸ ۔

زہد و ورع کا پابند نہیں اور زندگی کے ایسے مواقع اور مناظر سے دامن بچائے اور نظر چرائے گزرنے کے بجائے ان سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور اس نمائشے کو اپنا موضوع ذکر و فکر بنا رہا ہے۔

”ان کا مذہب سنت و جماعت تھا مگر اس میں کچھ تشدد نہ تھا۔ کئی ترجیح بند اور مناقب جناب امیر کی شان میں موجود ہیں“ اور بقول مولانا آزاد ”ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زور طبع دکھانے کو یا تحسین و آفرین کے طرے زیبِ دستار کرنے کو نہیں کہا بلکہ دلی محبت اور اصلی اعتقاد سے کہا ہے۔“

(آپ حیات ، ص ۲۳)

مگر مذہبی جذبات کی یہ پرچھائیاں ان کے جہاں کہیں کہیں اور کبھی کبھی ملتی ہیں اور ان کے طرزِ فکر کے کچھ روایتی عناصر کی غمازی کرتی ہیں۔

ان میں خاتوا نشین صوفیوں اور تارک الدنیا زاہدوں جیسی روایتی خوش اعتقادی موجود ہے اور اظہارِ عجز کا یہ عالم ہے کہ : ”کلی کوچے میں ، راہ چلتے ہوئے اگر کسی طاق پر تین لڑی کا سہرا یا کوئی موکھا لیا ہوا ، اس میں پانچ پھول بڑے دیکھتے تو جوتیوں کے اوپر ہا برہنہ کھڑے ہو جاتے اور دونوں ہاتھ بالذکر فاتحہ پڑھتے ۔ بعض شاگرد کہ ہمیشہ چار پانچ ساتھ ہی رہتے تھے ، ان سے پوچھتے کہ استاد ! کس کی درگاہ ہے ؟ فرماتے کہ خدا جانے کس بزرگ کا گزر ہے ۔ وہ کہتا ”حضرت ! آپ نے بے تحقیق کیوں فاتحہ پڑھ دی ؟“ فرماتے کہ بھائی ! آخر کسی نے پھول

چڑھائے، سہرا باندھا تو یوں ہی باندھ دیا؟ کچھ سمجھ کر
 اسی باندھا ہوگا۔ نویت یہاں تک پہنچی کہ بعض دفعہ کسی
 شاگرد کو معلوم تھا، اس نے کہا کہ استاد! میں جانتا ہوں
 یہ سامنے حلال غور کا گھر ہے اور اس نے اپنے لال رنگ
 کا طاق بنا رکھا ہے۔ اس وقت خود بھی ہنس دیتے تھے اور
 کہتے کہ خیر میں نے کلامِ خدا پڑھا ہے، اس کی برکت
 برائی تو نہیں جا سکتی، جہاں ٹھکانا ہے وہیں پہنچے گی،
 میرا ثواب کہیں کیا نہیں۔“

مذہب کے معاملے میں بھی ان کے یہاں رواداری کے جذبات
 ملتے ہیں۔ انہوں نے بہت سے اشعار اہلِ بیت کی تعریف میں الشاکرے
 ہیں۔ با ایں ہمہ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ ان میں عقائد کی شدت
 اور مختلف العقیدہ لوگوں کی طرف سے نفرت کا جذبہ موجود تھا۔
 مولانا کی زبانی ایک واقعہ سنئے :

”جب کوئی واقعہ قابلِ یادگار شہرت پاتا تو اس
 پر بھی شاہ صاحب کچھ نہ کچھ ضرور کہا کرتے تھے :
 چنانچہ مولوی اسماعیل صاحب نے جب جہاد میں شکست
 کھائی اور دلی میں خبر آئی تو انہوں نے اس موقع پر ایک
 طوالتی قصیدہ کہا، دو شعر اس میں سے اس وقت یاد ہیں :
 کلامِ اللہ کی صورت ہوا دل ان کا سپارہ
 نہ یاد آئی حدیث ان کو، نہ کوئی نصِ قرآنی

ہرن کی طرح میدانِ ولعاً میں چوکڑی بھولے
 اگرچہ تھے دمرِ شعلہ سے وہ شیرِ بہستانی

یہ محض ایک یادگار واقعے کو قلمبند کرنا نہیں ، اس سے متعلق اپنے شدید تاثرات اور دلی جذبات کا اظہار بھی ہے جس سے اختلاف عقائد ہر ان کے ذہنی ردِ عمل کا واضح طور پر پتا چلتا ہے ۔ دلی میں اس کا جو ردِ عمل ہوا وہ خود اس کا ثبوتِ ثابت ہے ۔ چنانچہ مولانا نے لکھا ہے :

”مولوی صاحب کے طرفدار مجاہدوں کا دلی میں لشکر تھا ۔ بہت سے مجاہدوں نے آ کر شاہ صاحب کا کھر کھیر لیا ۔ مرزا خانی کوتوالِ شہر تھے ، وہ سترے ہی دوڑے اور آ کر بچا ۔ شاہ صاحب نے اشعارِ مذکور کو قصیدہ کر دیا اور کوتوال صاحب کا بہت شکریہ ادا کیا ۔ ایک شعر اس میں کا بھی خیال میں ہے :

لصیر الدین بیچارہ تو رستہ طوس کا لیتا
لہ ہونے شجہٴ دہلی اگر ہاں میرزا خانی^۱

صبر و قناعت اہل تصوف کا شیوہ ہے لیکن شاہ نصیر کی شیوہ بیانی ہی سے نہیں ، ان کے مزاج کی آفتاد سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں صبر و قناعت کو زیادہ دخل نہ تھا ۔ عاقبت کی فکر غالباً انہیں اتنی نہ تھی جتنی وہ اپنی عاقبت کی فکر میں پڑے رہتے تھے ؛ یعنی یہ بھی اور وہ بھی ۔

مولانا محمد حسین آزاد نے ان کی فرمالشی طبیعت کا دلچسپ

۱۔ آب ، ص ۴۶ ۔ اس زمین میں نصیر کا ایک قصیدہ ، جو بہادر بیگ خان کی مدح میں ہے اور پچھن اشعار پر مشتمل ہے ، نسخہٴ رضا میں موجود ہے ، مگر یہ شعر اُس قصیدے سے متعلق نہیں معلوم ہوتا ۔

حاکم ان الفاظ میں پیش کیا ہے :

”اگرچہ شاہ صاحب کے لیے ایال نے فارغ البالی کا میدان وسیع کر رکھا تھا مگر ان کی عادت تھی کہ ہر ایک شاگرد سے کچھ نہ کچھ فرمائش بھی ضرور کر دیتے تھے۔ مثلاً غزل کو اصلاح دینے لگے، قلمدان اٹھانے اور کہتے : ”میاں کشمیر کے قلمدان کیا خوب آیا کرتے تھے، خدا جانے کیا ہو گیا، اب تو آنے ہی نہیں۔ بھلا کوئی نظر چڑھ جائے تو لانا۔“ اسی طرح کسی سے ایک چاقو کی فرمائش کی۔ کوئی آسودہ حال شاگرد ہوتا اور آپ کیڑے پھٹے لکھتے تو کہتے کہ، ”ڈھاکے کی ململ جو پہلے آتی تھی وہ اب دکھائی ہی نہیں دیتی، صاحب! ہمیں تو یہ انگریزی ململ نہیں بھاتی۔ میاں کوئی تھان نظر چڑھے تو دیکھنا۔“ بعض دوستوں نے تعجباً پوچھا کہ یہ کیا بات ہے! فرمایا کہ روز واپسات ہکواسیں کاغذ پر لکھتے ہیں اور آ کر میری چھاتی پر سوار ہو جاتے ہیں۔ اس فرمائش کا اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ روز کے آنے والے چوتھے دن غزل لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس کام کو انسان کچھ خرچ کر کے سیکھتا ہے اسی کی قدر بھی ہوتی ہے اور شوق بھی پکا ہوتا ہے اور جو کچھ لکھتا ہے جان کا پی سے لکھتا ہے۔ اس کا تو ادھر فائدہ ہوا، میرا یہ فائدہ ہوا، لے آیا تو چیز آ گئی، نہ لایا تو میرا پیچھا چھوٹا۔“

ممکن ہے مولانا کی شوخی فکر نے ان کی تصویر کے بعض رنگوں میں زیادہ شوخی پیدا کر دی ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ شاہ صاحب

کی طبیعت میں درویش خوئی اور فقر و مسکنت کے بجائے خود پسندی ، جاہ پرستی ، دربار داری اور دلیا طلبی نسبتاً زیادہ تھی ۔ یہ صحیح ہے ، بہت سے صوفیا اور فقرا سرمایہ توکل پر تکیہ کرتے تھے ، فتوحات ہر ان کا گزارا ہوتا تھا ۔ اسانڈہ سخن کے ساتھ بھی عقیدت مندانہ سلوک کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی ۔ مصحفی کی طرح ممکن ہے بعض اپنے کلام و کمال کو فروخت کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہوں لیکن شاہ نصیر کا رنگ دوسرا تھا ۔ یہ ان کے شعور و شخصیت کے وہ پہلو ہیں جنہوں نے ان کی شاعری پر ہمہ گیر اثر ڈالا ہے ۔

ان کے یہاں عقیدت پرستی و نیاز مندی کے وہ آداب بھی ملتے ہیں کہ ”جہاں نقش قدم دیکھا وہیں ہم نے جبین رکھ دی“ لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے معتقدات میں وہابی تحریک کے سخت مخالف نظر آتے ہیں اور شاعری کی دلیا میں تو وہ سب کے حریف ہیں ، کسی کے حلیف نہیں اور اپنے جس سر پر انہوں نے کلامِ بخر کچ کی ہے ، وہ کسی کے سامنے اس کی واجبی تعظیم میں بھی نہیں جھکتا ۔

میر قدوت اللہ قاسم نے ، جو ان کے بزرگوں سے فی الجملہ عقیدت رکھتے ہیں اور ایک خاص اعزاز و احترام کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں ، ان کی متکبرانہ روش کی شکایت ان الفاظ میں کی ہے :

”خیالِ شاعری چنان در نہادش جا گرفتہ کہ تا سرآمدِ سخن
سنجانِ فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا و نکتہ پرداز بے نظیر
محمد تقی میر دو نظرش نمی سنجد تا بہ دیگران خود چہ رسد
بے ہیچ با ہر کسے نقاری (کذا) دارد۔“

قاسم نے اس سلسلے میں ان کے خالداں سے اپنے روابط کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی دلچسپی کے جا کی طرف بھی اشارہ کیا ہے :

”وہا وصفی کہ والد ماجدش بر قاسم بیچ مدان خیلے
سہرہاں و زبده صوفیان زمان میر صدر جہان ہر این سراپا
نقصان نہایت عنایت فرما بودند معہذا جلوہ اش از کم غیب
ہم متنبہ“ ظہور ہم حضور ابن عین قصور (صورت پذیرفت) ،
دیگر امور مستعدیہ مودہ و تعیش ہمارو کہ ذکر آہا
باوصف عدم ملائمۃ باطناب محل می کشد از ہمہ اغراض العین
فرمودہ برخلاف چشم داشت پیش می آمد ، ہے ہے غلط
کردم و خطا گفتم ، جاے شکوہ نیست ۔ در اظہار اوصاف
جلی و ابراز اخلاق خلقی انسان مجبور و معذور ”کل اناہ
یترشح بعا فیہ ۔“ ہر حال او داند و کار او ، من ہے چارہ
کہ خاک ہاے طلباے علم :

طبع مرا بہ زمزمہ شاعری چہ کار

شاعر نہ ام کہ در پوستین مدعی شاعری اقم ۔“

آخری فقرہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس شکررغبی کے پس منظر
میں مدعیانہ جذبہ شاعری موجود ہے ۔ مولانا آزاد نے لکھا ہے :

”حکیم قدرت اللہ خان قاسم سے ایک خاص معاملہ یہ درمیان

آیا کہ ایک دفعہ مشاعرے میں طرح ہوئی :

”یار شتاب اور تلوار شتاب“

شاہ نصیر نے جو غزل کہہ کر پڑھی تو اس میں قطعہ تھا کہ :

رخ انور کا ترے وصف لکھا جب ہم نے
 انوری نے دیا دیوان آٹھ اے یار شتاب
 پھر پڑھا ہم نے جو مضمونِ بیاضِ گردن
 سن اے ہو گیا چپ قاسمِ انوارِ شتاب

حکیم صاحب مرحوم خاص و عام کے لیے واجب التعظیم
 تھے۔ اس کے علاوہ فضیلتِ علمی کے ساتھ ان شعر کے
 مشاق تھے اور فقط موزونیِ طبع اور زورِ کلام کو خاطر
 میں نہ لاتے تھے۔ چونکہ خود قاسم تخلص کرتے تھے،
 اس لیے قاسمِ انوار کا لفظ ناگوار ہوا۔ چنانچہ دوسرے
 شاعرے کی غزل میں قطعہ لکھا :

واسطے انسان کے السائیتِ اول شرط ہے
 میر ہو یا میرزا ہو، خان یا ثواب ہو
 آدس تو کیا خدا کو بھی نہ ہم سجدہ کریں
 گر نہ خمِ تعظیم کو پہلے سرِ مہراب ہو“

شاہ صاحب کی رعوتِ شاعرانہ کے بارے میں قاسم کے بیان کو
 محض شکرِ ربی کا رہ آورد نہ سمجھنا چاہیے، شاہ نصیر کے بعض مقطعات
 خود اس امر کے گواہ ہیں کہ انہوں نے ایک سے زیادہ مواقع پر خود
 میر سے طرف ہونے کی کوشش کی ہے۔

شاہ صاحب کے مزاج میں جو رعوت و الایت تھی اور وہ اپنے
 شاعرانہ مرتبہ و مقام کو جس طرح دوسروں سے بہت بلند سمجھتے
 تھے، اس کی طرف دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی چشمِ سخن سے

اشارے کہے ہیں :

”گویند کہ درین فن بسببِ قوتِ طبیعت و مقبول شدن

کلام در حضرت سلطان دام شرفہٴ کسی را بخاطر نمی آرد۔“

مولوی کرم الدین نے لکھا ہے :

”عالمِ حیات اپنے میں اپنے تئیں مرزا بخد رفع سودا اور

میر تقی میر پر فائق سمجھتے تھے۔“

اور یہ سب اس حالت میں تھا کہ فنونِ شعرہ سے بخوبی واقف

نہ تھے ، مگر اپنی کثرتِ مشق اور موزونیِ طبع کی وجہ سے کسی کو در خور اعتنا نہ سمجھتے تھے ۔

اس زمانہٴ شاعری میں معرکہ آرائی و صف بندی کسی ایک شاعر

کے ساتھ مخصوص نہیں اور اس وقت کے شاعرے عام بنے ہوئے نظر آتے ہیں ، لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ شاعروں کی ہنگامہ

آرائیوں اور بزم آزمائیوں میں دوسروں سے پیش پیش ہی ہیں ۔ وہ ایک شاعر ہی نہیں ہیں ، ایک درویش بھی ہیں ، مگر ان کی شاعری درویشی

کا ساتھ چھوڑ رہی ہے ۔ اردو شاعروں کی تاریخ میں نوک جھولک

اور معاصرانہ چشمک کی مثالیں تو مرزا ، مظہر جان جاناں جیسے

بزرگوں کے ہاں بھی مل جائیں گی لیکن کوئی بھی ان میں شاہ نصیر

نہیں جس کی شخصیت دربار و خاقانہ کے دائروں ہی میں نہیں ، کوچہ

و برزن میں بھی دلِ ناصبور کی طرح ہنگامہ گرم کن ہے ۔ میرٹھ

چنچتے ہیں تو یہی عالم ہے ، لکھنؤ چنچتے ہیں تو یہی ہنگامہ ہے اور

۱۔ دستور ، ص ۱۶۳ ۔

۲۔ نازنین ، ص ۲۸۱ ۔

حیدر آباد پہنچتے ہیں تو یہی مظاہرۃ فن ہے ۔ چنانچہ تذکرہ نگاروں نے ان کے سفر ہائے شہر و دیار کے ذکر کے ساتھ اس چلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جو ان سفروں کا سب سے بڑا محرک تھا ۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے لکھا ہے :

”اکثر معمرہ ہائے مشہور مثل لکھنؤ و حیدر آباد و

غیر ہم مکرر رفتہ و با شعرائے مشہر ہر دیار ہر خوردہ و

مطارحہ و مشاعرہ کردہ و ہاستادی نام ہر آوردہ۔“

مولوی کریم الدین کا بیان ہے :

”اکثر بلاد ، مثل لکھنؤ اور حیدر آباد کے ، بارہا گیا اور

اکثر شاعروں نے ، جہاں گیا ، مباحثہ اور مقابلہ کیا اور

نامور ہو کر آیا۔“

اس بیان سے یہ مقصد نہیں کہ شاہ نصیر کو ایک فزیر ، ایک

درویش ، ایک صوفی اور ایک زاہد ضرور ہونا چاہیے تھا ۔ وہ یہ سب

کچھ نہیں تھے بلکہ اپنے زمانے کی روح کے نمائندہ شاعر تھے ۔ اس

روح کو ، جو خود ان کے اپنے شعور اور شعروں میں کارفرما تھی ،

متحرک دیکھنا ان کی اس شاعری کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے

جس کے لیے مولانا آزاد نے بجا طور پر لکھا ہے :

”شعر کہنے سے کبھی ٹھکتے نہ تھے اور کلام کی چستی

میں سستی نہ آتی تھی ۔ اکثر مشاعروں میں ، اوروں کے

غزل پڑھتے پڑھتے ، اشعار برجستہ ، موزوں کر کے غزل میں

داخل کر لیتے تھے ۔ طبع موزوں گویا ایک درخت تھا کہ

۱۔ بے خار ، ص ۳۲۲ ۔

۲۔ طبقات ، ص ۲۱۸ ۔

جب اس کی ٹہنی ہلاؤ فوراً پھل جھڑ پڑیں گے . . . طبیعت میں تیزی غضب کی تھی - عین شاعرے میں کسی کا شعر سنتے اور وہیں بول اُٹھتے کہ یوں کہو - کہنے والا سن کر منہ دیکھتا رہ جاتا - یہی سبب ہے کہ ہرآنے ہرآنے مشاق جھپکتے رہتے تھے . . . ان کی آواز میں ہڑھاپے تک بھی جوانی کی کڑک دمک تھی - جب شاعرے میں غزل پڑھتے تو ساری محفل ہر چھا جاتے تھے اور اپنا کلام انہیں خود بے اختیار کر دیتا تھا - ایک شاعرے میں غزل پڑھی ، اس میں جب قطعہ "مذکورہ ذیل پر پہنچے تو شعر پڑھتے تھے اور مارے خوشی کے کھڑے ہوئے جاتے تھے :

یہ محنوں ہے ، نہیں آہوں لیلیٰ
چن کر ہوسیں نکلا ہے گھر سے
جسے تو سینگ سمجھے ہے یہ ہیں خار
لگے ہیں پاؤں میں نکلے ہیں ، سر سے '۱

آن کی شاعرانہ فطرت اور معرکہ ہائے سخن میں نمایاں رہنے کی خواہش کے سلسلے میں اس روایت کا ذکر مولانا آزاد نے سہاراجہ چندو لال کی ہزم سخن کے ایک لطیفے کے طور پر کیا ہے :

"شاعرے اور منائے کا دربار رات کے پچھلے چہر ہوتا تھا ؛ ایک موقع پر کہ نہایت دھوم دھام کا جلسہ تھا ، تمام ہاکال اہل دکن اور اکثر اہل ایران موجود تھے - سب کی طبیعتوں نے اپنے اپنے جوہر دکھائے ، خصوصاً چند شعراء ایران

نے ایسے ایسے قصاید سنائے کہ لب و دہن پر حرف آفریں
 نہ چھوڑا۔ شاہ نصیر کی حسنِ رسانی اور اخلاق نے دربار
 کے چھوٹے بڑے تسخیر کیے ہوئے تھے ، چنانچہ جب
 شمع قریب پہنچی تو ایک خواص نے کہہ سونے کا عصا
 ہاتھ میں ، ہزار بارہ سو روپے کا دوشالہ کندھے پر ڈالے کھڑا
 تھا ، کان میں جھک کر کہا کہ آج آپ غزل نہ پڑھیں تو
 بہتر ہے ۔ آپ وہیں ہکڑ کر بولے کہ کیوں ؟ اس نے کہا
 کہ ہوا تیز ہو گئی ہے ، یعنی کلام کا سرسبز ہونا مشکل ہے ۔
 یہ خفگی سے ٹھوڑی ہر ہاتھ پیر کر بولے کہ ایسا تو
 میں خوبصورت نہیں کہ کوئی صورت دیکھنے کو نوکر
 رکھے گا ، یہ نہیں تو پھر میں ہوں کس کام کا ۔ اسی قبل و
 قال میں شمع بھی سامنے آ گئی ۔ پھر جو غزل سنائی تو سب
 کو لٹا دیا ۔“

اس واقعے سے شاہ نصیر کی ادبی شخصیت و شعور اور ان کی
 شاعرانہ افتادِ مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے ۔

شاعری :

شاہ نصیر سنہ ۱۱۷۵ھ کے قریب پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۵۳ھ
 میں انتقال فرما گئے ۔ یہ زمانہ شمالی ہند میں اردو شاعری کی
 ترویج ، اس کے ادبی مزاج کی تبدیلی اور شاعرانہ اسالیب کی تنوع
 پسندی کے لحاظ سے اردو زبان و ادب کا ایک نہایت اہم دور ہے ۔
 اس دور میں اردو شاعری جن راہوں سے گزری ، ان میں شاہ نصیر کے

تقوشِ قدم نسبتاً بہت نمایاں ہیں اور تیرھویں صدی ہجری کے نصفِ اول میں جب ہم دہلی کی ادبی محفلوں پر نظر ڈالتے ہیں تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگلی صدیوں کی روایتیں تمام تر نہیں تو بہت کچھ ان ہی کے دم سے ہیں۔

وہ اپنے معاصرین کے مقابلے میں کم علم ہیں لیکن دہلی کے ادبی مزاج اور لسانی مذاق کو خوب جانتے اور پہچانتے ہیں اور اپنے اندر فی الجملہ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ خود اپنے اسلوب کی صفائی، طرزِ ادا کی برجستگی اور استادانہ رنگِ سخن کی روایت کو آئندہ کے لیے ایک ”معیار“ کی حیثیت دے دیں اور اپنی ذات سے ایک ادارہ بن جائیں۔

شاہ نصیر کی شاعری کا جذباتی یا احساسی پہلو بہت کمزور ہے۔ اس میں جگر کاوی کی جگہ ایک ذہنی کاوش ملتی ہے۔ ”ان کے معجزۂ فن کی نمود“ خونِ جگر سے نہیں ہوتی، نیرنگیِ فکر سے ہوتی ہے۔ اس میں مشاق و مشاطگی کو زیادہ دخل ہے اور درہمیِ حال کو بہت کم۔ مگر اس کیف و کم کو ہم صرف نصیر کی شاعری اور شعور سے وابستہ کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا تعلق اردو شاعری کی نہجِ ارتقا سے ہے جس پر شاہ حاتم سے لے کر داغ تک ہم اردو کے اساتذہٗ سخن کو مسلسل آگے بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ شاہ نصیر اس میں ایک کلیدی شخصیت ہیں۔ اس نہجِ ارتقا کے ابتدائی تقوشِ خود ولی کی شاعری میں مل جاتے ہیں چنہوں نے چنوبی ہند کے چراغِ سخن سے شہابی ہند میں شاعری کی شمع روشن کی۔

ولی کے سفرِ دہلی کا ذکر کرتے ہوئے میر نے ”لکات الشعراء“

میں لکھا ہے :

”میکویند کہ در شاہجہان آباد دہلی نیز آمدہ بود ، بخدمتِ میان گلشن صاحب رفت و از اشعار خود بارہ خواند ۔ میان صاحب فرمودند این ہمہ مضامین فارسی کہ بے کار افتادہ اند ، در ریختہ خود بکار بہر ، از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت ۔“

شوق کا بیان ہے :

”ہمچو مسموم است کہ در ہندوستانِ جنت نشان کہ عبارت است از شاہجہان آباد دہلی ، نیز بطریقِ سہرآمدہ بود ، روزے بحسب اتفاق بخدمتِ شاہ گلشن کہ مقتداۓ وقتِ خود بود ، مستفید شد ۔ شاہ موصوف فرمود کہ شاہِ زبانِ دکھنی را کزاشتہ ریختہ را موافقِ اردوۓ معلیٰ شاہجہان آباد موزون بہ کنید ، تا موجبِ شہرت و رواج و مقبولِ خاطرِ صاحبِ طبعانِ عالی مزاج گردد۔“

شاہ سعداقلہ گلشن (عہدِ عالمگیر تا عہدِ محمد شاہ ایک مشہور صوفی بزرگ) کے ان مشوروں سے شاہی ہند اور بالخصوص دہلی کے ادبی مذاق اور لسانی مزاج کا پتا چلتا ہے ۔ ولی خود بھی دہلی کے اس طرزِ فکر اور اسلوبِ ادا سے ناواقف نہ رہے ہوں گے ، اس لیے کہ ان کے عہد میں اورنگ آباد (مغل عساکر کے قیام اور موکبِ شاہی کے ساتھ دہلی کے آسرا کی موجودگی کی وجہ سے) دہلوی زبان اور اندازِ بیان سے متاثر ہو چکا تھا ۔ غزل پر ولی کی بیش از بیش توجہ اس کا ایک ثبوت

۱۔ نکت ، ص ۹۰ ۔

۲۔ طبقات الشعرا ، ورق ۴ ب ۔

ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ زبان کے اعتبار سے ان کے دیوان کا ایک ٹلٹ شاہجہاں آباد کا ساختہ برداشتہ معلوم ہوتا ہے ۔

ولی کی شاعری کے سلسلے میں اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اساسی طور پر اس کا مقصد محض حال و قال کی محفلیں اور ان کی رونقیں ہیں ۔ کوئی بڑے زمین و آسمان اس کے سامنے نہیں ہیں ۔ چنانچہ ولی کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے :

”غرض جب سے ان کا دیوان دلی میں پہنچا تو اشتیاق نے ادب کے ہاتھوں پر لیا ، قدردانی نے غور کی آنکھوں سے دیکھا ، لذت نے زبان سے پڑھا ۔ گیت موقوف ہو گئے ، قوال معرفت کی محفلوں میں انہیں کی غزلیں گانے بجانے لگے ، اربابِ نشاط یاروں کو سنانے لگے جو طبیعت موزوں رکھتے تھے انہیں دیوان بنانے کا شوق ہوا۔“

اگرچہ اس اعتبار سے یہ نہایت خوشی کا موقع ہے کہ عمدہ جوہر انسانیت پسندیدہ لباس پہن کر ہماری زبان میں آیا مگر اس کوتاہی کا افسوس ہے کہ کوئی ملکی فائدہ اس سے نہ ہوا ، اور اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ کسی علمی یا آئینی راستے سے نہیں آیا بلکہ فقیرانہ شوق یا تفریح کی ہوا سے اڑ کر آ گیا تھا۔“

جہاں ولی کی شاعری سے بحث میں اس ذہنی ماحول اور فکری پس منظر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو اردو شاعری کی ذہنی تعمیر

۱۔ آب ، ص ۹۳ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۹۳ ، ۹۴ ۔

میں ”خشتِ اول“ کی حیثیت رکھتا ہے جس پر ایک زمانے تک اس کی عمارت کھڑی کی جاتی رہی اور جس کی وجہ سے فارسی مضامین سے اخذ و استنباط اور اصلاح زبان کی کوشش کے علاوہ اردو شاعری کسی اور مقصد سے وابستہ نہ ہو سکی۔

شاہ حاتم کا منتخب دیوان اردو شاعری کی راہِ ارتقا کا سنگِ میل ہے۔ اس کے مقدمے میں انہوں نے اپنے عہد کے لسانی مزاج اور ادبی مذاق کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اس سے اردو شاعری کی ”منزلِ مراد“ کی ایک واضح سمت کا تعین ہو جاتا ہے :

”ازدہ دوازده سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ لسان عربی و زبان فارسی کہ قریب النہم و کثیر الاستعمال باشد و روزمرہ دہلی کہ میرزایانِ ہند و نصیحانِ رند در مہاورہ (کذا) دارند منظور داشتہ زبانِ پر دیار تا بہ ہندوی کہ آن را بھاکا گویند ، موقوف کردہ ، محض روزمرہ کہ عام لہجہ و خاص پسند بود ، اختیار نمودہ ۔ از ان الفاظ کہ تقید دارد بہ بیان می آرد ۔ چنانچہ عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحتی و بیگانہ را بگانہ و دیوالہ را دوالہ و مانند آن بطور عامہ ، و متحرک را ساکن و ساکن را متحرک چنانچہ تمرضی را تمرض یا تمرض و تمرض و الفاظ ہندی کہ لین و جگ و نت و ہسر وغیرہ آتھہ باشد یا لفظ مار و موا و ازین قبیل کہ بر خود قباحتی لازم آید یا بجائے سے ، ستی یا آدھر را اودھر و کیدھر را کیدھر کہ دران زیادتی حرف باشد یا بجائے ہر ، بہ یا ہاں را یاں و وہاں را وان کہ در مخرج تنگ بود ، یا کسر و فتح و ضمہ در قافیہ یا قافیہ راے فارسی با راے ہندی ؛ چنانچہ گھوڑا

و بورا و دھڑ و سر و مانندِ آن ، مگر ہائے ہوز را بدل کردن
 بہ الف کہ از عام تا خاص در مہاورہ (کذا) آوند ، بندہ در
 این امر بہ متابعتِ جمہور مجبور است ، چنانچہ بندہ را ہندا
 و پردہ را پردا و آنچہ ازین قبیل باشد ، اہی قاعدہ را تاکجا
 شرح دہد ، غرض کہ خلاف مہاورہ (کذا) و غیر مصطلح
 و غلطی روزمرہ و قصان فصاحت را دخل نہ باشد۔“

اس اقتباس سے یہ ادنیٰ توجہ یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ زبان و
 بیان کے بارے میں دہلی کا نقطہٴ نظر کیا ہے اور زبان میں یہ تیز رفتار
 تبدیلیاں دہلی کے ادیبوں اور شاعروں کی توجہ کو کتنے امور پر مرکوز
 کیے ہوئے ہیں۔ معانی کے مقابلے میں الفاظ کے املا ، ہجا اور صوتی
 آہنگ کی اہمیت ، نیز محاورے اور روزمرہ کی قدر و قیمت کیا ہے۔ الفاظ
 کی مقبول اور مروجہ صورتیں ہی ان کے نزدیک مرجع ہیں اور اس
 کو زبان کے صحیح اور فصیح ہونے کا ”مدار“ مانا گیا ہے۔

خود اس دور کے تذکروں میں زبان کی صحت اور محاورے پر
 بہت زور دیا گیا ہے اور اس میں دہلی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔
 میر کا میر قمر الدین منت سے (جو سوئی ہت کے رہنے والے تھے) یہ
 کہنا کہ ”سید صاحب! اردو سے معلیٰ خاص دلی کی زبان ہے ، آپ
 اس میں تکلیف نہ کیجیے ، اپنی فارسی و اسی کہہ لیا کہجیے“^۱،
 اور اہل لکھنؤ سے اپنا کلام نہ سنانے کی معذرت کے طور پر کہنا
 ”میرے کلام کے لیے فقط محاورۃ اہلِ اردو ہے یا جامع مسجد کی
 سیڑھیاں“^۲ اس روایت کے تسلسل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۱۔ دیباچہ دیوان زادہ ۔

۲۔ آب ، ص ۲۲۳ ۔

میر نے ”نکات الشعراء“ میں اپنے عہد کے پسندیدہ اسلوبِ ادا پر جو گفتگو کی ہے ، اسے ”انداز“ سے تعبیر کیا ہے اور اس کے ضمن میں لکھا ہے :

”رغزہ برچندین قسم است . . . اول آنکہ یک مصرعش فارسی و یک ہندی . . . دوم این کہ نصف مصرعش ہندی و نصف فارسی . . . سوم آنکہ حرف و فعل فارسی بکار می برند و این قبیح است ، چہارم آنکہ ترکیبات فارسی می آرند ، اکثر ترکیب کہ مناسب زبانِ رغزہ می افتد آن جایز است و این را غیر شاعر نمی داند و ترکیبے کہ نا مانوس رغزہ می باشد ، آن معیوب است و دانستن این نیز موقوف سلیقہ شاعری است ، و مختار فقیر ہم همین است ، اگر ترکیب فارسی موافق گفتگوئے رغزہ بود ، مضائقہ ندارد ۔ پنجم اینہام است کہ در شاعرانِ سلف درین فن رواج داشت ، اکنون طبعہا معروف این صفت کم است مگر بسیار ہشتکی ہستہ شود . . . ششم انداز است کہ ما اختیار کردہ ایم و آن محیطِ ہمہ صنعتہا است ؛ تجنیس ، ترمیم ، تشبیہ ، صفائے گفتگو ، فصاحت ، بلاغت ، ادا ہندی ، خیال وغیرہ این ہمہ ہا در ضمنِ ہمین است ۔“

میر صاحب شاعر معنی ہند ہیں ۔ ”انداز“ پر گفتگو کرتے ہوئے بھی انہوں نے معنی بلاغت اور خیال کو نظر انداز نہیں کیا لیکن اس گفتگو کے بین السطور میں جو پہلو نسبتاً زیادہ نمایاں ہے ، وہ شاعری میں الفاظ کی ترکیب دہی اور فقرات کی استخوان بندی کا عمل اور صنائع کا استعمال ہے ۔ یہی اس دور کا تنقیدی و ادبی

نقطہ نظر ہے ۔

میر و مرزا کے اس عہد میں اردو شاعری کی وہ خصوصیات نمایاں ہوئیں جن کو دہلی کے ”دہستانِ شاعری“ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ یہ خصوصیات کہیں عاشقانہ مضامین ، کہیں متصوفانہ افکار اور کہیں داخلی کوائف کی صورت میں سامنے آتی ہیں ۔ لیکن دہلی سے ان خصوصیاتِ شعر کا تعلق بالکل اتفاق اور اضافی ہے ۔ یہ خصائصِ شعری ہمیں دہلی سے پہلے دکنی شاعری میں بھی اور اسی دور میں دہلی کے ساتھ دیگر مقامات کے شعرا کے یہاں بھی ملتے ہیں ۔ یہ دراصل اردو شاعری کے ایک خاص دور اور اس کے تاریخی و تہذیبی پس منظر کی عکاسی کرتے ہیں ۔ دہلی سے ان کا تعلق اصطلاحی زیادہ ہے ، جغرافیائی کم ، ورنہ متقدمینِ دہلی کے عہد میں ، جب کہ دہلی کے حالات کچھ دوسرے تھے اور شاہ عالم کے آخری عہد سے لے کر بہادر شاہ ظفر کے زمانہ حکومت تک ، جب دہلی کا تاریخی و تہذیبی ماحول بدل رہا تھا ، دہلوی شاعری اور اس کا مجموعی سرمایہ اپنے رنگ و آہنگ کے اعتبار سے وہ نہیں ہے جس پر دہلی کے دہستانِ شاعری کی بیش تر اور بہترین خصوصیات کا اطلاق ہو سکے ۔ انشا و مصحفی سے لے کر ذوق و ظفر تک ، غالب کی شاعری کے ایک خاص حصے کو مستثنیٰ کرتے ہوئے ، دہلوی شعرا کے یہاں حال سے زیادہ قال پر اور معنی سے زیادہ صورت پر توجہ کے واضح ثبوت خود ان کے دواوین میں موجود ہیں ، اور یاستثنائے غالب ایک بھی شاعر فکر و خیال کے اعتبار سے عظیم شاعر نہیں ہے ، زبان و بیان کی متنوع خصوصیات اور شعر کی ظاہری صورتوں کے اعتبار سے انہیں کچھ بھی درجہ دیا جائے ۔

وجہ ظاہر ہے ، میر و مرزا کے عہد میں فارسی شاعری کے وسیع و ہندگیر مطالعے کے ساتھ ادھر کے مضامین کو ادھر لینے کا سلسلہ قریب قریب اسکانی حدوں تک آگے بڑھ چکا تھا اور مجموعی حیثیت سے فارسی کے بیشتر مضامین کام آچکے تھے ۔ دہلی یا مغل سلطنت کے تاریخی و تہذیبی زوال کے اثرات کے ساتھ جو مضامین حال و خیال دماغ کی سطح پر ابھر سکتے تھے ، ان پر بھی طبع آزمائیاں ہو چکی تھیں ، اس لیے ہیئت اور اسلوب کے سلسلے میں گونا گوں قہریات کے سوا اب طباعی کے لیے کوئی میدان باقی نہ تھا ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علومِ شعریہ کے مطالعے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے اور شعر و زبانِ شعر کے محاسن کو پرکھنے کے لیے شاعری کا معروضی مطالعہ کیا جا رہا ہے ۔ الفاظ کی صورت گری ، تراکیب کی چستی ، زبان کی درستی ، قوافی کی عجوبہ کاری ، ردیفوں کی سحر طرازی اور بحور و اوزان کی طلسم بندی کو محکم اعتبار اور فکر کا معیار سمجھا جا رہا ہے ۔ یہ سب کچھ اگر نیم شعوری طور پر جذبات کے فقدان اور تخلیقی انکار کی کم مائیگی سے ہو رہا ہے تو شعوری طور پر اس میں اصلاحِ زبان اور تزئینِ بیان کا وہی جذبہ کارفرما ہے جس پر شاہی ہند میں اردو شاعری کی بنیاد رکھی گئی تھی ۔

اصلاحِ زبان اور تزئینِ بیان کا یہ جذبہ دہلی سے لکھنؤ کو منتقل ہوا ۔ اہلِ لکھنؤ کے لسانی نقطہ نظر میں وہی طور پر کچھ خاص حالات کے تحت ایک گوانہ شدت پیدا ہو گئی جس کا اظہار ناسخ کی زبان سے شعر میں ہوا ہے ۔ لیکن صحتِ زبان اور فصاحتِ بیان کی اہمیت پر زور دینے کے با وصف اسلوب کے معاملے میں اہلِ لکھنؤ خاصے روادار یا لبرل رہے ہیں ۔ اس کے برعکس اہلِ دہلی

کے چہاں زبان کی سرگزشت کا جو خیال متقدمین کے عہد میں پیدا ہوا تھا ، اسے رفتہ رفتہ ایک ادارے کی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ دہلوی شاعری اور دہلوی نثر کی بنیاد بن گیا ۔

مصحفی ہوں یا انشا و رنگین ، ذوق و ظفر ہوں یا داغ ، ان میں سے کون ایسا ہے جو دہلوی زبان کی روایت کو ادارے کی حیثیت سے لہ دیکھتا ہو ۔ زبان اور اسلوب بیان کی اساسی اہمیت کو ان کی شاعری میں ”خشتِ اول“ کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے ۔ اور داغ کے بعد تو دہلوی شاعر اور اس دبستان سے وابستہ افراد صرف زبان کے شعر کہتے ہیں ۔ یہی حال نثر نگاروں کا ہے ؛ میرامن سے لے کر غالب تک اور غالب سے لے کر حسن نظامی اور اشرف صبوحی تک دہلوی دبستانِ نثر کی خصوصیت صرف زبان اور اسلوب بیان ہے ۔

اس ضمن میں اس پہلو پر نظر رکھنی بھی ضروری ہے کہ دبستانِ دہلی سے وابستہ بعض شعرا اپنی شاعری کو ان ”خصوصیات“ کی بنا پر دہلی سے منسوب نہیں کرتے اور اس نسبت سے خود کو دہلی کا نمائندہ نہیں کہتے بلکہ اردو سے معلّی شاہجہاں آباد پر قدرت اور زبان کے معاملے میں اپنے درجہٴ استناد پر زور دینے کے لیے اپنے حرفیوں کے مقابلے میں یہ کہتے نظر آتے ہیں :

دہلی نہیں دیکھی ہے زبان داں یہ کہاں ہیں

تاکہ وہ اپنے معاصرین پر اپنی برتری ثابت کر سکیں ۔ انشا نے ”دربائے لطافت“ میں دہلی اور لکھنؤ کو جہاں بھی سامنے رکھا ہے ، وہاں کاہدی حیثیت زبان کو دی گئی ہے ۔ میر ، قائم ، انشا ، مصحفی اور غالب جیسے دہلی اسکول کے نمائندہ شاعر دہلی کے نہیں

ہیں، ان کے افکار کا سرچشمہ بھی دہلی نہیں بلکہ فارسی شاعری کا بہترین ادبی و فکری سرمایہ اور مغل تمدن اور عہدِ وسطیٰ کی تہذیبی روایتیں ہیں جن سے وہ قدم قدم پر استفادہ کرتے ہیں۔ دہلی سے ان کی نسبت ایک ”زبان دان“ کی ہے جب کہ ان میں سے میر و غالب جیسے نابذ دہلوی زبان اور لب و لہجہ کے بھی الف سے ی تک پابند نہیں۔ میر کے یہاں برجی لب و لہجہ کی پرچھائیاں موجود ہیں۔ غالب بھی خود کو دہلوی زبان اور محاورے کی پابندیوں سے آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دہلی کے دبستانِ شاعری کی روایتی خصوصیات کو دہلی سے وہ تعلق نہیں جو اردو شاعری اور اردو ادب کی ایک دوسری روایت کو ہے جو زبان کی روایت ہے۔ جس کا آغاز دہلی میں اردو شاعری کے آغاز کے ساتھ ہی ہو چکا تھا۔ میر و مرزا کے زمانے میں اس پر خصوصی توجہ مبذول رہی اور نصیر تک پہنچتے پہنچتے اس نے ایک باقاعدہ ادارے کی شکل اختیار کر لی۔

دہلوی زبان کی شعری بنیادوں کو مستحکم کرنے اور اس روایت کو ایک ادارے کی صورت دینے میں نصیر کا وہی درجہ ہے جو نثرِ دہلی کے بنیادی اسلوب کی نمائندگی میں میر اس کو حاصل ہے۔ میر اس کے یہاں وہ سادگی میں ”پرکاری کا نمونہ“ ہے اور نصیر کی زبان میں ”پرکار سادگی کا۔“

شاہ نصیر کی شاعری میں عصری میلانات اور روایتی تقاضوں کا بڑا حصہ ہے۔ وہ شعر برائے ادب اور ادب برائے فن کے قائل ہیں۔ ”کیا کہا جائے“ اس کا درجہ ان کے یہاں ثانوی ہے اور ”کیوں کر کہا جائے“ اسے ان کی میزانِ قدر میں اولیت حاصل ہے۔ جذبے

کی صداقت ، تجربے کی صحت سے ان کی شاعری کو یہی تعلق ہے لیکن اس کی نوعیت دوسری ہے ۔ یہاں ”جذبہ“ ”فکر“ کے سانچے میں ڈھل گیا ہے اور ”تجربے“ نے ”فن“ کی صورت اختیار کر لی ہے ۔ ان کی شاعری پر رائے دیتے ہوئے صاحب ”عیار الشعراء“ نے لکھا ہے :

”در بلدۂ خلد بنیاد شاہجہان آباد ہم چون او زبان دانِ خوش
خوش تقریر و سخن گوئے دل پذیر و بسیارگو و خوشگو ،
عدیلتش ہم نمی رسد ۔ در واقعیتِ محاورۂ اردوئے معلیٰ و
خیال بندی و تلاش معنی و استخوان بندیِ الفاظ و برجستگی
و متانتِ کلام ید طولی دارد“ ۔

محاورہ دانی ، بسیار گوئی ، خیال بندی ، تلاشِ معنی ، استخوان بندیِ الفاظ و برجستگیِ کلمات اس دور شاعری کی نمایندہ خصوصیات ہیں ۔ مشتاق و مشاطگی ، ہیکر تراشی و صورت گیری ، برجستگی و چابک دستی شرائطِ فن کے ذیل میں آنے والی خوبیاں آج صورت گیری ، صورت پذیری کا یہ عمل اور ان کے شعری نتائج ہمارے موجودہ ادبی نقطہٴ نظر اور زاویہٴ فکر کے اعتبار سے چاہے حقیقت سے کتنے ہی دور اور سچائی سے کتنے ہی گریزاں ہوں ، لیکن انہیں فنِ شعر اور خود فن کے نقطہٴ نظر سے ہم اس صنّاعی کو نقطہ جھوٹے لگوں کی ریزہ کاری نہیں کہہ سکتے ۔ تنقید اپنے عہد کے فنی شعور اور فکری اسلوب کی پابند ہوتی ہے لیکن مختلف اداروں کے فن پاروں کی تحسین اور تفہیم کے لیے اسے ماضی کے ”ہنت خوان“ طے کرنے ہوتے ہیں جس کے بغیر تنقیدی شعور میں لہ تو گہرائی آتی ہے لہ گیرائی ۔ وہ ”فن“ کے

ہمارے میں صرف ”وہی“ تصور کا قائل نہیں تھا ، اسے اکتساب سے وابستہ کرتا تھا اور مسلسل ریاض اس میں حصولِ کمال کے لیے ناگزیر تھا ۔ چنانچہ فنِ موسیقی ہو یا صورتِ گری ، فنِ تعمیر ہو یا تحریر ، کسی میں نوکِ ہلک اور بُہرکاری کے بغیر بات نہیں بنتی تھی۔ یہی حال صناعی اور دستکاری کا تھا ۔ آج ان کے جو نمونے باقی ہیں ، ان میں سے کسی کو بھی ہم اپنے عہد کے فنی یا فکری تقاضوں کا پابند کر کے نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی اپنے شخصی جذبات اور عصری میلانات کی تسکین کے وہ پہلو تلاش کر سکتے ہیں جن کے تقاضے اور توقعات موجودہ عہد کے فنون سے وابستہ ہیں ۔ چاول کے دانے اور چنے کی دال ہر لکھی ہوئی ”قل ہو اللہ“ ہماری تنقید کی نگاہ میں بھی ایک فنِ پارہ ہے اور ہونا چاہیے ۔ ایسی صورت میں قدیم اسلوب کے ساتھ کہی گئی غزل یا تحریر کی ہوئی کوئی عبارت ”لکر فضول“ نہیں قرار دی جا سکتی ۔ تغزل شاعری کا کتنا ہی دل آویز حصہ ہو لیکن شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف تغزل نہیں ہے ۔ دیگر فنون کی طرح شعر کی دنیاوی فنِ کاری کو صرف انکار سے وابستہ کرنا صحیح نہیں ، وہ اسلوب سے بھی متعلق ہے ۔ انسان کے تخلیقی جذبے نے مختلف ادوار میں مختلف روپ اختیار کیے ہیں ؛ کہیں وہ ”دیوزادوں“ کا تخیل بن کر سامنے آتا ہے اور کہیں صناعتوں کی مینا کاری ۔ شاہ نصیر کی شاعری اسی مینا کاری کے دائرے میں آتی ہے ۔ اس کے ادبی اور فنی محاسن کو سمجھنے کے لیے اس ذہنی انقلاب اور فکری ردِ عمل کو بھی سمجھنا ضروری ہے جو ہماری تاریخ کے اس دور سے متعلق ہے جسے ”طاؤس و رہابِ آخر“ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور جس کی فتوحات کا بڑا حصہ زبان و بیان کی لطافتوں اور فن کی حسنِ کارہوں سے وابستہ ہے ۔

مشکل کوئی، تنوع پسندی اور نازک خیالی کا رواج بلکہ رواجِ عامِ دہلی میں عہدِ شاہِ عالم سے بھی کچھ پہلے ہو چکا تھا۔ میر و مرزا کے عہد میں خود اردو شاعری صائب، بیدل، جلال، اسیر، طالب اور کلیم کی تمثیلی شاعری کے قریب آنے کی کوشش کر چکی تھی۔ صائب کی تقلید کو ”معیار“ کا درجہ حاصل تھا۔ اسی کے ساتھ شاہ نصیر کے منزلِ شعور میں قدم رکھنے سے پہلے انشا و مصحفی اور ان کے ہم عہد دہلوی شعرا دہلی کی ادبی محفلوں کو ان سخنورانہ ہنگامہ آرائیوں سے آشنا کر چکے تھے جو آگے چل کر لکھنؤ کی ادبی تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب بن گئیں۔

سودا کے زمانے سے زبان و بیان کی خامیوں اور فروگزاشتوں پر گرفت و گیر کا سلسلہ جاری تھا۔ محاورہ زبان کی کسوٹی اور روزمرہ محکِ اعتبار بن گیا تھا۔ نصیر کے عہد تک اردو شاعری صرف دہلی تک محدود نہ رہی تھی، لزدیک و دور اس کے بہت سے سراکز قائم ہو چکے تھے۔ خود دہلی میں اس کی پسندیدگی اور اس سے وابستگی میں زایانِ ہند و نصیحانِ رند کے دائرے سے آگے بڑھ چکی تھی اور عالم و عامی کوئی اس چٹک سے خالی نہ تھا۔ باہر جو سراکز قائم ہوئے تھے وہ دہلی کے صرف حلیف ہی نہ تھے حریف بھی تھے۔ ان حالات میں اردو شاعری کے روایتی انکار سے اس کے فنی معیار اور لسانی مرکزیت پر توجہ دینی اور اسے ایک دستور کی حیثیت سے نافذ کرنے کی ضرورت اب کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

زبان بھی اب سیال حالت میں نہ تھی، اس کے لب و لہجہ میں

۱۔ وفات ۱۸۰۸ء۔ ۲۔ وفات ۱۸۳۳ء۔

۳۔ اسیر میرزا جلال، وفات ۱۸۰۹ء۔ ۴۔ وفات ۱۸۰۳ء۔

۵۔ وفات ۱۸۶۱ء۔

نسبتاً زیادہ استحکام اور اس کے لسانی جاؤ میں بہت حد تک ٹھہراؤ پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے شعری ضابطوں اور ادبی قیود کا پابند بننا ناگزیر ہو چلا تھا۔ انشا و مصحفی کے لکھنؤ چلے جانے اور وہاں کی بزمِ سخن میں جلتے ہوئے نئے چراغوں کی روشنی میں دہلی کی شاعرانہ حیثیت اور ادبی مرکزیت کو منوانے اور اس کے قدیمانہ وقار کو قائم رکھنے کا ادبی شعور شاہ نصیر کی شاعرانہ فن کاری کی صورت میں ان تقاضوں کا جواب دینے کی کوشش ہے۔

شاہ نصیر مشاعروں اور مطارحوں کے مردِ میدان تھے، مشکل زمینوں میں شعر کہنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے اور اپنی گرمی کلام سے سامعین کو ٹڑپا دیتے تھے :

”نئی نئی زمینیں نہایت برجستہ اور پسندیدہ نکالتے تھے مگر اتنی سنگلاخ ہوتی تھیں جن میں بڑے بڑے شہ سوار قدم نہ مار سکتے تھے . . . علم کے دعوے دار شاعر ان کے کلام کی دھوم دھام کو ہمیشہ کنکھوں سے دیکھتے تھے اور آپس میں کانا بھوسیاں بھی کرتے تھے۔ پھر بھی ان کے زورِ کلام کو دبا نہ سکتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ زورِ طبع ان کا کسی کے بس کا نہ تھا۔ جن سنگلاخ زمینوں میں وہ گرمی کلام سے مشاعرے کو ٹڑپا دیتے تھے، اوروں کو غزل پوری کرنی مشکل ہوتی تھی۔“

یہ زورِ کلام اور سنگلاخ زمینوں میں ان کے چشمہ طبع کا یہ جاؤ ان کے دیوان میں تلاش کرنے کی چیز نہیں، اس کے جلوے قدم قدم پر ان کے یہاں دیکھنے کو مل جائیں گے۔ مثال کے طور پر چند زمین ہائے شعر کو پیش کیا جا سکتا ہے :

- (۱) سدا ہے اس آہ و چشمِ تر سے فلک ہم بجلی زبیں ہم باران
- (۲) شب کو کیوں کر تجھ کو ہے بھٹتا سر پر طہرہ ہار گئے میں
- (۳) وقتِ نماز ہے ان کا قامت گاہِ خدنگ و گاہِ کہاں
- (۴) بادہ کشی کے مکھلاتے ہیں کیا ہی قربے ساون بھادوں
- (۵) پہلو میں رکھ اس تیر کے پیکان کا لوہا
- (۶) کہاں ہے رخ ہم اس کے لاجوردی کان کا پتہ
- (۷) ٹالکوں سے زخمِ پہلو لکنا ہے کنکھجورا
- (۸) عکسِ مڑگان سے ہے یوں دیدہ تر میں تنکا
- (۹) چرخ کیا فیشِ مسِ نو سے ہے کالا بھو
- (۱۰) ہم کو کیا شب کو ہے گر رشکِ چراغاں جگنو
- (۱۱) اشکِ ریزاں کیوں نہ ہو چشمِ پُر آبِ فاخستہ
- (۱۲) زلفِ جانے ہے وہ پیچوں کے ہنر تین سے ساٹھ
- (۱۳) زیبِ تن ہے خاکِ کوئے یار جم کر تہہ بہ تہہ
- (۱۴) پیکان ہو جب اس تیر کا آفاق میں غنچہ
- (۱۵) ہے جو شبیہ ماہِ یہ تیرا ہے رو سو وہ
- (۱۶) کیا خوش ہو ایسے کلبہٴ ماتم سے قافلہ
- (۱۷) جب سے کہ تہہٴ خاکِ سکندر کی لگی آنکھ
- (۱۸) عیبِ خود بینی سے ہے تقصیرِ ہشتِ آئندہ
- (۱۹) گھاتِ چوری کی جو لی تو نے آڑا ہاتھوں ہات
- (۲۰) کیا لیا وا کر کے اس نے پردہٴ محمل کی تہہ

ایسا نہیں ہے کہ اس قبیل کی غزلیں اور اشعار دوسروں کے
یہاں نہ ملتے ہوں۔ ایسے زمانے میں، جب کہ رختہ پردہٴ سخن نہ رہا
ہو بلکہ شاعرانہ پرواز و پرداز کا آئینہ بن چکا ہو، ایسے نمونے نصیر

سے کچھ پہلے یا بعد کم یا ب یا نایاب کیسے ہو سکتے ہیں۔ انشا و مصحفی کا دور، جس میں نصیر کے فنی شعور کی تربیت ہوئی ہے، شعر و سخن میں لت نئے تجربوں کا دور ہے، اہل سخن کی آزمائش کا زمانہ ہے۔ انشا کو دیکھیے، نظم ہو یا نثر، انوکھی اور ان ہونی بات کرنے اور کہنے کی فکر میں لکے رہتے ہیں، مختلف زبانوں میں شعر کہہ کر اپنے اردو قاصدوں میں داخل کرتے ہیں۔ بحر طویل میں شعر کہنے بیٹھتے ہیں تو ایک مصرع آدھے صدمے پر ختم ہوتا ہے۔ بے لفظ کہنے پر آتے ہیں تو اپنی نظم و نثر کو ”طورِ کلام“ اور ”سلکِ گوہر“ بنا کر چھوڑتے ہیں۔ رافی کیتکی کی کہانی لکھتے ہیں تو اپنی نثر پر عربی و فارسی الفاظ کی چھوٹ نہیں پڑنے دیتے۔ رنگین اپنے دواوین کے نام بھی رعایتِ لفظی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ قتیل ارکانِ تقطیع کو ہری خانم اور بی جان ہری خانم کا انداز بخشی دینا چاہتے ہیں۔ غرض کہ ادھر سے ادھر تک فکر و فن کی آزمائش ”تکلفات“ کے دائرے میں ہو رہی ہے اور اس کا ماحصل اپنی زبان دانی اور طباعی کے جوہر دکھانا ہے۔ نصیر نے بھی اس کوچے میں قدم رکھا اور اپنے لیے ایک راہِ عمل کا تعین کر لیا۔ ان کے جہاں ایک ادعا ہے، وہ اپنے زعم میں چمک بھی جاتے ہیں لیکن طریقہٴ راسخ شعرا کو ترک نہیں کرتے۔ مشکل زمینوں میں شعر لکھنا ان کے نزدیک ”اظہار“ کے امکانات کو آزمانا ہے، اپنے فنی تجربوں کو ناقابلِ تقلید بنانا نہیں۔ انشا و رنگین کے نمونے بڑی حد تک خود ان کی ذات تک محدود رہے۔ ان کے تجربوں میں دوسرے کم ہی شریک ہو سکے، لیکن نصیر کی روش ایک روایت بن گئی۔ دہلی سے باہر بھی ان کی قدر ہوئی اور ان کے کلام کی استنادی حیثیت کو تسلیم کیا گیا۔

ان کی شاعری تاثراتی شاعری نہیں ، تصنیوی شاعری ہے ، جس سے نئے نئے خاکے ، خیالی نقوش اور پیولے آنہرتے ہیں اور فالوسِ خیال کی سی ہرچھائیاں رقص کرتی نظر آتی ہیں ۔

اشعار :

چراغِ داغِ دل گر جلوہ گر ہو بعد مرنے کے
سراہا صورتِ فالوسِ عاشق کا کفن چمکے

چرخِ فانوسِ خیالی ہے ہدستِ گردش
بہرتے جنوں عالمِ تصویر ہیں حیران آگے

ہتنگ کیوں کر نہ ہووے حیران کہ شمع سب کو دکھا رہی ہے
چشمِ گریباں و تاجِ زر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
تھا کے افشاں چنو جبین پر لہوڑو زلفوں کو بعد اس کے
دکھا دو عاشق کو اس ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

رشتکِ چمن تو سیر کرے گا جب کہ کنارِ حوض و لبِ جو
فتوارہ اور بھول رکھے گا سر پہ طرہ ہار گلے میں
ہے یہ تمنا میرے جی میں یوں سمجھے دیکھوں بادہ کشی میں
باتھ میں ساغر ، پر میں مینا ، سر پہ طرہ ، ہار گلے میں

وقتِ نماز ہے ان کا قامت ، گاہِ خدنگ و گاہِ کہاں
بن جاتے ہیں اہلِ عبادت ، گاہِ خدنگ و گاہِ کہاں

چھوٹے ہیں فتواریہ مڑکاں روز و شب ان آنکھوں سے
 یوں نہ برستے دیکھے ہوں گے مل جے کسی نے ساون بہادوں
 ٹانگتے کو بھرتی ہے بجلی ان میں کوٹ تھامی کی
 دامن ابر کے ٹکڑوں کو جب لگتے ہیں سینے ساون بہادوں
 ابر سہ میں دیکھی تھی بگاؤں کی قطار اس شکل سے ہم نے
 یاد دلانے پھر کے ترے دندان و مسی نے ساون بہادوں

سر پر طرہ ہار گلے میں ، ساون بہادوں ، چراغ روشن مراد
 حاصل اور ان جیسی دوسری ردیفوں کے ساتھ شعر کہنے میں جو
 لطف تھا ، اس کو اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کی دلی کے پس منظر
 میں دیکھنے پر ہی صحیح حظ اٹھایا جا سکتا ہے ۔ دہلی کی صناعی اور
 دستکاری جب پیکر غزل میں اپنی نقش گری اور ہنر مندی کا جلوہ
 دکھلاتی ہے تو اس کی اصطلاحیں بھی غزل کی ضمیمیں قبا پر کار آتو
 کرتی نظر آتی ہیں :

سوجِ سرشک سے ہے رونق قبائے تن کی
 کیوں کر کہوں کہ اس کو کارِ آئو نہ آیا

تن بہ عشقِ گلِ رغاں پر داغ جو یکسر کیا
 بہرین کیا ہم نے پہلکاری کا زیبِ سر کیا

ترش روئی سے نہ کیوں سیم تنوں کو ہو فروغ
 چاندی البتہ کھٹائی سے چمک جاتی ہے

شعاعِ مہرِ تارِ زر کی اتنی صبح کھولے ہے
 یہ ہیں اب بچہ کاری کو تری ہوشاک کے ڈورے

اپنے ہاجانہٴ کم خواب کی ہر بوٹی کو
 شمعِ رو شب کو چراغِ تہرِ دامن سمجھا
 بسترِ کل سے منقش جو ہوا اس کا بدن
 تنِ نازک یہ وہ پہلکاری کی چپکن سمجھا

کسے ہے یاد اب اس کھیل کے افسوں کا سر رشتہ
 برنگِ چشمِ سوزن کیا کوئی تارِ نظرِ بالیدہ

تشبیہ اور استعارے کی غنچلی طلسم بندیوں کا وہ انداز، جسے
 ناسخ سے نسبت دی جاتی ہے، وہ نصیر کے یہاں بھی اسی طرح ملتا ہے
 مگر یہ تتبعِ ناسخ کا نتیجہ نہیں بلکہ سودا کی فکر کا جواب ہے،
 چاہے اس مغفور جیسا سنگ، رنگ، ڈھنگ اس میں ہو یا نہ ہو:

لکٹکی ہاں تک بندھی پیگی کہ اکثر مردمک
 بن گیا اس شوخ کا ہر وجہ خالی نقشِ ہا

عجب عالم ہے چشمِ یار پر ابرو سے ہر خم کا
 کہ ناخن جاے شاخِ آہو کے سر پر ہے یہ ضیغم کا

مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے:

”انہیں اپنی نئی تشبیہوں اور استعاروں کا دعویٰ تھا اور

یہ دعویٰ بجا تھا۔“

یہ نئی تشبیہیں یا استعارے تخیل کی باریکیوں اور دقت پسندیوں کا نتیجہ تھے۔ یہ قوتِ متخیلہ کی طرفہ کاریاں ہیں جن کے ساتھ وہ شعر کہتے ہیں اور انہیں ان چمکیلے رنگوں سے آراستہ بھی کرتے ہیں۔ نصیر کی شاعری کا دور وہی ہے جس دور کا ذہن داستانوں کی تخلیق کے لیے تیار ہو رہا ہے اور شاعری کی لفظ ”محو تماشاے دماغ“ ہے۔ خود شاہ نصیر کو داستان گوئی سے ایک گولہ دلچسپی تھی۔ ذکا نے ان کے تعارف کے ذیل میں لکھا ہے :

”شاہ داستان ہم خوب می گوید۔“

ممکن ہے انہوں نے کوئی داستان نہ کہی یا لکھی ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ شاہ نصیر جس ادبی دور کی پیداوار ہے ، اس وقت پر گوشہٴ بساط پر سر شیشہ باز کا گان ہوتا ہے۔ یہ شیشہ بازی شاعری میں بھی ہے اور اس لیے ہے کہ اس وقت کے تمام فنون میں ہے۔ ان کی مثال چمکنے خذف ہاروں کی سی ہے جو ان کی طبعِ سواج کے دامن پر دور تک بکھرے ہوئے ہیں ، لیکن یہ شوخ رنگوں سے مالوس چمکیلے سورج کی سر زمین یعنی مشرق کے لیے اپنے اندر کوئی اجنبیت نہیں رکھتے ، یہ اس کا ایک حصہ ہیں۔

زور و زبور کی جھلکیاں بھی ان کے یہاں صفحے صفحے پر مل جائیں گی۔ امرد ہرستی کی روایت بھی ان کے شعور کا دامن ہکڑے ہوئے چل رہی ہے اور سرمد و مسی کا ذکر بھی ان کی زبان پر آتا ہے۔ یہ اس عہد کی رسمیاتِ شعر ہیں اور نصیر بہ حیثیتِ مجموعی رسم ہرست ہیں۔

کی روایت قدیم سے چلی آ رہی تھی - یہ روایت شاہ نصیر کے یہاں سیال حالت میں نہ رہ کر استحکام اور استواری حاصل کرتی ہے اور آئندہ کے لیے ایک ادارہ بن جاتی ہے -

یہ روایت زبان دہلی سے متعلق ہے جس کی صحت ، صفائی ، درستی اور باقاعدگی پر انہوں نے اپنے زمانے میں بہت زور دیا - شاہ نصیر کے یہاں کثرتِ کلام اور افراطِ تخیل کے باوصف محاورے کا دروست ، روزمرہ کا رچاؤ ، الفاظ کا صحیح استعمال ان حدود و قیود کے ساتھ سامنے آتا ہے جن میں ان کے زمانے کے بعد بھی کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی ہے - ان کے یہاں زبان کے وہ تہور اور لطف و ادا کا وہ معیار ملتا ہے جو ان سے گزر کر ذوق اور ذوق سے داغ تک پہنچا ہے اور جس کی صدائے بازگشت سائل اور بے خود کی آوازوں میں بھی سنی جا سکتی ہے -

ناسخ مصلحِ زبان ہیں مگر ان کی حیثیت قواعد نویس کی سی ہے - زبان کا لطف ، محاورے کی دھوپ چھاؤں اور روزمرہ کا بے لاگ بن نصیر کو ناسخ سے الگ کر دیتا ہے :

نصیر کے یہ اشعار پڑھیے اور زبان کا لطف اُٹھائیے :
دل کا کیا مول بھلا زلف چلبا ٹھہرے
تیری کچھ کانٹہ گرہ میں ہو تو سودا ٹھہرے

کہہ کے اس شوخ نے یہ کھول دیے بات شتاب
طائرِ رنگِ حنا اڑ گیا بیہات شتاب

یہ عالم اس کے خطِ سبز نے دکھایا ہے
کہ جس کو دیکھ کے عالم نے زیر کھایا ہے

غیر سے عطر نہ مجھوعدہ' خوبی لگوا
دیکھ وہ بات نہ کر جس سے کہ فتنہ آئٹے

پشت لب پر ہے ترے یہ خطِ رمان ایسا
منہ تو دیکھوں لکھے یاقوت رقمِ خان ایسا

میں نے پاس اس کو جو بٹھلا کے کھلایا یڑا
قتل پر میرے رقیبوں نے آٹھایا یڑا

اگر ملے وہ کبھو مہربان دریا پر
خضر چڑھائیں گے ہم بھول بان دریا پر

رات آس بت کا ہوا ہوسہ' رخسار نصیب
جھوٹ بولوں تو خدا کا نہ ہو دیدار نصیب

کہے ہے سایہ' مڑگان کو دیکھ قاصد اشک
کہ چھب گیا مجھے دریا ہی کے کنارے دن

ایک غزل کے یہ چند شعر پڑھیے :

قاتل جو چھپا ہوا کھڑا ہے
داؤں میں لگا ہوا کھڑا ہے

کیوں تن سے نہ نکلتے جاں کہ وہ شوخ
کس دھج سے تنا ہوا کھڑا ہے

قمری کو بٹھا کے سرو سر پر
 آزاد بنا ہوا کھڑا ہے
 تو شکل کہاں ، بتِ ستم کیش
 کیوں ہم سے تنا ہوا کھڑا ہے
 اے آتشِ عشقِ شعلہ رویاں
 یاں کون جلا ہوا کھڑا ہے
 تن پر نہیں پڑ گئے بھیولے
 یہ نخل بھلا ہوا کھڑا ہے

جی وہ شرابِ سخن ہے جو ذوق کے یہاں دو آتشہ اور داغ کے یہاں
 سہ آتشہ ہو گئی ہے ۔ یہ اندازِ سخن دلی اور دلی والوں کا ہے ۔
 نصیر خود دلی والے ہیں اس لیے اب اس لب و لہجہ کے آثار چڑھاؤ
 اور اس بولی ٹھولی کی جادوگری سے خوب واقف ہیں ۔

نصیر کی شاعری میں اس کیف و اثر کو تلاش کرنا بیکار
 ہے جو میر کی چشمِ لم کی دہن ہے ، نہ وہ طرح داری ہی ان کے یہاں
 ملے گی جو انشا کی ”طرفہ“ طبیعت سے متعلق ہے ۔ اس دروں بینی سے
 بھی ان کی شاعری خالی ہے جو غزل کی تاریخ میں غالب کا حصہ
 ہے ۔ انہوں نے درد کی طرح زمینِ غزل میں گلزارِ معرفت بھی
 نہیں کھلائے ۔ مومن کی سی معاملہ بندی بھی ان کے یہاں نہ ملے گی ۔
 انہیں تو زبان کے صحت و سقم ، محاورے کے در و بست اور روزمرہ
 کی نوک پلک کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہر قسم کی ردیفوں اور
 ہر انداز کے قافیوں پر رنگا رنگ شعر کہنے آتے ہیں ۔ بیشتر مضامین
 انہیں اردو فارسی کے اشعار اور مشرق کی روایاتِ ادب سے مل گئے ،
 اسی کو انہوں نے کافی سمجھا ۔ وہ سودا کی گرمیِ کلام کے شیدائی

ہیں اور اس کی تقلید میں بڑا زور طبع صرف کرتے ہیں ۔
مولانا آزاد نے لکھا ہے :

”زبان ، شکوہ الفاظ اور چستی‘ تراکیب میں سودا کی زبان

تھی اور گرمی و لذت اُس میں خداداد تھی۔“

ان کی زبان کی کساوٹ اور بیان کی چستی کہیں مشکل ہی سے اس کا احساس ہونے دیتی ہے کہ انہوں نے اپنے ریموار طبع کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دی ہیں ۔ ان کے یہاں جو کچھ ہے ، وہ آہن و دستور کے ساتھ ہے ۔ ان کے بہت رواروی میں کہے گئے اشعار بھی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں اور ان کی نکسالی زبان بڑے منہ سے بول رہی ہے ۔

شاہ نصیر نے اپنی زندگی میں ، جیسا کہ دوسروں کے تذکروں اور تبصروں سے ظاہر ہوتا ہے ، بے شمار شعر کہے ۔ شعرگوئی و شعر سازی ان کے لیے مشغلہ‘ حیات بن گئی تھی ۔ ان کے صدہا شاگرد تھے جن کے کلام پر وہ بہت جلد اور برجستہ اصلاح ہی نہیں دیتے تھے بلکہ آکھیں غزلیں کہہ کہہ کر بھی دیتے اور مشاعروں میں پڑھواتے تھے ۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے کون سے شاگرد کے دیوان میں ان کی اپنی تخلیقات فکر کا کتنا حصہ شامل ہے ۔ تاہم جو کچھ شاہ نصیر نے اپنے لیے اور اپنے نام سے کہا اور اس کا جتنا حصہ محفوظ رہ گیا ، وہ بھی اپنی قیمت و قامت کے اعتبار سے بہت کچھ ہے ۔

بقول مولانا آزاد : ”شعر کہنے سے کبھی نہ ٹھکتے تھے ،

طبع موزوں گویا ایک درخت تھا کہ جب اس کی ٹہنی ہلاؤ فوراً پھل جھڑ پڑیں گے۔“ مگر اسی شجر ہر بہار کے یہ پھل پھول زندگی بھر بکھرتے رہے، کبھی ان کو اکٹھا کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش ان کی زندگی میں بھی واقعاً کی گئی یا نہیں؟ تذکروں سے اس کا کچھ صحیح پتا نہیں چلتا۔

صاحبِ ’عیار الشعراء‘ نے لکھا ہے :

”چند نسخهٔ دواوین از او سرانجام یافت و از استغنائے مزاج
برباد داد و حالا ہم بسیار ذخیرہ موجود قصائد و غنسی
و رباعی و غزلیات۔“ (عیار، ص ۳۰۳)

مصحفی نے ’ریاض الفصحا‘ میں (ان کے ترجمے کے ضمن میں) صاحبِ دیوان ہونے کا تذکرہ کیا ہے : ”صاحبِ دیوان است“ جس کے یہ معنی ہیں کہ تذکرے کی ترتیب ۳۶ - ۵۱۲۲۱ کے وقت تک نصیر کا دیوان مکمل ہو چکا تھا۔

سرسید کا بیان ہے :

”اشعار آبدار آں پیش روِ سخنورانِ روزگار کے دو لاکھ
سے زیادہ ہیں اور یہ بے مبالغہ و اغراق ہے۔ صدہا آدمی
جو کہ کچھ نہ جانتے تھے اور بہ تقریبِ مشاعرہ صرف
انہیں سے غزل کہوا لیتے تھے، ہر ایک دیوان اپنے اپنے
نام کا مراتب رکھتا ہے۔ اپنی زندگی میں ترتیبِ دیوان
کی طرف توجہ نہ کی۔ اُن کی وفات کے بعد مہاراج سنگھ
نامی ایک شخص نے کہ اُن کا شاگرد ہے، جس قدر ہاتھ

لگا جمع کر کے ایک دیوان ترتیب دیا ہے ، اس پر بھی
پچاس سالہ جزو سے کم نہیں۔“

اس بیان سے اور باتوں کے علاوہ اس امر پر بھی روشنی پڑتی
ہے کہ ان کا دیوان ، جو ان کی زندگی میں مرتب نہ ہو سکا تھا ، ان
کی وفات کے بعد ان کے شاگرد مہاراج سنگھ نے ترتیب دیا جس کی
ضخامت پچاس سالہ جزو کے قریب تھی ۔ شاہ نصیر کی وفات اور
’آثارالصنادید‘ طبع اول کے زمانے میں سات برس کا فاصلہ ہے ۔

مولانا آزاد کے بیان سے بھی سرسید کے لفظہ نظر کی تائید
ہوتی ہے :

”دیوان اپنا مرتب نہیں کیا ۔ جو غزلیں کہتے تھے ، ایک
جگہ رکھنے جاتے تھے ۔ جب بت سی جمع ہو جاتیں تو
تکبے کی طرح ایک لمبے سے تھیلے میں بھرتے تھے ۔
گھر میں دے دیتے تھے اور کہتے تھے احتیاط سے رکھ
چھوڑو ۔ متفرق غزلیں ایک دو مختصر جلدوں میں بھی
تھیں اور بہت سا سرمایہ دکن ہی میں رہا۔“

’درگا پرشاد نادر نے ’غزینۃ العلوم‘ میں شاہ نصیر کے نمبر سے
شاہ بہاء الدین عرف عبداللہ شاہ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے :

”یہ شاعر بے بدل سات دیوان تیار کر گیا ہے ۔ ازاں جملہ
ایک دیوان فارسی زبان میں ہے مگر یہ کل کتابیں حیدر آباد
ہی میں رہیں ۔ ہمارے یہاں سے ایامِ غدر میں تلف ہو گئیں ۔

۱۔ صنادید ، چوتھا باب ، ص ۱۱۷ ، طبع اول ، مطبع نول کشور ۱۸۷۶ ع ۔

۲۔ آب ص ، ۴۲۰ ۔

یہاں صرف دو دیوان موجود ہیں۔“

شاہ نصیر کے دواوین و ذخیرہ کلام کے متعلق انتخابِ کلیات شاہ نصیر کے مرتب و ناشر محمد اکبر ساکن میرٹھ کا بیان یہ ہے :

”..... ایک نسخہ قلمی ہے ، جو میرے کتب خانے میں موجود تھا ، انتخاب کر کے الطباع اس کا شروع کر دیا ۔ اس اثنا میں شاہ بہاء الدین صاحب قتلص بشیر نبیرہ شاہ نصیر مرحوم ہے ، جو ایک جوانِ خوش اخلاق و عالی ذہن ، لیک نہاد ، سجادہ نشین درگاہ شاہ صدر جہاں ہیں ، اتفاق ملاقات ہوا ۔ ان کی عنایت سے ایک صحیح نسخہ کلیات شاہ نصیر صاحب کا ملا اور معلوم ہوا کہ علاوہ اس کے اور دیوان بھی شاہ صاحب کی تصنیفات سے ہیں ۔ ان تمام دواوین و قصائد کو دیکھنے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ از روئے ضخامت کے تصنیفات شاہ نصیر کی میر تقی میر صاحب کے کلیات سے کمی طرح کم نہیں ہے اور اگر میرا یہ قیاس غلط نہ ہو تو اس سے بھی کسی قدر زیادہ نکلے گی۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترتیبِ انتخاب کے وقت (سنہ ۱۲۹۴ھ) دیوان شاہ نصیر کا ایک قلمی نسخہ خود مرتب کے پاس تھا اور ایک نسخے کی زیارت اسے شاہ بہاء الدین بشیر کی معرفت نصیب ہوئی ، اور معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ اور دیوان بھی شاہ صاحب کی تصنیفات

۱۔ خزائنہ العلوم ، ص ۲۰۹ ۔

۲۔ دیباچہ انتخاب ، ص ۳ ۔

ہے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ شاہ نصیر کی وفات کے بعد ان کے دیوان کے ایک سے زیادہ قلمی نسخے تیار ہوئے اور یہ ابھی ممکن ہے کہ جن نسخوں کی طرف ان بیانات میں اشارے موجود ہیں، ان میں سے بعض شاہ نصیر کی زندگی ہی میں تیار ہو گئے ہوں اور سرسید کے علم میں نہ ہوں۔

شاہ نصیر کے جو قلمی نسخے اس وقت موجود ہیں، وہ ترقیموں سے محروم ہیں جن سے یہ پتا چل سکے کہ انہیں کب ترتیب دیا گیا اور ان کا مرتب کون ہے۔ نسخہ رضا کے بارے میں بھی اس کا علم دوسری خارجی شہادتوں سے ہوتا ہے، خود اس نسخے سے اس امر کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوتا کہ یہ فلاں شخص کا مرتب کردہ ہے۔

نسخہ اصلیہ :

ان نسخوں میں سے ایک قلمی نسخہ، جو غالباً سب سے قدیم ہے، آصفیہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ اس کے بارے میں کتب خانے کی اردو مخطوطات کی فہرست جلد اول مرتبہ نصیر الدین ہاشمی سے مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں :

”۶۶“ دیوان نصیر، نمبر دواوین ۳۰۲ - سائز ۱۰ x ۶
صفحہ ۲۷۰، سطر ۱۳، خط نستعلیق، مصنف شاہ نصیر
دہلوی، تاریخ تصنیف مابعد ۱۲۵۵ھ۔

شاہ نصیر الدین نصیر تخلص، سیاہ فام ہونے سے میان کتب سے موسوم تھے۔ دہلی وطن تھا۔ مہاراجہ چندولال نے حیدرآباد طلب فرمایا : کچھ عرصہ قیام کر کے واپس

ہوئے ۔ دوبارہ ایسے آئے کہ دہلی واپس چالنا نصیب نہ ہوا ۔ حیدر آباد میں سنہ ۱۲۵۴ھ میں انتقال ہوا ۔ درگا شاہ موسیٰ قادری میں مدفون ہیں ۔ حیدر آباد میں حکومتِ آصفیہ سے پچیس روپیہ یومیہ یعنی سات سو پچاس روپیہ تنخواہ ملتی تھی ۔ ان کے فرزند عبدالرحمان نے نصیر کا دیوان مرتب کیا ۔ نصیر کے شاگردوں میں ذوق نے جو نام آوری حاصل کی ، وہ پوشیدہ نہیں ۔

آغاز :

ہم نے وصفِ گوہرِ عرفاں کو جب لکھنا کیا
موجِ مسطر سے کشیدہ صفحہ دریا کیا

اس دیوان میں ردیف وار غزلیات ہیں ۔ ہر ردیف کے بعد سادہ صفحہ چھوڑا گیا ہے ۔ آخری ہندره صفحے دوسرے کاغذ اور دوسرے خط سے شامل کیے گئے ہیں ۔ بعض صفحوں میں حاشیے پر بھی غزلیات کا اضافہ کیا گیا ہے ۔

اختتام :

مانندِ گرز و لیزہ و خنجر بتائید خدا
بن جائے بہرِ دشمنانِ شمس و ہلال و کہکشان

شاہ نصیر کا دیوان حیدر آباد میں طبع ہوا تھا مگر اب لایاب ہو گیا ہے ۔ ایک قلمی نسخہ سالار جنگ کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ بقول بعض دیوان نصیر کا یہ نسخہ بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں نصیر کے استاد سائل

(مائل) کی قلمی اصلاحیں شامل ہیں۔“

نصیر و دیوانِ نصیر سے متعلق یہ وضاحتیں بڑی روا روی میں مرتب کی گئی ہیں۔ شاہ صاحب کی تنخواہ سے متعلق روایت ’گلزارِ آصفیہ‘ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ ترتیبِ دیوانِ نصیر کے بارے میں یہ کہنا کہ اسے ان کے بیٹے عبدالرحمان نے مرتب کیا، غلط فہمی پر مبنی ہے۔ عبدالرحمان شاہ نصیر کے بیٹے نہیں تھے، تسکین کے بیٹے تھے اور ان کا مرتب کردہ دیوانِ آصفیہ اسٹیٹ لائبریری والا نسخہ نہیں، کتب خانہ عالیہ رامپور کا نسخہ ہے۔ نیز نسخہ ’آصفیہ‘ کے بارے میں یہ لکھ دینے کے بعد کہ ”تصنیف مابعد ۱۲۵۵ھ“ اس کی کتجائش نہیں رہ جاتی کہ اسے مائل کی (جنہیں غلطی سے مائل لکھا گیا ہے) اصلاحات سے مزین کہا جائے۔ مائل تو تیرھویں صدی ہجری کے آغاز ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ اس وقت تک نصیر کا یہ دیوان مرتب ہو چکا ہو، اس کا امکان بہت کم ہے (کم از کم اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں)۔

دیوانِ نصیر کا یہ قلمی نسخہ، جو ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے، نمایاں طور پر دو حصوں میں تقسیم ہے: ایک حصے کا کاغذ نسبتاً زیادہ قدیم اور سرمئی مائل زرد رنگ کا ہے اور باریک ہونے کے باوجود بہت مضبوط ہے۔ بعض صفحات کو چھوڑ کر، جو لم خوردہ ہیں، اس کا سوادِ خط روشن اور بہت صاف ہے اور خط کی روش و کشش میں بڑی پختگی اور تناسب و توازن موجود ہے۔ یہ نسخہ کسی ایسے شخص کا ترتیب دادہ معلوم ہوتا ہے جو یا تو شاہ نصیر کا شاگرد ہے یا ان کے کلام سے واقف، جس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس نے بعض غزلوں کی تحریر کے وقت مقطع سے پہلے ایک

دو شعروں کے لیے جگہ چھوڑ دی ہے ۔

”دلِ گیر کو جنبش“ غزل میں مقطع سے پہلے دو شعروں کی جگہ چھوڑی گئی ہے ۔ ”زغیر ہو آب“ غزل میں اس کے برعکس تین شعر مقطع کے بعد لکھے گئے ہیں ۔ ان اشعار کا تقابل جب نسخہٴ رضا سے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی تعداد ۲ یا ۳ زیادہ ہے ۔ بعض مقامات پر ”دریافت طلب“ اور ”غور طلب“ لکھا ہوا ہے ، مثلاً ”ہندار شمع“ غزل کے شعر نمبر ۴ ۔ ۵ پر حاشیے میں ”دریافت طلب“ اور ”دریافت“ علی الترتیب لکھا گیا ہے جس سے ذہن میں یہ خیال بھی ابھرتا ہے کہ شاید ان غزلیات کی ترتیب شاہ صاحب کے زمانہٴ حیات سے تعلق رکھتی ہے ۔

اس نسخے میں بعض غزلیں اور اشعار حاشیے پر بھی لکھے ہوئے ملتے ہیں مگر ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ۔ غزل ”لکھنا“ ہے دلا تیسرے دن“ جو ۱۵ شعروں پر مشتمل ہے اور صرف اسی نسخے (اصفہ) میں ملتی ہے ، حاشیے پر لکھی ہوئی ہے ۔ اسی طرح ”تا قیامت اہ مرین گے لبِ جانان ہم تو“ بھی حاشیے پر لکھی ہوئی ملتی ہے ۔ اس کے اشعار جلد بندی میں کٹ گئے ہیں مگر تعداد و ترتیب اشعار وہی ہے جو مطبوعہ نسخے میں ہے ۔ اس غزل کا تمغہٴ عنوان ”یا علی مدد“ ہے ۔

شاہ نصیر کی مشہور غزل ”عسل کی مکھی“ کا یہ شعر حاشیے

پر درج ہے :

دلِ رُبا تھر نسوں ساز ہیں ہنگامے کے

آدمی کو وہ بناتے ہیں عمل کی مکھی

نسخے کے حواشی پر مندرج بعض نشانات اور تحریروں سے

پتا چلتا ہے کہ یہ ایک سے زیادہ اشخاص کے مطالعے میں رہا ہے۔ چنانچہ اس کے بعض صفحات پر ایسے اشعار کے سامنے قاری نے ص، ص، ص اور ص، ص، ص کے نشانات دے کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ کہیں کہیں ”سبحان اللہ“ بھی لکھا ہے۔

”برسات شروع“ غزل میں ”توے ہونٹوں کی جو کی“ پر ص بنا کر حاشیے میں لکھا ہے: ”مصرع۔ ثانی خوب است“ اور ”کس کے بھول“ غزل پر حاشیے میں ”سبحان اللہ“ لکھا ہے۔ ”آننے کا داغ“ کے ہر شعر پر حاشیے میں ص بنایا گیا اور شعر نمبر ۳ پر ص، ص، ص بنائے گئے ہیں۔ اس نسخے کا قاری اور بھی بہت سی غزلوں کے ساتھ ایسا کرتا رہا ہے۔ چنانچہ اس نسخے کے ص ۹۷، ۹۸، ۱۰۵ پر درج ہونے والی غزلوں کے اشعار میں اس کی ایک سے زیادہ مثالیں موجود ہیں (جنہیں حواشی میں دے دیا گیا ہے)۔ اس میں اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ حاشیے پر لکھی ہوئی عبارت یا تو کٹ گئی ہے یا جلد بندی میں آ گئی ہے۔

کئی دوسرے قاری نے (یہ نسخہ غالباً جس کی ملکیت بھی رہا ہے) جگہ جگہ شاہ صاحب کے کلام پر تنقید کی ہے اور کہیں کہیں اصلاح دینے کی کوشش بھی ملتی ہے۔ مثلاً ”خال پردے میں“ والی غزل کے مصرع ”رکھے ہے آپ کو تو چھیل چھال پردے میں“ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے: ”بھلا ایسے شعر شاہ صاحب کو زیب دیتے ہیں جن کو . . .“ بعد کی عبارت کٹ گئی ہے۔ اسی غزل میں ہانچویں شعر کے بلرے میں لکھا ہے: ”ہانچواں شعر ہماری سمجھ میں نہیں آیا، برا بھلا کیا لکھیں“۔ غزل ”آپ غم ذوالفقار میں“ ذوالفقار کے ضمن میں حاشیہ لکھنے کی ہے اور شاہ نصیر پر اعتراضات وارد کیے ہیں جو حاشیہ کٹ جانے اور جز بندی میں

آ جانے کی وجہ سے پڑھے نہیں جا سکتے، البتہ یہ فقرے جو ”مانعیدہار“ سے متعلق ہیں سمجھ میں آ جاتے ہیں: ”قطع نظر اس تقریر کے ’مانعیدہار‘ بظاہر محاورہ ایسا نہیں لیکن کچھ ہو مضمون برا نہیں۔“ اسی محزل میں نویں شعر سے متعلق لکھا ہے: ”کہاں بید کہاں تاک بید جنگلی اور تاک۔ بید کی جائے کچھ اور لفظ رکھتے تو دوسرا مصرع کتنا خوب تھا“ وغیرہ۔

یہ تحریریں بہت ہی رواں دواں اور شکستہ خط میں ہیں جو اسلوب کی چٹنگی اور نفاست سے بالکل محروم ہے۔ بعض مقامات پر قلم کار نے خود اپنے لکھے کو قلمزد کر دیا ہے۔ حاشیہ نگار نے کہیں اپنا نام یا تخلص یا کوئی حرف نہیں لکھا جس سے پتا چل سکے کہ اس کا نام اس حرف سے شروع ہوتا تھا۔ نسخے میں کتابت کی گوناگوں غلطیاں موجود ہیں۔ حروف ربط، حروف اشارات اور بعض جگہوں پر ضروری کلمے اور بعض مصرعے کتابت سے رہ گئے ہیں۔ کتابت کی غلطیاں اور بعض کتابت سے رہ جانے والے مصرعے ایسے بھی ہیں جن کے ساتھ رضا اور مطبوعہ میں بھی صورت روا رکھی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غلطیوں اور فروگزاشتوں کا تعلق اصل ماخذ سے ہے۔ ان کی نشان دہی حواشی میں کردی گئی ہے۔ اسلا میں قدیمانہ انداز موجود ہے۔

”مجذوں ہے نہ پاں لرباد ہے“ صفحہ ۵۱۳ پر آنے والی اس غزل کے بعد قدیم دیوان اچانک ختم ہو گیا۔ غالباً اس نسخے کا آخری ورق یا اوراق ضائع ہو گئے ہیں۔ بہت ممکن ہے ان کے ساتھ کوئی ترقیمہ بھی ہو جس سے اب یہ (دیوان) محروم ہے۔ اس کے بعض اوراق، جن کا خط اور کاغذ نسبتاً معمولی اور جدید ہے، اس عبارت

کے ساتھ بڑھائے گئے ہیں :

”کلام باقی ماندہ استاد گرامی حضرت شاہ نصیر دہلوی خیر اللہ
لہ و نور اللہ مرقدہ۔“

یہ واضح طور پر شاہ نصیر کی وفات کے بعد کا اضافہ ہے ۔
اس نسخے میں مندرج کلام کی تفصیل حوالی میں دی گئی ہے ۔

نسخہٴ میوزیم :

مذکورہ نسخے کے علاوہ حیدرآباد میں دیوان نصیر کے دو قلمی نسخے
اور بھی ہیں مگر وہ دونوں مختصر انتخاب کا درجہ رکھتے ہیں ۔
ان دونوں نسخوں میں سالار جنگ میوزیم کے کتب خانے میں محفوظ
نسخہ نسبتاً زیادہ قدیم ، اہم اور مکمل ہے ۔

اس نسخے کے متعلق اس کتاب خانے کی فہرست خطوطات میں
یہ وضاحتیں ملتی ہیں :

”۵۷۰ ، دیوان نصیر ۔

نمبر ۵۸۶ سائز ۸^۱/_۲ ، ۵^۱/_۲ صفحہ ۵۸ سطر ۱۳ - ۱۵ ۔
خط نستعلیق ، کاغذ دیسی ، مصنف شاہ نصیر دہلوی ، تاریخ
تصنیف قبل ۱۲۵۳ھ - نصیر الدین قاسم اور نصیر تخلص تھا ،
ان کے باپ شاہ غریب کہلاتے تھے ۔ شاہ نصیر چولکہ
سیاہ رنگ تھے اس لیے کانٹو کے لقب سے موسوم ہو گئے تھے ،
دہلی ان کا وطن تھا ۔ مہاراجہ چندولال کی قدر دانی سے
حیدرآباد آ گئے ۔ پہلی مرتبہ تو دہلی واپس ہو گئے ، دوسری
مرتبہ ایسے آئے کہ پھر وطن جانا نصیب نہیں ہوا ۔
حیدرآباد میں فوت ہوئے ، ۱۲۵۳ھ (کذا) شاہ موسوی قادری

کی درگاہ میں بدلتوں ہیں۔ دوسری مرتبہ جب حیدرآباد آئے تو چار سو پچاس روپیہ ماہوار مقرر ہوئی تھی۔ بقول مؤلف ’کل رعنا، شاہ نصیر کا دیوان ان کے مرنے کے بعد مرتب ہوا۔ ان کے نام کے ساتھ ’شاہ‘ کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ اہلِ باطن کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ نصیر کو شاہ عہدی مائل سے تلمذ تھا، مائل دہلی کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

آغاز :

دیکھنے جب اپنی صورت وہ ہری پیکر لکا
بن گیا آئینہ جوگی، مند کو خاکستر لکا
چشم نقش پا سے ہیں پامال حسرت دیکھے
’گوشہ‘ دامن کو اپنے اور بھی ٹھوکر لکا
اس دیوان میں صرف غزلیات ہیں جو ردیف وار ہیں۔

اختتام :

دیکھے اگر اس بت کی تجلی کو مرے، شبخ
ناقوس صنم خانے کے ایوان میں بھولکے
کہ نصیر اب تجھے ہولکا
تا سورۃ جن پڑھ کے مرے کان میں بھولکے
شاہ نصیر کا دیوان طبع ہوا ہے، ’چمنستان سخن‘ کے نام سے
موسوم ہے۔ قلمی نسخے بھی بعض کتب خانوں میں ہیں،
چنانچہ کتب خانہ ’آصفیہ‘ میں ایک نسخہ ہے ’ (۴۰۲)۔“

اس موقع پر یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ بیان بھی بعض تسامعات سے خالی نہیں۔ نصیر کا انتقال سنہ ۱۲۵۳ھ کے بجائے ۱۲۵۴ھ میں ہوا ہے۔ ”چراغ گل“ مادۂ تاریخ وفات ہے۔ نصیر کی تنخواہ سے متعلق جو رقم ظاہر کی گئی ہے، اس کے بارے میں ماخذ کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ اس دیوان کا کاغذ قدیم اور قدرے سیاہی مائل ہے۔ خط نستعلیق شکستہ ہے۔ رسم خط میں پختگی ہے مگر دیدہ زیبی نہیں۔ ووشنائی کہیں کہیں پھیل گئی ہے۔ ”الٹا کیا“، ”تپاک کیا“ اور ”بات شباب“ زمینوں میں آنے والے اشعار حاشے پر لکھے گئے ہیں۔ آغاز کلام ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے ہوتا ہے۔ سب سے پہلے، جیسا کہ فہرست نگار نے ظاہر کیا ہے ”ہری پیکر لگا“ والی زمین میں غزل آتی ہے، کل ۳۰ اوراق ہیں جن میں اول اور آخری صفحہ سادہ چھوڑا گیا ہے۔ بعض صفحات پر کیرم خوردگی کے آثار موجود ہیں جس کی وجہ سے بعض حروف اور نقطے غائب ہو گئے ہیں، اسی طرح بعض جگہوں پر مرکز بھی تحریر کی کہنگی اور کیرم خوردگی کی نذر ہو گئے ہیں۔ کتابت کی غلطیاں اور مغالطے موجود ہیں جو کہیں کہیں رسم کتابت کی قدیمائے روش کے پیدا کردہ بھی ہیں؛ مثلاً ”دن ڈھلے اب تک نہیں ہوتے سنا ہے رت جگا“ کچھ اس طرح پڑھا جانا ہے: ”دن دئے اب تک نعین ہوئے سنا ہے رت جگا“۔ یا: ”شبم ہے برگ گل کی بھبھولا زبان پر“ مصرع اس انداز سے لکھا ہوا ملتا ہے: ”شبم برگ گل کی بھبھولا زبان پر“۔ ایسی ایک نہیں بہت سی مثالیں ہیں۔ کہیں کہیں یہ صورت باریک کاغذ کے چپکالنے کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ بعض دوسرے خطوطوں کی طرح اس میں بھی کہیں کہیں بعض حروف و حرکات، الفاظ اور کلمے کتابت سے رہ

کئے ہیں ۔

(اس انتخاب میں نصیر کے اشعار کی تعداد کی تفصیل و وضاحت حواشی میں دی گئی ہے) ۔

نسخہٴ ادارہ ادبیات :

اسی انتخاب سے نمائندہ اور انتخاب کا مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہے ۔ دونوں میں تعداد و ترتیب اشعار قریب یکساں ہے لیکن یہ نسخہ مذکورہ نسخے کے مقابل میں ، جیسا کہ اس سے پیشتر عرض کیا جا چکا ہے ، ناکمل ہے اور ردیف ن کی چند غزلوں کے بعد اچانک ختم ہو جاتا ہے ۔ یہ اوراق ضائع ہو گئے ہیں ۔ اس قلمی نسخے کے ضمن میں فہرست مخطوطات ادارہ ادبیات اردو میں یہ تفصیلات پیش کی گئی ہیں ۔

(تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول ، یعنی کتب خانہٴ ادارہ ادبیات اردو کے صرف دو سو پچھتر اردو مخطوطات کا تفصیلی تذکرہ ، مرتبہ سید محی الدین قادری زور معتمد اعزازی ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن ، سنہ ۱۳۶۳ھ) ۔

”(۸۱)

اوراق ۲۸ ، سطور ۱۴ فی صفحہ ، تقطیع ۵۴ ” ۹ ” ، خط استعاری ، عنوان اور تخلص سرخی میں ، مصنف شاہ اصیر الدین نصیر دہلوی ، زمانہٴ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ ۔ شاہ نصیر دہلی کے آخری مشایخ شعراء میں سے تھے ۔ ابو ظفر بہادر شاہ اور ذوق کے استاد تھے ۔ آخری زمانے میں لکھنؤ اور حیدرآباد کے کئی سفر کیے اور آخر کار حیدرآباد ہی میں سنہ ۱۲۵۳ھ

میں وفات پائی۔ ان کی قبر واقع درگاہ سید موسیٰ شاہ قادری
پر ادارۂ ادبیات اردو کی طرف سے سنگ مرمر کا کتبہ لگا
دیا گیا ہے '۔"

شاہ نصیر نہایت ہی بُر گو اور مشتاق شاعر تھے۔ انہوں نے سنگلاخ
زمینوں میں غزلیں اور قصیدے لکھے تھے۔ مہاراجہ چندو لال نے
حیدر آباد میں ان کی بڑی قدر و منزلت کی کہ آخر وہ یہیں کے ہو
رہے۔ ان کا یہ منتخب دیوان بھی مہاراجہ یں کے حکم سے یا
الہیں کے کسی درباری نے نقل کرایا ہے کیونکہ کتاب کے آغاز
میں مختلف شعرا کے اشعار کے ساتھ مہاراجہ کا ایک مطلع بھی کاتب
نے نقل کیا ہے جو یہ ہے۔ مطلع مہاراجہ بہادر :

شب نہ گشتے روز گر جلوہ نہ کردے بو تراب

کے شدے روشن ز مشرق تا یہ مغرب آفتاب

اس نسخے میں شاہ نصیر کی غزلوں کے تقریباً آٹھ سو اشعار منتخب
کیے گئے ہیں۔

آغاز :

دیکھنے جب اپنی صورت وہ پری پیکر گیا

بن گیا آئینہ جوگی منہ کو خاکستر لگا

۲۔ راقم الحروف نے جون سنہ ۱۹۹۵ء میں جب ترتیبِ دیوان کے سلسلے
میں ان مختلف قلمی نسخوں کے مطالعے کے لیے حیدر آباد کا سفر کیا تو
شاہ نصیر مرحوم کی قبر کی زیارت بھی کی۔ معلوم ہوا کہ کتبہ اکھڑ
گیا ہے اور مجاور صاحب کے حجرے میں رکھا ہوا ہے۔ رات کا وقت
تھا اور اس کمرے میں روشنی نہ تھی۔ شمع روشن کر کے اس کتبے کو
دیکھا، اس پر شاہ نصیر کا نام اور ان کی تاریخ وفات ۱۲۵۴ھ سیاہ حروف
میں کندہ ہے۔

چشمِ قنبر ہا سے ہیں ہمالِ حسرت دیکھئے
گوشہٴ دامن کو اپنے اور بھی ٹھوکر لگا

اختتام :

غزل اک اور بھی کہہ اس زمین میں کہ نصیر
زبان سے شعر تری خوب تر لکھتے ہیں

اس بیان کے بعض پہلو تسامحات کا درجہ رکھتے ہیں : مثلاً یہ کہ شاہ نصیر ، مہاراجہ کی قدردانیوں کی بدولت وہیں کے ہو رہے ۔ مہاراجہ کی قدردانیان اپنی جگہ پر لیکن شاہ نصیر کا قیام حیدر آباد ان کی طویل زندگی میں ایک مختصر وقفے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اور حیدرآباد کا آخری سفر تو انھوں نے اپنے آخری ایامِ حیات ہی میں کیا تھا ۔ علاوہ بریں اس نسخے کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ یہ ایک بہت معمولی قلمی نسخہ ہے جو الحلاطِ کتابت سے بھی پاک نہ تھا ۔ اس کے کاغذ ، طرزِ کتابت اور آرائش میں کوئی اہتمام نہیں برتا گیا ۔ اگر یہ مہاراجہ کے حکم سے یا ان کے لیے نقل ہوتا تو یہ اپنے ظاہر اور باطن کے اعتبار سے اتنا معمولی نسخہ نہ ہوتا ۔ اس کا کاغذ ہلکا زردی مائل ہے ، سوادِ خط روشن ہے مگر کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ، حاشیوں پر کوئی جدول وغیرہ نہیں ہے ۔ شروع میں بسم اللہ سرخ روشنائی سے لکھی ہوئی ہے ، بعض غزلوں میں تخلص بھی سرخی سے لکھا گیا ہے ، حاشیے خالی ہیں ، کہیں کوئی ”مہر“ وغیرہ بھی نہیں ملی ۔ ایسی صورت میں مہاراجہ کے ایک مطلع کی اس مجموعے کے ساتھ موجودگی اس کا کافی و شافی ثبوت نہیں کہ یہ نسخہ مہاراجہ کے لیے تیار کیا گیا یا ان کے حکم سے نقل ہوا ۔

اس مجموعہ اشعار کے ساتھ اسی تقطیع ، اسی کاغذ اور اسی خط میں سودا کے اشعار کا بھی ایک انتخاب ملتا ہے جو اس امر کا ایک اور ثبوت ہے کہ کسی شخص نے اپنی ذاتی دلچسپی کے لیے ان اشعار و غزلیات کا انتخاب کیا تھا اور یہ ممکن ہے کہ اس انتخاب کا ماخذ سر سالار جنگ میوزیم والا نسخہ ہو جس کا کاغذ اور کتابت دونوں اس سے زیادہ قدیم معلوم ہوتے ہیں ۔ اس نسخے کے مشتملات کو حواشی میں دیا گیا ہے ۔

ان دونوں انتخابات کے مقابلے میں نسخہ آمفیہ زیادہ ضخیم بھی ہے اور زیادہ قدیم بھی لیکن اسے مکمل نہیں کہا جا سکتا ۔ اس میں نسخہ پشیالہ اور نسخہ رضا کے مقابلے میں اشعار اور غزلیات دونوں کی تعداد کم ہے ۔

نسخہ پشیالہ (داخلہ ۱۰۵۶۹ فن ق ۱۵ امور کتابت ۲ م) نصیر کے تین بڑے نسخوں میں سے ہے ۔ سوئے اتفاق سے یہ بھی کسی ترقیمے سے محروم ہے ۔ کاتب کا نام تک درج نہیں ، لہ زمانہ ترتیب یا سال تحریر ہر کسی طرح سے کوئی روشنی پڑتی ہے ۔ کتب خانے (سنٹرل پبلک لائبریری پشیالہ) کی فہرست میں اس بارہ خاص میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ نسخہ کب اور کہاں نقل ہوا ہے اور اسے کس نے نقل کیا ہے ۔ رسم کتابت سے اتنا ہٹنا ضرور چلتا ہے کہ کاتب پنجاب کا رہنے والا ہے اور بعض الفاظ کا تلفظ اس کے یہاں وہی ہے جو پنجاب میں ہے ؛ مثلاً وہ 'ابر' کو تشدید کے ساتھ لکھتا ہے (ابر گہربار نہ بابا) 'روؤں' کو 'رو آوں' یعنی بیلے ہمزے کے الف کے ساتھ لکھا گیا ہے ۔ اسی طرح 'لاووں' کو 'لا آوں' لکھا ہے وغیرہ ۔

املا کی بعض قدیم صورتیں بھی اس کے یہاں ملتی ہیں : مثلاً ہالحمیں ، گلشنیں ، صبحدم ، لکی ، شعرو ، غارتدل - تائے ہندی (ٹ) کا املا اس طرح کیا ”ٹکڑا“ - اس سے پتا چلتا ہے کہ کاتب یا تو کسی قدیم نسخے سے یہ غزلیں اور اشعار نقل کر رہا ہے یا وہ خود املا کی قدیم صورتوں کو اپنائے ہوئے ہے ۔

اس نسخے میں بہت سی وہ غزلیں اور اشعار مل جاتے ہیں جو نسخہ ”رضا کے علاوہ کسی اور ماخذ میں دستیاب نہیں ۔ سہو کتابت کے گوناگوں نمونے اس نسخے میں بھی سامنے آتے ہیں ۔ ان میں سے بعض نسخہ ”رضا اور غال خال نسخہ ”آصفیہ“ سے مشابہ ہیں ۔ حواشی میں ایسی غلطیوں کی نشان دہی کر دی گئی ہے ۔ ان میں سے بعض غلطیاں بہت نمایاں ہیں : مثلاً ”عار“ ایک موقع پر ”ہار“ لکھا گیا ہے ۔ ممکن ہے یہ کسی قدیم نسخے سے اپنائی ہوئی غلطی ہو ۔ ایسی غلط لکاری یا تحریر کے مغالطوں کی چند در چند مثالیں آصفیہ ، پشالہ اور نسخہ ”رضا میں موجود ہیں ۔

بعض اشعار حاشیے پر لکھے ہوئے ملتے ہیں ، لیکن ان میں اختلافِ نسخ کی بھی صورت موجود ہے ۔ کچھ غزلیں ایسی بھی ہیں جو ایک سے زیادہ مرتبہ نقل کی گئی ہیں ۔ ان میں اختلافِ نسخ کے علاوہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کچھ شعر جہاں اور کچھ وہاں زائد ہیں ۔ اس صورتِ حال سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یہ مختلف نسخوں کی غزلیں ہیں اور شاہ نصیر نے ان غزلوں پر مختلف وقتوں میں فکر کیا ہے ۔ دود سا لپٹا ، بشبِ نار ہوا ، دل انگار نہ پایا ، دیدہ تر یچتا ، ہمدوش خاکستر رہا ، راہ تیرے بات ، سمِ تن چمکے ، ان زمینوں میں آنے والی غزلیں دوبارہ نقل ہوئی ہیں ۔ ان میں

اشعار کی تعداد میں کافی اختلاف ہے ۔

”جب ہائے قریب“ زمین میں آنے والی غزل کے دو شعر نقل کرنے کے بعد صرف اشارہ صفحہ آئندہ کے طور پر ”دل“ لکھا ہے ۔ اگلے صفحے پر اس کے ہدیہ اشعار کے بجائے باب تیسرا ”ت“ لکھا ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ردیف ب کے سلسلے کے بعض اوراق غائب ہو گئے مگر بعد میں یہ غزل ورق نمبر ۹۳ پر آتی ہے ۔

یہی صورت ”تنگ ہات“ زمین میں آنے والی غزل کے ساتھ بھی ہوتی ہے ؛ اس غزل کے دو شعر نقل کرنے کے بعد صرف اشارہ ”چھوڑ“ لکھا گیا ہے ، جب کہ اگلے صفحے پر ”کہنے ہی آپ“ غزل کے سات شعر لکھے ہوئے ملتے ہیں جن میں مطلع نہیں ہے ۔

اس کے بعد ”زلف یار ہے اب“ ردیف ب سے متعلق غزل شروع ہو جاتی ہے جو اکیس شعروں پر مشتمل ہے اور ت کے باقی ماندہ اشعار آگے چل کر صفحہ ۹۴ پر ملتے ہیں ۔ ”شمع در تہ آب“ غزل کے اشعار کا سلسلہ بھی یوں ہی دوہم پرہم ہے ۔ اس درہمی حال کا سبب جز بندی میں ضروری احتیاط نہ برتنا ہے جس سے ترتیبِ اوراق غلط ہو گئی ہے ۔

اس مخطوطے میں نصیر کی صرف غزلیں موجود ہیں ۔ قصائد و مخمسات سے حیدر آبادی نسخوں کی طرح اس کا دامن بھی خالی ہے ۔ خط صاف ہے ، کاغذ باریک اور کافی مضبوط ہے ۔

قطعہ ، رباعی ، تاریخ اور کہیں کہیں غزل اور درمیانِ غزل میں آنے والے قطعے کو سرخ روشنائی سے لکھا ہے ۔

ایک سے زیادہ قطعات ایسے ہیں جن کو رباعی لکھا گیا ہے ، جب کہ ان کے صرف آخری دو مصرعوں میں قافیہ آیا ہے ۔ ہو سکتا ہے

کہ یہ غلطی کاتب نے لاعلمی کے سبب سے کی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ صرف اس کی نقل کا ذمہ دار ہو۔ اس کا سائز ۱۲" ۷" اور شروع کے چھوڑنے ہوئے، جہاں بسم اللہ الرحمان الرحیم کے بعد نو شعر کی غزل "صفحہ دریا کیا" نقل ہوئی ہے، باقی صفحات ۱۲ - ۱۴ شعر فی صفحہ درج کیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں جگہ خالی بھی چھوڑی گئی ہے مگر ایسا ایک دو صفحات سے زیادہ نہیں ہوا۔

کاغذ اور خط سے یہ نسخہ پمہلی صدی عیسوی کے نصف آخر کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے، اس کا نمبر ۱۵۹۶ ہے۔ اس کی جلد چراغ دین نے باندھی ہے جو لاہور میں کام کرتا تھا۔ یہ نسخہ ریاست کپور تھلہ کی لائبریری کی زینت رہ چکا ہے مگر اس پر اس ریاست کا خاص نشان نہیں ہے۔

اس میں شامل غزلیات و قطعات وغیرہ کی تعداد کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی۔

نسخہ رام پور :

کلام نصیر کا سب سے مکمل مجموعہ نسخہ رضا کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ یہ نسخہ کتب خانہ عالیہ (رضا لائبریری) رام پور میں محفوظ ہے۔ ۳۳۸۱/۹۶۷ م اس کا نمبر ہے۔ دیوان شاہ نصیر، نصیر دہلوی اردو قلمی - فہرست کتب خانہ کے مختلف اندراجات میں خانہ کیفیت میں لکھا ہے :

دیوان نصیر : شاہ نصیر الدین بن شاہ غریب دہلوی متخلص
یہ نصیر متوفی ۱۰۲۵ھ عہد خلد آشیان یہ خط تسکین
غالباً، تعداد اوراق ۲۸۲۔

اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد کا بیان ہے :

”دہلی میں میر حسین تسکین ایک طباع اور نازک خیال شاعر تھے ، ان کے بیٹے سید عبدالرحمان^۱ بھی صاحبِ مذاق اور سخن فہم شخص تھے ۔ انہوں نے بڑی محنت سے ایک مجموعہ ایسا جمع کیا کہ غالباً اس سے زیادہ ایک جگہ شاہ صاحب کا کلام جمع نہ ہوگا ۔ نواب صاحب رام پور نے کہ نہایت قنودان سخن ہیں ، ایک رقم معقول دے کر وہ نسخہ منگالیا ۔ غزلیں اکثر جگہ بکثرت پائی جاتی ہیں مگر قصیدے نہیں ملتے کہ وہ بھی بہت تھے^۲۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس نسخے کے کاتب یا مرتب تسکین نہیں ، ان کے بیٹے عبدالرحمان ہیں جن کو نصیر الدین ہاشمی نے غلطی سے شاہ نصیر کا بیٹا قرار دیا ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ

۱۔ میر عبدالرحمان عارف ارشد نالام ”پرنسپل میر حسین تسکین ، شاگرد و برادر زادہ حکیم مومن خان مومن ، درمہ کتابیں مولوی امام بخش صہبائی سے دیکھی تھیں ۔ معنی کے فن میں کامل مہارت رکھتے تھے اور سرکار رام پور سے وظیفہ پاتے تھے ۔ عربی و فارسی کی تحصیل عالمانہ درجے تک پہنچی ہوئی تھی ۔ صاحبِ مذاق و سلیم ، سخن فہم بے نظیر ، بڑے طباع ، خلیق ، منسلار اور زندہ دل لوگوں میں سے تھے ۔ مومن مرحوم نے انہیں متبنی کر لیا تھا ۔ عزیز آبادی یکم کی حویلی میں جو شاعر سے شعر کے بعد ہوئے ، ان میں آپ میر مشاعرہ تھے ۔ . . .

یہ امر خاص کر قابلِ ذکر ہے کہ اکثر سخن منجان گروسی کے زعم میں ان جیسا سخن فہم کوئی کم ہوا ہوگا ۔ سنہ ۱۸۷۵ء کے قریب انتقال فرمایا ۔ (”مخفیانہ“ جاوید ، جلد اول ، ص ۱۱۶) ۔

۲۔ آپ ، ص ۲۱۰ ، ۲۱۱ ۔

صاحب کا جتنا کلام اس نسخے میں جمع کیا گیا ہے ، اتنا کسی اور نسخے میں نہیں ملتا ۔ نواب کلب علی خاں خلد آشیان کے عہد میں یہ نسخہ کتب خانہ عالیہ ریاست کی زینت بنا مگر اس کے جلدومیں جو رقم مرتبہ کو دی گئی ، وہ صرف چار روپے تھی ۔ نواب صاحب نے مرتبہ کو دوسری طرح سے مشمول عنایاتِ خاص فرمایا ، یہ دوسری بات ہے ۔ اس نسخے کے مندرجات سے مولانا آزاد واقف نہ ہوں گے ورنہ آخری فقرہ ان کے قلم سے نہ نکلتا ، اس لیے کہ اس نسخے میں جو مدحیہ نظمیں ملتی ہیں ، وہ الگ ہیں ۔

غزلوں کی تعداد بھی اس نسخے میں تمام معلومہ قلمی نسخوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے ۔ ان میں سے اکثر غزلیں ایسی بھی ہیں جو اس نسخے اور نسخہ ہشیالہ میں بھی ہیں اور تعداد اشعار کے لحاظ سے یکساں ہیں مگر قابلِ لحاظ تعداد میں وہ غزلیں ہی ہیں جو صرف اسی نسخے میں ملتی ہیں ، اور قصیدے اور دیگر اصناف سے تو دوسرے مخطوطات کا دامن تقریباً خالی ہے ۔ تسامحاتِ کتابت کا ایک طویل سلسلہ ہے جو اس میں شروع سے آخر تک ملتا ہے ۔ یہ معلوم نہیں کہ اس نسخے کے ماخذ کیا ہیں ۔ انہوں نے یہ تمام کلام اپنے طور پر جمع کیا ہے ، یا پھر یہ پہلے جمع کیے ہوئے کسی مجموعہ کلام کی نقل ہے ۔ مولانا محمد حسین کے بیان سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ انہوں نے خود محنت کر کے یہ مجموعہ مرتب کیا تھا ، لیکن نسخہ ہشیالہ اور اس کی غزلوں کے باہمی تقابل سے پتا چلتا ہے کہ ان غزلوں کی حد تک جو دونوں نسخوں میں موجود ہیں اور جن کی بہت بڑی تعداد ہے ، دونوں کا ماخذ ایک ہے ، جس کی وجہ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ الہیہ بعض مرتبہ نسخوں سے بھی مدد ملی ہے ، اور

بہت ممکن ہے کہ یہ وہ نسخے ہوں جو خاندان نصیر کے پاس محفوظ تھے۔ کتابت کی غلطیاں اگر بعض مرتب کی فروگزاشتوں کا نتیجہ نہیں تو یہ اور پچھل مسودات سے تعلق رکھتی ہیں اور ان مسودات کی قراءت میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں، ان کی نشان دہی کرتی ہیں؛ بعض غزلوں میں اشعار کی نقل کا اسلوب اس امر کی طرف ایک واضح اشارے کی حیثیت رکھتا ہے :

.....
 کہ یہ شیشہ اور یہ طاق ہے تو (نصیر) جا کے اسے دھر آ
 پہلے مصرع کی جگہ خالی چھوٹی ہوئی ہے۔
 شعر ذیل میں صرف آدھا مصرع ہے :

مست جنازہ دیکھو.....
 ابتدا اور انتہا تا دوش پر دیکھا کرو

نیچے لکھے ہوئے اشعار میں تو ہر شعر تشنہ تکمیل ہے :

’ہاں یہ تم نے سیکھا ہے.....
 کب آنکھ جھپکے ہے لیل و نہار آئینہ
 بچشم غور جو دیکھا تو یہ.....
 طلب میں خاک رکھے تھا وقار آئینہ
 غرض کہ عکس خط.....
 بنا ہے بادشہ..... سردار آئینہ
 صفائی قلب بظاہر.....
 مری نگاہ میں.....

منفرد حصے کتابت سے وہ گئے ہیں۔

سہر کتابت کی متنوع مثالیں ایسی مثالوں کے علاوہ ہیں۔ اگر وہ اصل مسودے سے تعلق رکھتی ہیں تو ان میں بعض کی تصحیح

یہ ادنیٰ توجہ ممکن تھی ۔

سہو کتابت کی ایسی گونا گوں صورتوں کی نشان دہی حواشی میں کردی گئی ہے ۔ غزلوں کے ساتھ تخلص اکثر ہلکی سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے ۔ ایسے ہی بہت سے مقطع ہیں جہاں تخلص کی جگہ خالی چھوٹی ہوئی ہے ۔

اس کا کاغذ ہارپک اور مضبوط ہے اور اس کا رنگ ہلکا زردی مائل ہے ، سوادِ خط روشن اور صاف ہے ۔ بعض غزلیں حاشیے پر لکھی ہوئی ہیں ۔ یہ نسخہ شفران مآب نواب کلب علی خان رئیس رام پور کو پیش کیا گیا تھا ۔ دفتر اندراج کتب خالہ سرکار عالیہ سے ہتا چلتا ہے کہ یہ چار روپے سکہ راج الوقت میں خریدا گیا تھا ۔ اس کے مندرجات کی تفصیل اور وضاحتیں حواشی میں موجود ہیں ۔

انتخاب کلیات شاہ نصیر :

شاہ نصیر کی وفات کے بعد ان کا پہلا مختصر مجموعہ ”انتخاب کلیات شاہ نصیر“ کی صورت میں سنہ ۱۲۹۴ھ میں اعلیٰ پریس میرٹھ سے شائع ہوا ۔ اس کے مرتب حافظ محمد اکبر میرٹھی ہیں ۔ اس سے پہلے ان کا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا تھا ۔ چنانچہ اس کے مرتب نے اپنے دیباچے میں اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے :

”یہ بات نہایت افسوس کے قابل ہے کہ شاہ مخدوح کا کلام ابھی طبع نہیں ہوا ، اور جو آرزومندی شعر و شاعری کے مشتاق لوگوں کو ان کی شہرت و نام آوری کے اعتبار سے ہوتی ہے ، وہ پوری نہیں ہو سکتی ۔ اور جو نوالہ کہ ایک استاد فن کے کلام سے اہل سخن کو پہنچنے

ممکن ہیں ، ان کے پہنچنے کا کوئی آسان ذریعہ نہیں ہے ۔ اور یہ خیال بھی حسرت و افسوس سے خالی نہیں کہ ایک ایسے برگزیدہ شاعر کا کمالِ شاعری ، جو ساٹھ برس کی مشاق و سخن منجی کے بعد مسئلہ روزگار ہوا ، وہ اس فن کے قدر شناسوں کی نظر سے پوشیدہ ہو کر محض ناشناسی و گمنامی کے حجاب میں پڑا ہوا ہے ۔“ (ص ۱ ، انتخاب)

اس انتخاب اور اس کی اشاعت کی طرف اے مرزا احمد حسن ایک سرورشتہ دار کلکٹری ضلع میرٹھ و رئیس قصبہ سورون ضلع ایٹہ نے متوجہ کیا تھا ، جس کا اظہار اس نے اپنے مقدمے میں بھی کیا ہے ۔ یہ انتخاب اس کے پاس موجود ایک قلمی نسخے اور شاہ بہاء الدین بشیر کے تراجم کردہ بعض نسخوں کی مدد سے عمل میں آیا جن کی زیارت کا مرتب دعویدار ہے ۔ ہاں ہمہ یہ بہت مختصر ہے اور صرف ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہے ، اور اس کے بھی دو حصے ہیں ۔

سرورق کی عبارت یہ ہے :

”دریں زمان فرخ القرآن بہ یمنِ خالقِ دو جہاں نسخہ“
 بے نظیر انتخابِ کلیاتِ شاہ نصیر بہ اعلیٰ پریس میرٹھ
 باہتمام حافظ فضل محمد اکبر طبع گردید ۔“

شروع میں ایک مقدمہ ہے ۔ حصہ اول کا انتخاب صفحہ ۸۵ پر ختم ہوتا ہے ۔ باقی صفحات حصہ دوم سے متعلق ہیں جس کے آغاز میں لکھا گیا ہے :

”یہ انتخاب آس دیوان سے کیا گیا جو شاہ بہاء الدین لیبرہ
 شاہ نصیر الدین صاحب نصیر نے ہم کو عنایت کیا ۔“

خاتمہ اس عبارت پر ہوتا ہے :

”شکرِ خدایے قدیر کہ مجموعہٴ سخن ہائے دل ہذیر یعنی
انتخابِ کلامِ شاہ نصیر بر روی مشتاقان صاف ضمیر بتاریخ
۱۰ نومبر سنہ ۱۷۷۷ ع بمعرض طبع درآمد تا این جوہر لطیف
از نظر مبصران نہاں و رائگان نمائد۔“

اس کے ساتھ تین قطعات تاریخ طباعت ہیں - پہلا قطعہ بشیر کا ہے
جسے ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے :

”قطعہٴ تاریخ الطباع از نتائج افکار بے نظیر سید بہاء الدین
متخلص بشیر نبیرۃ شاہ نصیر :“

عجب ہے سلک مسلسل کلامِ شاہ نصیر
بتار فکرِ درِ آبدارِ معنی مفت
بشیر از بے تاریخ سر بھیب شدم
ملسم دفترِ عشاق پر عقل بگفت

۱۲۹۳

تیسرا قطعہ خود مرتب کا ہے :

”قطعہٴ تاریخ کمتر حافظ مجد اکبر عنی عنہ“

اکبر نے یہ انتخاب پایا
عنوان مثال بے مثالی
تاریخ اگر تم اس کی بوجھو
ہے منتخبِ کلامِ عالی

۱۲۹۳

مشتملات حصہٴ الف و ب :

شمر : الف ۱۰/۳۰۷ ب ۱۱/۳۲ پ ۶ (حصہ ب) ت ۵/۷۰

ث ۶/۲-۶ (حصہ ب) ج ۳ (حصہ ب) چ ۱۱ (حصہ الف) ح ۵

(حصہ ب) خ ۴ (حصہ ب) د ۱۷ (حصہ الف) ذ ۲ (حصہ ب) ر
 ۱۱۷/۸ ژ ۳ (حصہ ب) ۲۵ (حصہ الف) س ۹/۱۱ ش ۳ (حصہ ب)
 ص ۶ (حصہ ب) ظ ۹/۷ ع ۸ (حصہ الف) غ ۱۰/۶ ف ۲۷/۵ ق
 ۳۶/۱۱ ک ۹/۱۱ گ ۲۹/۴ ل ۵۳/۳ م ۵۱/۱۱ ن ۱۳۷/۵۹ و
 ۳۴/۱۸ * ۶۳/۷ ی ۱۸۳/۲۸ -

چمنستان سخن :

انتخابِ مذکور کی اشاعت کے پورے بیس برس بعد شاہ نصیر
 کے دیوانِ غزلیات کا نسبتاً ایک زیادہ مکمل مجموعہ ”چمنستان
 سخن“ حیدر آباد سے شائع ہوا۔ یہ حکیم نادر علی رعد نیرۃ میر
 احمد علی خان شہید دہلوی کے ذاتی کتب خانے میں موجود نسخے
 سے نقل کیا گیا اور مطبعِ فخر نظامی حیدر آباد نے اسے شائع کیا۔
 ان امور پر اس کے سر ورق سے روشنی پڑتی ہے :

”چمنستانِ سخن : دیوانِ شاہ نصیر دہلوی۔ منقول از
 کتب خانہ حکیم نادر علی رعد نیرۃ میرالشعرا میر احمد علی
 خان شہید دہلوی مرحوم، شاگردِ مصنفِ دیوانِ خدا
 بہ تصحیح حکیم صاحبِ معز، در مطبعِ قاسمی گرامی
 فخر نظامی... (چھٹہ بازار حیدر آباد - دکن)۔“

صفحات کی تعداد ۲۳۸ ہے۔ سرورق کا کاغذ حنائی ہے۔ باقی دیوان
 دو رنگ کے کاغذوں پر چھپا ہے۔ گہرے زرد رنگ کا کاغذ بہت
 معمولی ہے۔ اس کی تاب و توان ختم ہو چکی ہے لیکن ہلکے زرد
 رنگ کے کاغذ میں ہنوز کچھ جان باقی ہے۔ اشعار متن اور حواشی
 دونوں پر درج ہیں۔ کتابت کی غلطیوں کا سلسلہ اس میں شروع سے

آخر تک پھیلا ہوا ہے ۔ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا خود اصل نسخے سے بھی کوئی تعلق ہے یا نہیں ۔ بعض اشعار بھی دوبارہ نقل ہو گئے ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ اصل میں بھی اسی طرح ہو ۔ اس کا سال اشاعت سنہ ۱۳۱۴ء ہے جس کی شہادت وہ چند قطعاتِ تاریخ بھی دیتے ہیں جو اس میں شامل ہیں ۔ داغ کا قطعہ " تاریخ یہاں پیش کیا جاتا ہے :

چوہا ہے آج یہ دیوانِ اُس سخن ور کا
کہ جس کی طبع پر آئے مرادِ اہلِ ہند

یہ وہ کلامِ مثنوی ہے یہ وہ کلامِ فصیح
نہ کیوں کہ اس پہ جسے اعتقادِ اہلِ ہند

یہ باغ وہ ہے کہ اس کی چار کے گل بن
ہمیشہ سے ہیں اہلِ ہند

سخنِ وراںِ زمانہ ہیں متفقِ قائل
بالاتفاق اسی پر ہے صادرِ اہلِ ہند

ہر ایک شعر اسی کا ہے داد کے قابل
اسی کے واسطے زیبا ہے دادِ اہلِ ہند

نہ کیوں ہو شہرہ مصنف کا غیر ملکوں میں
کہ یادگار ہے یہ وجہ دادِ اہلِ ہند

فصاحت اور بلاغت پہ جدتِ مضمون
ازل کے روز سے ہیں خانہ زادِ اہلِ ہند

جو اہلِ فارس و اہلِ عرب اسے دیکھیں
تو یہ کہیں کہ . . . سوادِ اہلِ ہند

یہ سال طبعِ کما داغر دہلوی نے بھی
کلامِ شاہ نصیر اوستاد اہل ہند^۱

۱۳۱۳

تذکرے

دواوین کے مخطوطہ اور مطبوعہ نسخوں کے علاوہ کلیات
شاہ نصیر کے متن کی ترتیب و تصحیح میں پچھلی صدی ہجری کے
تذکرے بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں شاہ نصیر کے ہم عہد
اور قریب العہد تذکرے تو خیر امانی اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن
ان تذکروں سے بھی صرف نظر ممکن نہیں جو انتخابِ کلیات کی اشاعت
(سنہ ۱۲۹۵ ہجری) سے پہلے ترتیب پا چکے تھے۔

یہ تذکرے تعدادِ اشعار کے اعتبار سے تو ان کے دواوین کے
قلمی یا مطبوعہ نسخوں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتے لیکن
ان سے اختلافِ نسخ کی بازیافت اور اس دور کے ادبی میلانات کو
سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ یہ تذکرے حسب ذیل ہیں :

تذکرہ ہندی :

غالباً یہ سب سے پہلا تذکرہ ہے جس میں شاہ نصیر کا ترجمہ
شامل کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۲۰۰-۱۲۰۹ ہجری کے مابین
ترتیب دیا گیا اور اس کے بیشتر مشتملات اس زمانے کی یادگار

۱۔ اس دیوان سے متعلق ”یادگار ضیفم“ کے مؤلف نے لکھا ہے : ”آپ کا
دیوان دو سو چھیالیس صفحات پر تیرہ سو چودہ ہجری میں یہاں چھپا
ہے۔“ (ص ۶۴۲)

ہیں جب مصحفی دہلی میں قیام پذیر تھے۔ اس میں شاہ نصیر کا تعارف ایک ”جوان خوش گو“ کی حیثیت سے کرایا گیا ہے۔ اس ضمن میں مصحفی نے لکھا ہے :

”فقیر در ایامیکہ در شاہجہاں آباد بود ، اکثر در مشاعرہ می آمد۔ در ہان عالمِ لومشتی در طبعش روانی و تیزی دریافت می شد۔“ (ص ۲۶۱)

انتخاب میں صرف چار شعر اور ایک رباعی ان الفاظ کے ساتھ دیے گئے ہیں :

”شعرے ازو بسمع رسیدہ این است“ :
د (۱) و (۱) ی (۲) رباعی (۱) -

تذکرہ عشقی :

مؤلف تذکرہ عہد وجیہ الدین عشقی عظیم آباد (پشت) کے رہنے والے تھے۔ ان کا یہ تذکرہ سنہ ۱۲۱۵ ہجری تک مکمل ہو چکا تھا۔ شاہ نصیر کا ترجمہ اس سے کچھ پہلے ہی شامل تذکرہ کیا گیا ہوگا۔ ترجمہ مختصر ہے اور فقط ”دو شعر از نتائج طبع ایراد یافتہ از دست“ کے ذیل میں پیش کیے گئے ہیں :

ن (۱) و (۱) (دو تذکرے ، ص ۲۹۳) -

تذکرہ ”مجمع الانتخاب“ :

شاہ کمال الدین حسین یا شاہ عہد کمال کا یہ تذکرہ در اصل ایک انتخابِ دواہین ہے۔ اس کا سال تکمیل سنہ ۱۲۱۹ ہجری ہے۔ مؤلف نے سنہ ۱۲۱۲ ہجری میں اپنے قیامِ دہلی کے دوران میں ایک سے زیادہ مرتبہ شاہ نصیر سے ملاقات کی تھی :

”دورانِ ایام کہ فقیر واردِ دہلی شدہ بود ، ایں بزرگ وار دو سہ بار بر مکانِ فقیر قدم رنجہ نمودہ بود و فقیر نیز

بہ مکان ایشان یک دو بار رفتہ - جوان بسیار خوشگو و

خوش فکر است۔“ (وقی ۵۷ ب)

انتخاب کے سلسلے میں صاحبِ تذکرہ نے اشعار کے بجائے

غزلوں کو لیا ہے :

الف (۲۰) و (۹)

مجموعہٴ نغز :

اس کے مؤلف حکیم قدرت اللہ قاسم دہلوی ہیں۔ تذکرے کا سال

تکمیل سنہ ۱۲۲۱ ہجری ہے۔ قاسم، شاہ نصیر اور ان کے خاندان

سے اچھی طرح واقف تھے بلکہ شاہ نصیر کے والد شاہ غریب سے ان

کے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ وہ شاہ نصیر کے احوالِ فن اور قواعدِ سخن

سے آگاہی کے چنداں معترف نہیں مگر ان کی قدرتِ سخن اور کثرتِ فکر

کے مداح ہیں :

”مناسبتِ کلی بہ سخن پردازی دارد، بنا بر تناسبِ طبعی و

سیرِ مشقی سخنش نغز و بہ سببِ کثرتِ فکر و بسیاری“

توقل کلامش ”پر مغز۔“ (ص ۲۷۳ - دوم)

انہوں نے مختلف ردیف ہائے سخن کے تحت شاہ نصیر کے

۲۳ شعر شامل تذکرہ کیے ہیں (ص ۲۷۳، دوم) :

الف (۵) ب (۱) ر (۳) ن (۱۰) و (۱) ی (۳)

عمدۂ منتخبہ :

نواب اعظم الدولہ میر محمد خان سرور اس تذکرے کے مؤلف ہیں۔

عمدۂ منتخبہ (جس سے سنہ ۱۲۱۹ مستفاد ہوتے ہیں) اس کا تارضی

نام ہے۔ ابتدائی روایت اس وقت تک مکمل ہو چکی تھی لیکن

مؤلف اس میں ایک زمانے تک اضافہ کرتا رہا۔ شاہ نصیر کا ترجمہ

(غالباً) ابتدائی روایت کی تکمیل ہی کے وقت داخلِ تذکرہ کیا گیا ہوگا۔ صاحبِ تذکرہ نے ان کے تعارف کے ذیل میں لکھا ہے :

”تیسریں کلام و بسیار نازکہ خیال و معنی بند است ، طبعش بہ خیال ہندی راغب اکثر غزلیات سنگلاخ بطور خود خوب گفتہ ، الحق کہ در شاعری او بیچ شک و شبہ نیست ۔ خوبی کلامش از سخنانش ہوندا است ۔“

(ورق ۳۳۹ الف)

اس تذکرے میں کلام نصیر کا انتخاب کافی طویل ہے اور ردیف ہائے مختلفہ کے تحت منتخب کیے جانے والے اشعار کی تعداد حسب ذیل ہے :

الف (۲۴) ب (۴) پ (۲) ث (۱) خ (۲) ذ (۶) ڈ (۱)
 ر (۲۴) ز (۱۰) س (۱) ش (۶) ع (۱) ق (۳) م (۴) ن (۱۸)
 و (۱۱) ہ (۶) ی (۶) -

اس کے علاوہ قطعہ ”در طلب تنخواہ“ کے عنوان سے چار شعروں پر مشتمل ایک قطعہ درج کیا ہے :

عیار الشعرا :

مؤلف تذکرہ خوب چند ذکا ، شاہ نصیر کے شاگردوں میں سے تھا ۔ تذکرے کی ابتدائی روایت سنہ ۱۲۱۳ ہجری تک مکمل ہو چکی تھی ، جیسا کہ قلمی نسخے (غزونہ کتاب خانہ انجمن ترقی اردو) میں دے گئے قطعہ ”تاریخ سے واضح ہوتا ہے مگر اس میں اضافوں کا سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا ۔ خود اس قلمی نسخے کے حواشی پر بہت سے اضافات ملتے ہیں ۔ شاہ نصیر کا ترجمہ پہلی روایت کی ترتیب کے وقت داخل کیا گیا ہو ، یہ بات زیادہ ممکن الوقوع معلوم ہوتی

ہے۔ ذکا نے شاہ صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

”از شعرائے اخص ہائے تخت بادشاہ چم جاہ و مصلح اشعار
اکثر شہزادہائے گیتی بناہ در واقفیت محاورۂ اردوئے
معلیٰ و خیال بندی و تلاشِ معنی و استخوان بندیِ الفاظ
و برجستگی و متانتِ کلام بدرِ طولی دارد ، چند نسخہ“
دواوین ازو سرانجام یافت۔“ (ص ۳۴)

اسی کے ساتھ مختلف زمینوں میں ان کے جو اشعار پیش کیے
ہیں ، ان کی تفصیل یہ ہے :

الف (۳۰) ب (۴) ت (۱) خ (۲) د (۴) ذ (۱) ر (۱۱) ز (۶)
س (۲) غ (۱) ف (۲) ک (۱) ل (۳) ن (۳۴) و (۹) ہ (۴)
ص (۵۲) قطعہ ۱ (۲ شعر) رباعیات (۲)۔

تذکرہ بے جگر :

اسی عہد کا تذکرہ ہے ، سنہ ۱۲۲۱ ہجری میں اس کی ابتدائی
روایت ترتیب عمل میں آئی اور کافی زمانے بعد تک اس میں اضافہ کیا
جاتا رہا۔ صاحب تذکرہ خیراتی لال بے جگر نے دوسرے معاصر
تذکرہ نگاروں کی طرح شاہ نصیر کی مشاق و طباعی کی بہت تعریف کی
ہے۔ اس کے ساتھ ان کے خطاب ”ملک الشعرا“ کی طرف بھی اشارہ
کیا ہے۔

”در شاہجہاں آباد سخن بنامش می فاژد . . . بندگان حضور
سلطان اور را مخاطب بہ ملک الشعرا فرمودہ اند ، و الحق
کہ دادِ سخن شناسی دادہ۔“

”عیار الشعرا“ میں بھی ان کے ملک الشعرا ہونے کی بات سامنے آئی ہے
لیکن وہاں انداز دوسرا ہے ، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت

تک وہ اس خطاب سے نہیں نوازے گئے :

”بدین سرمایہ اگر کوس ملک الشعرائی زند بجاست ۔“

جب کہ بے جگر کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ ان کو باقاعدہ طور سے خطاب مل چکا ہے ۔

بے جگر نے ”تذکرۃ طبقات سخن“ مؤلفہ مسیلا (وعشق) میرٹھی کے حوالے سے ان کے سفر میرٹھ اور وہاں قیام کے دوران میں بعض مقامی شعرا کے ساتھ ان کی سخنورانہ چشمک اور جذبہ مسابقت کے زیر اثر سامنے آنے والے کچھ اشعار کا بھی ذکر کیا ہے اور شاہ نصیر کے اشعار کو ان الفاظ کے ساتھ درج ذکرہ کیا ہے :

”ابن ابیات ازاں نصرت یاب معرکہ“ بلند خیالی است ۔“

(ص ۱۹۳)

وداع الفصحی :

یہ مصحفی کا دوسرا تذکرہ ہے ۔ اس کا زمانہ تالیف سنہ ۱۲۳۷ھ اور سنہ ۱۲۲۱ ہجری کے مابین ہے ۔ اس کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ شاہ نصیر کا ترجمہ ان (شاہ نصیر) کے تیسرے سفر لکھنؤ کے بعد داخل کیا گیا ہے ۔ یہ سفر سنہ ۱۲۲۷ھ - ۱۲۳۷ھ ہجری کے درمیان پیش آنا چاہیے :

”در شاہ جہان آباد علم آستادی می فرازد و شریف آن شہر

بحلقہ شاگردیش آمدند و اورا آستاد مسلم الثبوت می دانند

و ملک الشعرا می گویند ۔“ (ص ۲۳۷)

انہوں نے لکھنؤ میں شاہ نصیر کے بعض سخنورانہ معرکوں کا

بھی ذکر کیا ہے مگر یہ ذکر معاصرانہ چشمک سے خالی نہیں ۔

اشعار کی تعداد مختصر ہے ۔

الف (۵) ن (۱) ی (۸)

دستور الفصاحت :

احد علی یکتا کے اس تذکرے میں شاہ نصیر کا ترجمہ قریب قریب اسی عہد سے تعلق رکھتا ہے جس میں ریاض الفصحا کی روایت ترتیب دی گئی ہے ۔ یکتا نے بھی شاہ نصیر کا ذکر معاصرانہ انداز فکر اور سخنورانہ چشمک کے ساتھ کیا ہے اور ایک سے زیادہ جہتے ہوئے جملے لکھے ہیں ۔ گو وہ ان سے اور ان کی معرکہ آرائیوں سے ذاتی واقفیت کے دعوے دار نہیں ، تاہم ایک حد تک وہ ان کے معترف ضرور ہیں ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

”صاحب دیوان است و بدیع گو ، شہرت اوستادیش تمام شہر را فراگرفته ۔“ (ص ۱۱۳)

یکتا نے ایک شعر داخل تذکرہ کیا ہے :

”شعرے کہ راقم را یاد است این ست :

’چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیحوں پر [ردیف ر (۱)] مرتب تذکرہ ہذا مولانا امتیاز علی عرشی نے شاہ نصیر کے سفر لکھنؤ کے سلسلے میں عبدالقادر چیف رام پوری کے روزنامے کا بھی حاشیے میں ذکر کیا ہے جس میں نصیر کی ناموری کا اعتراف کیا گیا ہے اور یہ شعر پیش کیا گیا ہے جو ان کے بیان کے مطابق عالمگیر شہرت رکھتا ہے :

ہشت لب ہر ہے ترے یہ خطرِ وہاں ایسا

اس سلسلے میں مولانا نے مزید لکھا ہے :

”باز بسلسلہ سفر خود بطرف لکھنؤ کہ در سنہ ۱۲۲۹

ہجری (۱۸۱۳ع) دو دادہ می گوید روزے در محل

مشاعرہ کہ دران ایام بختانہ مرزا جعفر می بود ، رقم ۔

مرزا محمد حسن قتیل و مصحفی و میر نصیر دہلوی دران

زمرہ سرکردہ بہ شہاری می آمدند“ (ورق ۳۰ الف ،

دستور الفصاحت ، ص ۱۱۴)

تذکرہ ابن طوفان :

ابن امین اللہ طوفان کے اس مختصر تذکرے میں شاہ نصیر کا ترجمہ بھی فی الجملہ مختصر ہے لیکن ایک معاصر شہادت کی حیثیت سے اس سے صرفِ نظر ممکن نہیں۔ وہ شاہ نصیر کی شاعرانہ شہرت سے واقف ہے اگرچہ خود اس کا اپنا وطن شہرِ دہلی سے بہت دور ہے۔ لکھتا ہے :

”درانِ لواح اعتبار دارد و اکثرے بہ استادی او قابل
الد۔“ (ص ۴)

اس ذکر کے ساتھ اس نے ۷ شعر انتخاب میں دیے ہیں :

ر (۳) ی (۴) -

تذکرے میں یہ شعر نصیر سے منسوب کیا گیا ہے جو دراصل ذوق کا ہے :

ڈسا ہو کالے نے جس کو کافر تو وہ فسوں کے اثر سے کھیلے

دہان و گیسو کا تیرے مارا نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے

گلشنِ بے خار :

یہ تذکرہ ، جس کے مؤلف لواب مصطفیٰ خان شیفہ ہیں ، تیرھویں صدی ہجری کے نصف میں ترتیب دیا گیا۔ صاحبِ تذکرہ کے بیان کے مطابق شاہ نصیر کی مشقِ سخن پر اس وقت تک سائلہ برس بیت چکے تھے اور وہ اپنے زمانے کے مشہور و معروف اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی و خاصہ لرسائی انہیں بے حد عزیز تھی۔ ہر مہینے کی ہندوہوں اور اتیسویں تاریخ

کو وہ اپنے زمانہٴ قیام دہلی میں اپنے مکان پر مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ نواب صاحب کا شاہ نصیر سے ذاتی تعلق بھی تھا۔

”با فقیر تعارف و شناسائی دارد“ (ص ۲۳۰، ۲۳۱ طبع اول

مطبع نول کشور) :

الف (۳) ن (۲) و (۲) ی (۸)۔

طبقاتِ شعرائے ہند :

مولوی کریم الدین نے یہ تذکرہ مسٹر فیاض کے تعاون سے

تقریب دیا تھا۔ اس کا زمانہٴ تالیف سنہ ۱۲۶۰-۶۱ ہجری ہے۔

مؤلفِ تذکرہ، شاہ نصیر سے ذاتی طور پر واقف تھا۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے :

”میں نے نصیر کو دیکھا تھا، رنگ اس کا کالا اور قد

لمبا تھا۔“

اس کے ساتھ جس انداز سے شاہ نصیر کا تعارف کرایا گیا ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس نے ’گلشنِ بیخار‘ سے استفادہ کیا ہے۔

”ساتھ برس تک اس شاعر مشہور نے شعرگوئی کی مشق

کی اکثر شاعروں سے، جہاں گیا مسباحہ اور

مقابلہ کیا۔“

انتخاب میں صرف گیارہ شعر شامل کیے گئے ہیں :

الف (۲) د (۱) ن (۱) و (۱) ی (۶)۔

انتخابِ دواوین :

مولوی امام بخش صہبائی کا یہ انتخابِ اردو شاعری کے بہترین

انتخاب میں سے ہے۔ صہبائی مرحوم نے یہ انتخاب قدیم دہلی کالج

آف ہرنسپل بوترو کی فرمائش پر کیا تھا اور انتخاب کے وقت مختلف

تذکرے اور دواوین صہبائی کے پیش نظر تھے۔ یہ انتخاب ۱۸۳۳-۳۴ ع مطابق ۱۲۶۰ھ میں دہلی سے اشاعت پزیر ہوا تھا۔ شاہ نصیر کے تعارف کے ذیل میں آنے والی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے نصیر کے انتخاب کے سلسلے میں حکیم قدرت اللہ قاسم کے تذکرے کو خصوصیت سے سامنے رکھا تھا اور بعض دوسرے مآخذ بھی پیش نظر تھے۔ صہبائی نے مندرجہ ذیل زمینوں سے ”ال انتخاب اشعار نصیر کا“ پیش کیا ہے۔ (ص ۱۶۵)

الف (۳۱) ب (۱) ت (۳۳) ر (۲۳) ز (۱۲) ط (۱۳)
 ق (۱۳) ل (۱۰) م (۹) ن (۲۳) ۰ (۱۳) ی (۲۸)۔

گلدستہٴ نازلیاں :

مولوی کریم الدین کا یہ تذکرہ دراصل دواوین کا انتخاب ہے جس کا محرک غالباً مولوی امام بخش صہبائی کا انتخاب دواوین ہے۔ جیسا کہ اس سے پیشتر بھی اشارہ کیا جا چکا ہے، صاحبِ تذکرہ شاہ نصیر سے ذاتی طور پر واقف تھا۔ شاہ نصیر کے تعارف کے ضمن میں اس نے لکھا ہے :

”عالمِ حیات میں اپنے تئیں مرزا محمد رفیع سودا اور میر تقی میر پر فائق سمجھتے تھے۔ بہر حال ریختہ گوئی میں دستِ قدرت اچھی رکھتے تھے۔۔۔۔۔ یہ اشعار بطور یادگار تذکرہ حکیم میر قدرت اللہ مرحوم تخلص قاسم سے اور ایک دیوان سے لیے گئے ہیں۔“ (ص ۲۲۱) :

الف (۳۲) ب (۱) ت (۳۲) ر (۱) ف (۱۳) م (۱۸) ن (۲۵) و (۱) ی (۱۶)۔

مزید تین شعر ایسے ہیں جن کی زمین کا تعین نہیں ہو سکا۔

گلستانِ بے خزاں :

حکیم قطب الدین باطن کا یہ تذکرہ ، گلشنِ بے خار کے جواب میں ترتیب دیا گیا ۔ اس کا زمانہ " ترتیب سنہ ۱۲۶۰-۱۲۶۱ھ ہے ۔ اس کی طباعت کی نوٹ بعد میں آئی ۔ مؤلف کے سامنے "گلشنِ بے خار" کی روایت ہے جس کے پیش نظر اس نے یہ لکھا ہے :

"بہت شہروں کی سیر کی ، حیدرآباد مکرر گئی ، برکت سخن اور ذہانتِ طبع سے مشہور شہر شہر دور دور ہوئے ، عرصہ "قلیل گزرا ، ان کا انتقال ہوا ۔"

ان کے ترجمے کے ضمن میں صاحبِ تذکرہ نے صرف سات شعر انتخاب کیے ہیں :

الف (۲) ر (۲) ن (۲) ی (۱) -

آثار الصنادید :

مرسد کی یہ مشہور تالیف اگرچہ کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن اس کی اشاعتِ اول کا ایک باب تذکرۂ اہلِ دہلی سے متعلق ہے ۔ اس میں مختلف شعرا کا ذکر بھی آ گیا ہے ۔ شاہ صاحب کے تعارف کے سلسلے میں بہت سی اہم باتیں کہی گئی ہیں ۔ اس میں ان کے اشعار کی تعداد اور ان کے دیوان کی ترتیب کے سلسلے میں بھی اشارے موجود ہیں ۔

"اشعارِ آبدار اس پیشِ روِ سخنورانِ روزگار کے دو لاکھ سے زائد ہیں ، یہ بے مبالغہ اعتراف ہے ۔ اپنی زندگی میں ترتیبِ دیوان کی طرف توجہ نہ کی ۔ ان کی وفات کے بعد مہاراج سنگھ ایک شطرنج نے کہ ان کا شاگرد ہے ، جس قدر ہاتھ لگا جمع کر کے ترتیب دیا ہے ۔ اس پر

پچاس ساٹھ جزو سے کم نہیں۔ ان کے انتقال کو سات آٹھ برس کا عرصہ ہوتا ہے۔ تعداد اشعار یہ ہے :
الف (۴) د (۱) ن (۲) و (۲) ی (۴) -

چمن بے نظیر :

اس کی حیثیت بھی کسی تذکرے کی نہیں ، ایک مجموعہ شعر و سخن کی سی ہے۔ جس میں ردیف الف سے لے کر ی تک مختلف شعرا کا انتخاب شامل کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ شعر کے مؤلف ابراہیم بن شہاب الدین ہوش ہیں جنہوں نے اس مجموعے کو سنہ ۱۲۶۶ ہجری میں ترتیب دیا تھا۔ شاہ نصیر کے اشعار اس طور پر ہیں :

الف (۱۲) ت (۲۶) م (۸) ن (۲۳) ی (۱۲) -

گلستان سخن :

اس کے مؤلف مرزا قادر بخش صابر ہیں مگر اس کی ترتیب و تالیف میں مولوی امام بخش صہبائی کا بڑا حصہ رہا ہے۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۲۷۰-۷۱ ہجری میں ترتیب دیا گیا۔ صاحب تذکرہ نے شاہ نصیر کا حال کافی تفصیل سے لکھا ہے اور اس ضمن میں اساتذہ دہلی اور سخنوران لکھنؤ کے ساتھ مطابحوں اور مقابلوں کی کہانی بھی بیان کی ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مؤلف تذکرہ کو شاہ نصیر کے معرکوں سے جتنی دلچسپی ہے اتنی ان کے انتخاب سے نہیں۔ چنانچہ اس نے مختلف ردیفوں کے تحت ان کے صرف ۱۸ اشعار نقل کیے ہیں :

الف (۶) ت (۱) ج (۱) د (۱) ر (۱) ن (۳) و (۳) ی (۱) -

گلشنِ ہمیشہ بہار :

اس کا زمانہ تصنیف بھی سنہ ۱۲۷۱ ہجری ہے۔ اس کے مؤلف نصر اللہ خان خویشکی خورجووی ہیں جنہوں نے گلشنِ بے خار کے جواب کے طور پر اسے ترتیب دیا ہے۔ تذکرہ نگار، شاہ نصیر کا ہمت مداح ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

”در شاعری دستگاہے کہ او راست، دیگرے را بدست نہ رسیدہ،
بچار دانگِ ہندوستان آوازۂ سخن وری آن چاہکِ خرام میدان بیان
سرکشیدہ . . . و ہلبلان زبان دان را بہ پروی طرز نوایش قافیہ
تنگ . . . (ص ۳۱۹)۔“

تعدادِ اشعار حسبِ ذیل ہے :

الف (۵) ل (۲) ی (۱۹) قطعے ۱ (۲ شعر)۔

سخنِ شعرا :

عبدالغفور نساخ کا یہ تذکرہ سنہ ۱۲۹۶ ہجری میں شائع ہوا۔ ان کا بیان ہے کہ ان کا دیوان نظر سے گزرا۔ اس سے مراد غالباً کوئی قلمی نسخہ ہے۔ نساخ نے بھی دوسرے تذکرہ نگاروں کی طرح ان کے استادانہ الدافِ شعر گوئی کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے :

”مضامین عالی و تازہ خوب باندھتے تھے، سنگلاخ اور مشکل زمینوں میں ان سے بہتر کہنے والا پیدا نہیں ہوا۔“

اس تذکرے میں ان کا انتخاب حسبِ ذیل ہے :

الف (۳۱) ب (۱) ت (۴) ج (۲) د (۲) ر (۱۰) ز (۱) س

(۱) ش (۲) ص (۲) ض (۲)۔

خزینۃ العلوم :

یہ تذکرہ بھی پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں ترتیب

ہائے والے تذکروں میں سے ہے۔ مؤلف تذکرہ نے شاہ نصیر کے بارے میں ایک سے زیادہ تذکروں سے معلومات اخذ کی ہیں۔ اسی کے ساتھ بعض باقیں الہی شاہ نصیر کے نواسے شاہ بہاء الدین عرف عبداللہ شاہ سے بھی معلوم ہوئیں۔ اس سلسلے میں اس نے شاہ نصیر کی زود نگاری سے متعلق ایک روایت بھی نقل کی ہے :

”ایک روز کا ذکر ہے کہ کسی رئیس نے ایک مصرع بھجوا دیا اور کہلایا کہ شام سے پہلے سواری کے وقت تک ان میں ساٹھ غزلیں موجود ہونی چاہئیں۔ آپ کھانا کھا کر حقہ پینے کو بیٹھے اور پندرہ شاگردوں کو کاغذ اور قلم و دوات دے کر فرمایا کہ ”لکھتے جاؤ“ دوپہر تک کے عرصے میں ساٹھ غزلیں مہزون فرمادیں۔“ (ص ۲۰۹)

شعروں کا انتخاب یہ ہے :

الف (م) د (م) ر (م) ن (۱) ی (۵)۔

بزمِ سخن :

اس تذکرے کے مؤلف سید علی حسن خاں ہیں اور اس کا زمانہ قالیف پھلی صدی ہجری کی آخری دہائی سے تعلق رکھتا ہے۔ (سنہ ۱۲۹۷ ہجری) مؤلف تذکرہ شاہ نصیر کی استادانہ حیثیت کا معترف ہے اور لکھتا ہے :

”از استادانِ گرامی بودہ است ، مضامینِ عالی می آرد
... دیوانے گذاشت۔“

اس نے ردیف الف کے تحت شاہ صاحب کے صرف دو شعر منتخب کیے ہیں : الف (۲)۔

آبِ حیات :

شعراے اردو کا یہ مشہور و معروف تذکرہ (جسے شاہی ہند

میں اردو شاعری کی ایک مربوط تاریخ کہنا کچھ زیادہ نامناسب نہیں ہے) مولانا محمد حسین آزاد کی تالیف ہے۔ مولانا، ذوق کے شاگرد تھے اور خود ذوق، شاہ نصیر کے شاگرد رہے تھے۔ اس تذکرے میں مولانا کی سیرت و سوانح سے متعلق کافی تفصیلات ملتی ہیں۔ شاہ نصیر کے زورِ طبع اور کثرتِ فکر کے مولانا بھی معترف ہیں اور اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”شعر کہنے سے کبھی نہ تھکتے تھے اور کلام کی چستی میں سستی نہ آتی تھی۔ طبع سوزوں گویا ایک درخت تھا کہ جب اس کی ٹہنی ہلاؤ، فوراً پھل جھڑ پڑیں گے۔“
مولانا نے شعروں کے انتخاب کی بجائے کچھ غزلوں کو بطور نمونہ پیش کیا ہے جن میں اشعار کی تعداد یہ ہے :

الف (۲۸) ص (۳۳) ن (۳۰) ی (۱۲) -

طورِ کلی :

بہوپال کے مشہور تذکروں میں سے ہے۔ سید نور الحسن خان اس کے مؤلف ہیں۔ اس کا زمانہ تالیف بھی پچھلی صدی ہجری کی آخری دہائی یعنی سنہ ۱۲۹۶ ہجری ہے۔ مؤلف نے شاہ صاحب کے سخنورانہ کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

”از مشاہیر سخنوران است، در زمین ہائے سنگلاخ طرح می کرد۔“

انتخابِ کلام صرف پانچ شعروں پر مشتمل ہے :

الف (۱) و (۱) ی (۳) -

غزلیات

ردیف الف

۱

ہم نے وصفِ گوہرِ عرفان کو جب لکھنا کیا
 موج سے مسطر کشیدہ صفحہ دریا کیا
 ہو گیا احمدؑ ہی اپنی میرِ مظهر سے احد
 اس میں کچھ پردا نہیں ہے نام کا پردا کیا
 عینِ علمِ حق نظر آیا اے عینِ علیؑ
 صورتِ آئینہ جس نے چشمِ دل کو وا کیا
 دستِ قدرت ہے مری نظروں میں ذاتِ پنجتن
 بے سبب اللہ نے ان کو نہیں یکجا کیا
 شش جہت کی کس سے ہو رونقِ بجز بارہ امام
 آپ حق نے سب کو مالکِ دین و دنیا کا کیا
 شمعِ ایوانِ خدا ہیں چارہ معصوم پاک
 جن سے ان چودہ طبق کو روشن اور آجلا کیا
 زاہدا ان میں نہ کیوں ہو جلوۂ نور خدا
 خود نمائی کے لیے اس نے انہیں پیدا کیا
 سینہ کوہی ، دل خراشی ، گریہ و آہ و فغان
 ہم نے عشقِ پنجتن میں دیکھنا کیا کیا کیا

ردیف الف

۱

ہم نے وصفِ گوہرِ عرفاں کو جب لکھنا کیا
 موج سے مسطر کشیدہ صفحہ دریا کیا
 ہو گیا احمدؑ ہی اپنی میرِ مظہر سے اہد
 اس میں کچھ پردا نہیں ہے نام کا پردا کیا
 عینِ علمِ حق نظر آیا اے عینِ علیؑ
 صورتِ آئینہ جس نے چشمِ دل کو وا کیا
 دستِ قدرت ہے مری نظروں میں ذاتِ پنجتن
 بے سبب اللہ نے ان کو نہیں پکجا کیا
 شش جہت کی کس سے ہو رونق بجز بارہ امام
 آپ حق نے سب کو مالکِ دین و دنیا کا کیا
 شمعِ ایوانِ خدا ہیں چارہ معصوم پاک
 جن سے ان چودہ طبق کو روشن اور آجلا کیا
 زاہدا ان میں نہ کیوں ہو جلوۂ نورِ خدا
 خود نمائی کے لیے اس نے انہیں پیدا کیا
 سینہ کوئی ، دل خراشی ، گریہ و آہ و فغاں
 ہم نے عشقِ پنجتن میں دیکھنا کیا کیا کیا

قطعہ

چار بارِ باصفا حق کی کتابیں چار ہیں
 آپ جن کو منشیؒ تقدیر نے انشا کیا
 یعنی بوہکرؒ و عمرؒ، عثمانؒ و حیدرؒ بالیقین
 جن کو چار ارکانِ دینِ پاک ہے مولیٰ کیا
 صورتِ اربع عناصر تھا ہم چاروں میں ربط
 رُبعِ مسکون میں انہوں نے دین کو احیا کیا

قطعہ

پنج انگشتِ بدِ اللہ ہیں جنابِ پنجتن
 وصف ان کا کاتبِ قدرت نے جو اسلا کیا
 صفحہؒ قرطاس نورِ انشانِ بدِ بیضا بنا
 یک قلمِ خاصے کو انگشتِ بدِ بیضا کیا
 زیبِ دیوان کیوں نہ ہوہر بیت اس کی اے نصیر
 اس غزل کو شانِ اہلِ بیتؑ میں انشا کیا

۲

دل اس کے سایہؒ غلِ مژہ میں اونگ گیا
 نگہ کا سانپ مسافر کو آہ سونگ گیا
 شمعِ کا کلِ مشکیں سے شب جو اونگ گیا
 تو آپ کہنے لگے اس کو سانپ سونگ گیا
 ابھی تو چشم سے جاری ہیں اشکِ زہرِ آلود
 یہ عشق کب مری چھاتی بہ دل کے سونگ گیا

جہاں میں اس فلکِ گرسنہ سے کیا مانگیں
یہ آپ دانہ، اخترِ تمام ٹھونک گیا
نصیر حیف کہ ہوتے ہی صبح پوری کی
شبِ شباب کا جاگا ہوا تھا، اونگ گیا
کٹے کی دیکھیے تنہا یہ کس طرح منزل
ہر اک رفیق تو گاڑی کو اپنے اونگ گیا (کذا)

۳

ہنسی سے ان کو دریا میں لگا بیٹھے جو ہم چھینٹا
تو منہ پر ہاتھ رکھ بولے کہ لکنا ہے ستم چھینٹا
ہمیں ٹو ہا کے سوتا شب کو دیوے اے صنم چھینٹا
بناوٹ کی لکاوٹ کا سمجھتے ہیں یہ ہم چھینٹا
تنورِ چرخ میں ہو سرخ قرصِ خور لہ اب کیونکر
کہ شیرِ کاسہ سے دیا ہے صبح دم چھینٹا
تپِ غم سے بھر آس کے جوش میں اپنی رگ جاں ہے
شتاب اب دستِ مرگاہ سے آئے دے چشمِ لم چھینٹا
نہال اب باغِ گیتی میں ہے تیرے فیض سے عالم
کی بھی تو ہاں ادھر بھی کوئی اے ابرِ کرم چھینٹا
عرقِ افشاں ہیں یہ زلفیں ترے رخ پر کہ دیتی ہیں
گلِ عارض کی تیری نازکی کو دم بہ دم چھینٹا
مجھے سایہ ہے اس رشکِ پری کا دیکھ اے ہمدم !
نہ دے ہانی کا بردم ”سورۃ جن“ کر کے دم چھینٹا
نصیر از بسکہ ہے اُپر درد یکسر خاندہ گردوں
ہمیں روتا نہ سمجھو غم کو یہ دیتے ہیں ہم چھینٹا

فلک پہ دیکھ مرے دودِ آہ کا ٹکڑا
 کھٹا ہے شرم سے ابرِ سیاہ کا ٹکڑا
 نہ بردم اس کو چٹا سنگِ سرمہ اے قاتل
 اصیل ہے تیری تیغِ نگاہ کا ٹکڑا
 کوئی بھی لغتِ چکرِ اشک کے نہ نکلا ساتھ
 اٹھا جہان سے ایسا سیاہ کا ٹکڑا
 میں کشتہ اس کے خطرِ سبز کا ہوں ، رکھ دینا
 مرے مزار پہ اک برگِ کاہ کا ٹکڑا
 جنوں کے ہاتھ سے یارب کدھر نکل جاؤں
 لکے ہے اڑ کے ہر اک سنگِ راہ کا ٹکڑا
 فلک کو پیٹ دکھائے بھلا نہ کیونکہ ہلال
 لیا ہے چھین جو اس دادِ خواہ کا ٹکڑا
 میں اپنے یار کو یوسف سے کیونکہ دوں تشبیہ
 کہ یہ ہے مہرِ لقا ، وہ ہے ماہ کا ٹکڑا
 نہ تیغِ موج سے دریاِ حباب کو دھمکا
 کہ سر کے ساتھ ہے اس کے کلاہ کا ٹکڑا
 نصیرِ چہرہ روشن پہ اس کے زلف نہیں
 یہ چاند پر ہے اک ابرِ سیاہ کا ٹکڑا

ہوا بالدھ ہے برقِ آہ تو بھی اس کو ہاں چمکا
 سمندرِ ناز کو کھڑا لگا کیسے ہر خم کا

عجب عالم ہے چشمِ یار پر ابروئے 'ہر خم کا
کہ ناخن جاے شاخِ آہو کے سر پر ہے یہ ضیفم کا
بندھے کیا بندِ مژگان سے سوشک اس چشمِ 'ہر خم کا
خس و خاشاک سترِ راہ ہو سکتا نہیں ہم کا
نہیں ہے یار ساقِ لطف ہے ہوشی کے عالم کا
خطِ جام مٹے گل رنگ یاں حلقہ ہے ماتم کا
فروماہ کی ہو خاکِ آبرو ذی ندر کے آگے
'درِ شہوار کو قطرہ کہاں پہنچے ہے شبم کا
مرا ہے شیشہ دل وہ ہری خانہ ، صفا کیشوا
نہ آئینہ سکندر کا ، نہ پہنچے جامِ آسے جسم کا
لکا کر ہاتھ بھر عشق میں جوں موجِ کالیوں ہوں
الٹھی ! آبرو رکھنا ، بیروسہ یاں نہیں دم کا
تصور چشم میں کیونکر نہ چشمِ یار کا باندھوں
لپٹنا میں نے دیکھا ہے ہم بادامِ توام کا
لکا دے داغِ دل پر اے فلک مٹ جائے تا سوزش
نہیں ہے یہ نمر کافور کا بھایا ہے مرہم کا
سپر رکھتا ہوں میں بھی آفتابی ساغرِ مے کی
مجھے اے ابرا ! تیغِ برق کو چمکا کے مت دھمکا
چمن میں دیکھتے ہی بڑ گئی کچھ اوس غنچوں پر
ترے ہستان یہ عالم ہے عجب شبم کے محرم کا
نمودِ موجِ اشکِ چشمِ تراں سے نہ کیونکر ہو
'علم ہے لالہ' شب گیر میرے لشکرِ غم کا
غلط فہمی ہے دینا غنچہ و گل برگ سے نسبت
نگینِ نعل وہ لب ہے ، دینِ حلقہ ہے خاتم کا

قطرہ

قیامت ہیں بتانِ جنگِ جویانِ فرنگستان
 جنہوں کے ہاتھ سے دمِ ناک میں ہے ایک عالم کا
 صفِ مژگان ہے اور جوڑے میں سر کرنے ہیں ملکِ دل
 نہ کچھ درکار پلٹن ہے ، نہ گولہ چاہیے ہم کا
 ہوسِ دل سے اٹھا دے کیمیا کی ، خاکساری کر
 جہاں میں ہے یہی نسخہ نصیر اکسیرِ اعظم کا

۶

میں نے بٹھلا کے جو پاس آس کو کھلایا بیڑا
 قتل پر میرے رقیبوں نے اٹھایا بیڑا
 مشعلِ تا بہ فلک آتش پُر دود ہوئی
 نمل کے جس وقت مٹی تم نے چبایا بیڑا
 سرخرو ہو کے یہ کس منہ سے تو اب بولے ہے
 میں نے کس روز ترے ہاتھ سے پایا بیڑا
 میری اور آپ کی مجلس میں بکڑ جائے گی
 تم نے دہنے کو کسی کے جو بنایا بیڑا
 سبز بھتی کہوں کیا اپنی کہ وہ جان گیا
 بڑھ کے افسوں میں کھلانے کو جو لایا بیڑا
 لال کر دوں گا ابھی بزم میں منہ کیتوں کے
 ہاتھ سے تو نے کسی کو جو کھلایا بیڑا
 اے نصیر اس کے گلے کا ہوں نہ میں کیونکر ہار
 آج کل رو نے مجھے دیکھ چمکایا بیڑا

ہشت لب ہر ہے ترے یہ خطِ رحمان ایسا
 منہ تو دیکھو لکھے پافوت رقم خاں ایسا
 چاکِ دل کو نہ ہو پھر تارِ نظر کی حاجت
 کھجیو اس کو رفو سوزنِ مژگان ایسا
 روبرو جس کے سیہ خیمہ لیلی ہو گرد
 تربتِ قیس یہ تھا دودِ چراغان ایسا
 آہ جب دل سے نکلتی ہے تو گرتے ہیں اشک
 نخل دیکھا نہ کوئی تشنہ باران ایسا
 بیچ اس زلفِ چاہا نے دیا ہے ورلہ
 حالِ دل کا ہے کو تھا آگے پریشان ایسا
 دم بدم چھوٹے ہے فوارہ خوں مژگان سے
 دل میں ڈوبا ہے ترے تیر کا ہرکان ایسا
 جیسے ظلمات میں ہے چشمہ حیوان کی جھلک
 چمکے ہے رنگِ مسی سے لبِ جانان ایسا
 اس کی ابرو یہ ذرا مندرِ نظر کھجو نصیر
 کیا ہلالی کا ہے مطلع سر دیوان ایسا

کورات گلے لگ کے جو ہم خواب نہ ٹھیرا
 تا صبح بغل میں دلِ یثاب نہ ٹھیرا
 اس رخ پہ عرقِ بن کے 'در تاب نہ ٹھیرا'
 اختر کوئی خورشید کے ہم تاب نہ ٹھیرا

چمکا جو تہ زلف ترے کان کا موق
 خجلت سے چراغِ شبِ مہتاب نہ ٹھیرا
 اک پل میں جھڑی ابرِ تنک ماہِ فی شیخی
 دیکھا جو مرا دیدہ ہر آب ، نہ ٹھیرا
 تیغِ ابرو سے قاتل کی علم دیکھ دمِ صبح
 رکھ منہ پہ سپرِ مہرِ جہاں تاب نہ ٹھیرا
 محرابِ دو ابرو دلِ مضطر کو دکھا دے
 یہ قبیلہ کما ہے اسے سیلاب نہ ٹھیرا
 ہنسنے میں کھلے اس کے جو دندانِ مسی زب
 نظروں میں مری کرمکِ شبِ تاب نہ ٹھیرا
 گو منہ پہ ہے اشکوں کے مڑے سترِ سکندر
 ہر روکے سے خاشاک کے سیلاب نہ ٹھیرا
 قطعہ

اے ہادرِ صبا خوب ہوا یہ کہ دمِ صبح
 گلشن میں وہ رشکِ گلِ مہتاب نہ ٹھیرا
 خجلت زدہ اورنگِ ہوا فندقِ پا سے
 لب دیکھ کے رنگِ رخِ عتاب نہ ٹھیرا
 اس بحر و قناتی میں نصیر اور غزل لکھ
 تو ہاتھ کو اے عاشقِ بے تاب نہ ٹھیرا

۹

اشکوں کا شبِ ہجر میں سیلاب نہ ٹھیرا
 گردابِ صفت کب مرے گیرد آب نہ ٹھیرا

جب یار سے ملنے کا کچھ ایسا ب نہ ٹھہرا
 ہو جان سے رخصت دلِ بے تاب نہ ٹھہرا
 تجھ یں دلِ مضطر کی یہ حالت ہے جسے دیکھ
 غش کھا کے تو بھلی گری ، سیاب نہ ٹھہرا
 ہم رشکِ چمن غنچہ دامن کو بناتے
 آنکھوں میں ولے لطرہ خون تاب نہ ٹھہرا
 آیا نہ کیہو بسترِ غفل یہ اسے خواب
 تو خواب میں بھی جس سے کہ ہم خواب نہ ٹھہرا
 گلشن میں تجھے دیکھ کے شب اے میرے مہر
 دل محور چار کمرِ مہتاب نہ ٹھہرا
 سرمایہ آشفگیِ خلق ہے بکسر
 دل دیکھ کے وہ طرہ پر تاب نہ ٹھہرا
 گردش سے تری چشمِ مفتن کی زمیں پر
 کیا چرخِ فلک صورتِ دولاب نہ ٹھہرا

قطعہ

تو رقص کتنا شب کو جو ہر کالہ آتش
 جوں شعلہٴ جہانہ لبِ آب نہ ٹھہرا
 میں کیا کہوں ہر دیکھ کے دامن کا ترے دور
 چکر میں رہا حلقہٴ گرداب نہ ٹھہرا
 جوں موجِ نصیر ہاتھ لگا تجھ میں جو دم ہے
 دریائے محبت کو تو پایاب نہ ٹھہرا

قفس میں ایسے میں کم بخت دن اسیر ہوا
 کہ ہم قفس کوئی میرا نہ ہم صغیر ہوا
 قیامت آپ کا قد اس کے دل پذیر ہوا
 چھڑی لے سرو چمن بے نوا فقیر ہوا
 کہاں و تبر ربط تھا مجھے اس سے
 جب اس نے آپ کو کھینچا میں گوشہ گیر ہوا
 نہ بوجھ کل ترے ابرو سے کر کے ہم چشمی
 بلالِ عبد بھی گردوں پہ جوہر حفر ہوا
 فلک نے سہم کے بھی یہ نہ سرکشی چھوڑی
 اگرچہ ناک میں بھی کہکشاں کا ثیر ہوا
 بسانِ نقشِ قدم خاک میں ملے ہیماں
 جہاں میں ہر کوئی اپنا نہ دستگیر ہوا
 نہیں ہے کچھ سرمو فرق بات میں اس کی
 دل اس کی مانگ میں پاں تک رہا کہ پیر ہوا
 مثل سنی ہے کہ ہوتے لکیر پر ہیں فقیر
 سو اس لکیر پہ پاں یہ بھی اب فقیر ہوا
 نصیر کیوں نہ ہو تو بادشاہِ ملکِ سخن
 کہ اس عزل کو تری سن کے دنگ میر ہوا

سرزمینِ زلف میں کیا دل ٹھکانے لک گیا
 اک مسافر تھا، سر منزل ٹھکانے لک گیا

گلشنِ ہستی نہیں جائے شکفتن اے صبا
 دیکھ جو غنچہ کیا یاں کپھل ٹھکانے لگ گیا
 آبرو رکھ لی خدا نے اس کی ہم چشموں میں آہ
 تیغِ ابرو کا تری گھاپل ٹھکانے لگ گیا
 فرصتِ یک دم پہ پُھولا تھا حبابِ آبِ جو
 تھا جو نقشِ صفحہٴ باطل ، ٹھکانے لگ گیا
 جانِ شیریں دی ترے عاشق نے بھی جوں کوہ کن
 سر سے اپنے مار کر اکِ سل ٹھکانے لگ گیا
 رکھ قدم ہشیار ہو کر عشق کی منزل میں آہ
 جو ہوا اس راہ میں لٹا لٹا ، ٹھکانے لگ گیا
 چھاؤں میں نخلِ مرہ کی لوٹتا ہے طفلِ اشک
 خاک میں یا رفتہ رفتہ مل ، ٹھکانے لگ گیا
 آشنا کوئی نہ دیکھا غرقِ بحرِ عشق کا
 ایک دم میں جو تہِ ساحل ٹھکانے لگ گیا
 بے کلی کیونکر نہ ہووے اُس کی فرقت میں نصیر
 عشق میں اُس گل بدن کے دل ٹھکانے لگ گیا

ہنس کے کیا دلداں کو تو نے عشوہ کر دکھلا دیا
 برق میں تارے دکھا اپنا ہنر دکھلا دیا
 اُس کو دل کی آہ نے میری اثر دکھلا دیا
 تھا تو نخلِ سوختہ لیکن کمر دکھلا دیا
 تو نے ہنس ہنس کر تماشا، طرفہ تر دکھلا دیا
 ہستیِ فانی کو اک دم میں شرر دکھلا دیا

چین سے رہتے ہیں کب سرگشتہ روزِ ازل
 مردمانِ چشم نے گھر میں سفر دکھلا دیا
 رفتہ رفتہ ہاؤں تک پہنچا تھا واں دزدِ حنا
 ہم نے ہاتھوں ہاتھ لیکن ہالندہ کر دکھلا دیا
 کیوں کہ دل ہوتا غریبی حلقہ گردابِ ناف
 آشنا تھا، چشم نے اُس کو بھنور دکھلا دیا
 سراغِ دل کے اُڑ گئے ہوش آہ جب صیاد نے
 ذبح کر اک طائرِ بے بال و پر دکھلا دیا
 ہم نہ تھے رشتے سے کچھ ملکِ عدم کے آشنا
 اے میاں! تو نے دکھا اپنی گھر، دکھلا دیا
 کیوں نہ ہو معجز نما تب خالہ لبِ یار کا
 معدنِ باتوں رشتاں میں گھر دکھلا دیا
 طفلِ صیاد آج... پھر تیری بسمِ اللہ ہے
 وقصِ بسمِ زور تو نے خاک پر دکھلا دیا
 اے بتِ نو خط ہم ایسے کیا گنہ گاروں میں تھے
 نامہ ہر کو خط جو قینچی سے کتر دکھلا دیا
 دل تو کام آیا ترے کوچے میں جا کر دیکھ لے
 تھا جگر باقی سو سینہ چاک کر دکھلا دیا
 اور کیا اے مدعیِ جان ہے تیرا مدعا
 (گور پر مردے) کی تھا زلزلے کا گھر، دکھلا دیا
 بدلے چشم و لب کے اک پردہ نشیں نے صبح دم
 کیا نصیبِ خسہ دل کو آن کر دکھلا دیا
 بھول نرگس کا دکھایا چاکِ در سے جائے چشم
 لب کے بدلے لے کے اک گلِ برگِ تر دکھلا دیا

دیکھنے جب اپنی صورت وہ ہری پیکر لگا
 بن گیا آئینہ جوگی ، منہ کو خاکستر لگا
 چشمِ نقشِ رہا سے ہیں ہامال حسرت دیکھیے
 گوشہٴ دامن کو اپنے اور بھی ٹھوکر لگا
 دیر کیوں کرتا ہے پھر کیا جالیے کس کا ہو دور
 ساقیا ! لب سے ہارے تو لبِ ساغر لگا
 خط کے آنے سے پڑا ہے شور ملکِ حسن میں
 دان کر سورج کہن کہتے ہیں اے دلبر لگا
 دیکھیے یہ جانفشانی کیا دکھائے گی ہمیں
 تیرے منہ سے تو لہو ہے وجہ چشمِ تر لگا
 کس طرح لغزش ہو پائے استقامت کو مرے
 شمع ساں محفل میں تیری ہے قدم سر سے لگا
 مثلِ نقشِ رہا جہاں ممکن نہیں ہے بیٹھنا
 اے مسافر آٹھ کہیں اور دوش سے بستر لگا
 غلِ قامت نے تری دولت پہ بھل پایا جنوں
 جس طرف نکلا آدھر سے اک نہ اک پتھر لگا
 شاخِ گل چھیڑی ہے کس نے کیوں قلم کرتا ہے ہاتھ
 دیدہ و دانستہ اب بہان مت ہم پر لگا
 آپ سے آئے نہیں ہم سیر کرنے باغبان
 لانی ہے بادِ صبا گلشن میں لپٹا کر لگا
 انتظارِ قاصدِ کم گشتہ نے مارا نصیر
 کس طرح اڑ جائیے کوچے میں اس کے پر لگا

لسانہ کر کروں اظہار اپنی شامِ غربت کا
 گریباں کا بدامن چاک ہو صبحِ قیامت کا
 نہیں جھٹتا ہے داغِ معصیتِ اشکِ لداوت سے
 کہ ہر شست و شو ہوں منتظر بارانِ رحمت کا
 نہیں ہے مرقہِ عاشق بہ حاجتِ شمعِ گریباں کی
 چراغِ چشمِ آہو ہے دیا مجنوں کی تربت کا
 کٹاری کیوں نہ برگِ تاکِ کھینچے سرو ہر ہر دم
 چمن میں کام کیا ہے ساقیا انگشتِ حسرت کا
 لبِ دریا بہ ستنے میں نہ آیا ماء کا شہرا
 سحرِ مذکور تھا جو شمعِ رو تیری شراوت کا
 مرے آئینہٴ دل میں ہے تو اے شاہدِ معنی
 نظر آتا نہیں مجھ کو تو کوئی تیری صورت کا
 کہے تھی شمع پروانے سے عمل میں یہ رو رو کر
 چلا آتا ہے اے دل سوز سر ہر وقتِ رخصت کا
 سحرکہ قتل گاہِ عاشقان میں آہ اے ہم دم
 زبانِ تیغ پر مذکور تھا کسی کی شہادت کا
 نہیں ہوئے وفا ان گلِ رخنوں میں نام کو یارب ا
 گلستانِ جہاں سے اڑ گیا ہے رنگِ الفت کا
 خمِ ابروے جانان میں نہ ہم سجدہ کریں کیونکر
 نمونہ فی الحقیقت ہے وہ عرابِ عبادت کا
 مزارِ بے کساں پر اے نصیرِ خستہ جاں شب کو
 چڑھایا آسماں نے شامیانہ ابرِ رحمت کا

زندگی ہوتی نہیں، سرا مقرر ہو چکا
 کیا امید اس کام کی جو کام ابتر ہو چکا
 گر نہیں تاثیر کچھ تجھ میں تو او رہے اثر
 اس بت کافر کے دل میں اب سرا گھر ہو چکا
 بجر میں ہی ایک دن ہو جائے گا اپنا وصال
 ہم کو سوچھے ہے عزیز و وصلِ دلبر ہو چکا
 اشک خونی اور ہی کچھ رنگ دکھلانا ہے اب
 کام میرا تو تمام اے دیدہ تر ہو چکا
 دیکھے ہوگی صفائی کیوں کہ اے آئینہ رو
 تیرے ہاتھوں سے تو دل اپنا مکدر ہو چکا
 سامنے میرے اگر وہ ہو تو دکھلاؤں اے
 یک قلم یارو سیاہ اشکوں کا دفتر ہو چکا
 کیا کہوں فرقت میں اس کی مثل گل سینہ نصیر
 نشترِ خارِ الم سے چاک یکسر ہو چکا

ہارے یہ جبین کو شوق ہے زلفیں بنانے کا
 فلک! "تو پنچہ" خورشید سے لے کام شانے کا
 ملا کیا حضرتِ آدم کو بھل جنت سے آنے کا
 نہ کیوں اس غم سے سینہ چاک ہو گندم کے دانے کا
 کروں ہوں قصہ ہاتھ اس زلف کو جب میں لگانے کا
 تو دل کہتا ہے، ہے یہ کام منہ پر مار کھانے کا

یہ کیا ہے کہکشاں اس کو نہیں کوئی بتانے کا
 نشان ہے پشتِ شبدیزِ فلک پر نازوانے کا
 دلِ مجروح کو دکھلا نہ تابِ چہرہ روشن
 کہ زخمی کو مضر ہے چاندنی کے مار جانے کا
 نہیں سامنے کی کچھ حاجت یہ کاروں کے مرقد پر
 کرے ہے ابرِ رحمت کام دیکھو شامیانے کا
 دلاؤ یاد اس چشمِ مفتن کی نہ ہم چشمو
 نہیں میں فتنہ خواہیدہ کو ہرگز جگانے کا
 وہ ہے معجز نما کیسو میں عکسِ تاب رو تیرا
 بدرِ یضا سے ہمسر بن گیا ہے ہاتِ شانے کا
 وہ آئینے میں کیا عکسِ رخِ گنار دیکھے ہے
 ہنر ہے یاد اس کو آگِ ہانی میں لگانے کا
 نہیں رکھتی ہے یہ فکرِ معیشت کس کو گردش میں
 کہ سنگِ آسا بھی ہے سدا محتاج دانے کا
 دکھانا ہے تو دکھلا ہام پر تک جلوۂ صورت
 قیامت کو نہیں کوئی کسی کے کام آنے کا
 نصیر اس بحر میں اب دوسری لکھ کر غزل پڑھیے
 تمہارا کام ہے مضمونِ نو کے باندہ لانے کا

نہ ہوجھ اب ماجرا مجھ سے (نو) کچھ آنسو جانے کا
 کہ اے خورشیدروا ہا ہا مزا آنکھیں لڑانے کا
 نہ لے گا وہ بستی ہوش یارو نام آنے کا
 پتھلی پر نہیں سروسوں کوئی جب تک جانے کا

کرے اُس زلفِ ہر خم میں نہ دل کیوں عزم جانے کا
 کہ طائرِ شام کو لہنا ہے رستہ آشیانے کا
 یہ چرخِ نیلگون اک خالہ ہر دود ہے یارو
 نہ بوجھو باجرا کچھ چشم سے آنسو بہانے کا
 خمِ ابرو میں اُس کے مت خدنگ آہ چھوڑ اے دل
 لگانا منع ہے محرابِ مسجد میں نشانے کا
 تبتائے وصالِ یار میں جیتے ہیں ہم یارو
 بھروسہ ورنہ ایسا کس کو ہے یان دم کے آنے کا
 خدا سے ڈر، لگا مت لات اُس پر اے بتِ کافر
 یہ دل کعبہ ہے کیوں کرتا ہے تو عزم اس کے ڈھانے کا
 ہوئی ہے شوقِ بابوسی میں مجھ کو سل کی بیماری
 بنایا کیوں نہ یارب اُس کے پتھر آستانے کا
 قطعہ

مہ و خورشیدِ تجھ سے روکشی دن رات کرتے ہیں
 نہیں باز آئیں گے جب لک نہیں کوئی جتانے کا
 مجھے سوچھے ہے آخر ہاتھ دھو بیٹھیں گے آنکھوں سے
 پڑا ہے بے طرح جسکا انہیں آنکھیں لڑانے کا
 شرارت اس قدر کرتی ہے کیوں دل سوز سے اپنے
 کوئی عاشق نہیں یوں رشتہ الفت جتانے کا
 ہوا خواہوں میں تیرے کون ہے اے شمع! محفل میں
 ہر پروانہ کو ڈھب یاد ہے ہنکھا ہلانے کا
 غزل پڑھ تیسری بھی اے نصیر اب بزمِ باراں میں
 یہی تو وقت ہے اپنی زباں دانی دکھانے کا

لیا اک رنگ تیرے ہاتھ آیا ہے بہانے کا
 ہوا معلوم باعث ہاتھ میں سہندی لگانے کا
 تمہیں تو شوق ہے خالِ سرِ ابرو بنانے کا
 ہمیں ہے شاخِ آہو کے اجنبیا ہار لانے کا
 سنیں کیوں کر جفا پیشوں سے ہم شکوہ زمانے کا
 گہر رکھتا ہے اپنے ساتھ ساماں آب و دانے کا
 نہیں تجھ ما پری وش دیکھنے میں کوئی آنے کا
 کمر ہے مور تیری، تو سلیاں ہے زمانے کا
 سحر اے رشکِ مد! لے اس سے تو کارِ مگس رانی
 سلیقہ ہے شعاعِ مہر کو چوری ہلانے کا
 تمہارے آگے دم مارے کوئی کیا اے ستم گارو!
 کسے مندور ہے شیروں کے آگے نے بجانے کا
 جبینِ مد و شاں سے دیکھ قصدِ ہمسری مت کر
 ارادہ اے فلک کر تو زمیں میں اب سہانے کا
 عبث تاجِ زر آلودہ بہ تو اے شمع نازاں ہے
 کرے ہے کام یہ بختوں جلی خود سرکھٹانے کا

قطعہ

سمجھ ٹک دل میں اے منعم یہ دلیا جائے عبرت ہے
 حباب آسا نہیں اس فرصتِ یک دم کو ہانے کا
 یہ تیرا اوج جوں فتوارہ چاہے ہے لگوں ماری
 زمانہ ہی نہیں غافل جہاں میں سر اٹھانے کا

نصیر اک دن جو میں نے خادمانِ عشق سے پوچھا
 سبب سرورِ چمن پر کیا ہے قمری کو بٹھانے کا
 تو وہ بولے کہ طوق اس نے نہیں بے وجہ پہنا ہے
 یہ عاشق ہے ، اسے ہے حکم سولی پر چڑھانے کا
 نہیں اے ہم نشینو تو تیا باندھا ہے کچھ میں نے
 ہم چشمِ غور دیکھو ٹک سبب یہ ہے دکھانے کا
 ہنالہ ہے قریبِ چشم وہ سرے کا دنیالہ
 کوئی ابلق سوار آ کر نہیں لیزہ ہلانے کا

۱۹

کرے اُس کوچے سے چلنے کی کیا تدبیر دل میرا
 کہ موجِ اشک سے ہے ہائے در زنجیر دل میرا
 زمیں پر اُس کو دے پٹکا ہے طفلِ اشک کو دیکھو
 ہوا ہے آج جو مڑکاں کا دامن گیر دل میرا
 بیانِ سوزِ غم اس صفحہٴ گردوں پہ اے ہمد
 سدا کرتا ہے کلکِ آہ سے تھریر دل میرا
 نہیں اس دور میں ڈر سا قبا سنگِ حوادث کا
 بغل میں ہے برنگِ شیشہٴ تصویر دل میرا
 کوئی سوچا ہے اپنے قتل کا مضمون آئے قاتل
 پڑھے ہے دم بدم جو مصرعِ شمشیر دل میرا
 رکھے ہے منہ میں یہ انگشتِ حیرت اے کہاں ابرو
 گیا ہے سہم کچھ ، کھا کر یہ تیرا تیر دل میرا

جہاں میں زندگانی کو یہ اپنی بیچ بھر سمجھے
 ترے وصفِ کمر کو گر کرے تقریرِ دل میرا
 کہیں شبِ خواب میں دیکھا ہے اُس کی زلفِ مشکیں کو
 خطا ہے ہوجھے گر اس خواب کی تعبیرِ دل میرا
 خیالِ چشمِ دل پر جو مجھے دن رات رہتا ہے
 بیابانِ محبت میں ہے آہو گیرِ دل میرا
 نصیر اب اس سے روکش کون ہو سکتا ہے کیا قدرت
 وہ ہے ملکِ سخن میں صاحبِ توقیرِ دل میرا

۲۰

کیا تجھ سے میں اے دہدہ تر ہاتھ اٹھایا
 کولین سے کر قطعِ نظر ہاتھ اٹھایا
 محرابِ سمجھ سر کو جھکانے لگے عاشق
 شمشیر نے فائل کی جدھر ہاتھ اٹھایا
 آئینہ جو اُس سے کے چڑھا منہ تو مڑے نے
 گاؤں سے یہ آئینِ دگر ہاتھ اٹھایا
 خمیازہ لگی کھینچنے گلشن میں ہر اک شاخ
 انگڑائی جو لی تو نے سحر ہاتھ اٹھایا
 تکلیف اٹھائی ترے ہاتھوں سے ولیکن
 اے ضعف! نہ بالائے جگر ہاتھ اٹھایا
 دل بستگی جوں غنچہ ہو کیا باغِ جہاں میں
 جب تجھ سے ہی اے خواہشِ زر ہاتھ اٹھایا
 خط آنے میں بھی اُس کی وہی مشقِ ستم ہے
 اُس نے نہ تو اس بات سے ہر ہاتھ اٹھایا (کذا)

کہتا ہے کہ خط لکھنے سے ہاں تو نے نصیر اب
کیجے گا قلم ہاتھ اگر ہاتھ آٹھایا

۲۱

کوچے سے ہری رو کے پتا ہے آٹھا لایا
دیوالہ مرا قاصد کیا خوب پتا لایا
مذکور میں وحشت کا کل دشت میں کیا لایا
پر اشکِ مسلسل ہے زخیر بنا لایا
لوحِ دلِ عاشق پر، کی مشقِ جفا اس نے
جونِ خامہ زباں پر وہ جب حرفِ وفا لایا
اے اشک تھی آگے بھی ہر شاخ مڑے رنگیں
اک اور شکوفہ تو یہ آج بنا لایا
خورشید ہی جانے ہے اس تیری شرارت کو
مہتاب ترے آگے کب تاب بھلا لایا
یا رب کہیں ساق کا جلدی سے پیالہ ہو
دکھلا کے گھٹا بچہ کو گلشن میں گھٹا لایا
تشریف وہ کیا لایا کل راہِ محبت سے
اپنے ورقِ دل کو میں ہاں بنا لایا
یہ داغ نہیں تن پر، میں دیکھنے کو تیرے
اے رنگِ گلِ خوبی آنکھیں ہوں لگا لایا
کیا کہیے نصیر اپنی قسمت کا لکھا یہ بھی
قاصد بتِ نو خط سے خط بھی نہ لکھا لایا

زلف چھٹی ترے رخ پر تو دل اپنا بھرتا
 گھر کو بے شام نہیں صبح کا بھولا بھرتا
 دیکھنے کو جو سرا تو نہ تماشا بھرتا
 تو میں جوں شعلہٴ جنّۃِ نہ چلتا بھرتا
 کب جفاؤں سے تری دل ہے ہارا بھرتا
 شک اگر تجھ کو ہے ظالم تو دوبارہ بھرتا
 جنتِ برگشتہٴ مجنوں ابھی سیدھے ہو جائیں
 دشت میں آئے اگر ناقہٴ لیلیٰ بھرتا
 گردشِ چرخ سے سر کیوں نہ مہ و خور کا بھرے
 کہ شب و روز یہ رہتا ہے بندولا بھرتا
 جنسِ دل کا تری اس زلف سے بھرتا معلوم
 ہو کے خط کش جو ہکے وہ نہیں سودا بھرتا
 خالِ رخسارِ بتاں کا نہیں بھرتا یہ خیال
 کشورِ دل میں ہارے ہے کٹھیا بھرتا
 دل کی قسمت میں ازل سے تھی لکھی تشنہ لبی
 کیوں نہ اس چاہِ ذوق سے یہ پیاسا بھرتا
 شرم سے دامنِ ساحل میں چھپی ہے ہر موج
 تو جو اٹھکھیلوں سے ہے لبِ دریا بھرتا
 نردِ دل عشق کی چوسر میں نہ کٹتی ہرگز
 گر کبھی جہت کا انہی کوئی پاسا بھرتا

آج پیری میں بھی اپنے نہ پھرے بختِ سیاہ
 کہ درختوں کا بھی دن ڈھلتے ہے ساہا بھرتا
 ٹوٹ جاتی جو کبھی آس ترے ملنے کی
 تو نہ لاش کی طرح دل یہ بہارا بھرتا
 باعثِ جنبشِ انساں ہے تو اے تارِ نفس
 ورنہ یہ پیشہ کے اٹھتا نہ یہ چلتا بھرتا
 قطعہ

سیر صحرائے جنوں غیز کا ارماں نہ رہا
 تیرے ہاتھوں سے میں کیا آہلہ پا بھرتا
 تو نے ہر کام بہ کی چشم بھائی ورنہ
 میں بگولے کی طرح خاک اڑاتا بھرتا
 اپنے گریے کی دکھاتا میں تجھے طغیانی
 گر شبِ وصل سرے پاس نہ تو آ بھرتا
 انجمِ چرخ بھی بن جاتے ہیں مانندِ حجاب
 ماہ کا صورتِ گرداب ہے ہالا بھرتا
 لکھ نصیر ایک غزل اور بدل کر کے ردیف
 توسنِ خامہ ہے اب دیکھ تو کیسا بھرتا

میں ترے کوچے میں ہوں دیکھ تو لہکا بھرتا
 جھانک کر غرقہ سے تو کیوں نہیں گرتا بھرتا (کذا)

کچھ بھی ہے ترس خدا کا ٹھہے ، میں مرتا ہوں
 قول ہے اپنے ہے کیوں اے بتِ ترسا بھرتا
 نردِ دل عشق کے چوسر میں نہ یارو کئی
 گر سہہ بختی کا اپنی کوئی پاسا بھرتا
 قطعہ

کوچہ زلف میں اپنے دلِ گم گشتہ کو
 کیونکہ ڈھولٹوں کہ وہاں کوئی نہیں جا بھرتا
 کیا کرے اے شہِ خواباں عسسِ خانہ تلاش
 بے اجازت تو نہیں تیری ڈھنڈھورا بھرتا
 قطعہ

اپنے تو ابروے ہر خم کی دکھا کر محراب
 کھر کی جانب جو کبھی اے بتِ ترسا بھرتا
 طائرِ قبلہ نما بن کے ادھر کو بہ خدا
 مرغِ دل بھی نفسِ سینہ میں اپنا بھرتا
 تو نے ہر کام بہ کی چشمِ نمائی ورنہ
 وہ بکولے کی طرح خاک اڑاتا بھرتا
 خارِ صحرائے جنوں خیز میں اے وائے نصیر
 خاکِ باتھوں سے ترے آہل ہا بھرتا

خالی رخ اس نے دکھایا نہ دوبارا اپنا
 چندے اک اور ہے گردش میں ستارا اپنا

دل و دین و خرد و صبر کجا ، کُتو آرام
 کھر لٹا ہم نے دیا عشق میں ساوا اپنا
 ہوئی صہناد سے بلبل کہ نہ کر گل سے جدا
 تختہٴ باغ ہے یہ تخت ہزارا اپنا
 سیر کی ہم نے جو گل محفلِ خاموشاں کی
 نہ تو یگانہ ہی بولا ، نہ ہکا را اپنا
 مثل نے ہم نے تو فریادِ بہت کی لیکن
 کوئی ہمدم نہ ہوا آہ ہارا اپنا
 دل ہوا چاہِ ذقن ہی میں غریقِ رحمت
 اس میں غواص نظر گرچہ آٹارا اپنا
 کھل گیا عقدہٴ ہستی و عدم مثلِ حباب
 لبِ دریا یہ ہوا جب کہ گزارا اپنا
 پیریں اس کو ہوا خلعتِ شاہی کہ نصیر
 جس نے یہ پیریں خاک آٹارا اپنا

۲۵

دالت کہوں رکھتا ہے دلبر تو ستانے سے جدا
 یہ تو ہے مضمونِ رنگیں ہان کھانے سے جدا
 سر پہ رات آتی کہاں ہے ، زلف کو چہرے پہ کھول
 دن دیے ہوتا ہے مجھ سے کیوں جہانے سے جدا
 بہات پیش آتی تھی آتی پیش اپنے ہی ولے
 ہو کے پشانی یہ تیرے آستانے سے جدا (کذا)

بھر گئی ہے جب سے تیرے رخ پہ ابرو کی کہاں
 تیرے مڑگان تب سے پڑنا ہے نشانے سے جدا
 تھا وبالِ جان اُس کو کاکڑ بیچان کا بیچ
 ہے سر پر خاش دل کو دستِ شانے سے جدا
 مرتبہ ہے غوث کا تیرے شہیدِ لاز کا
 سر جدا تن سے پڑا ہے ، ہاتھ شانے سے جدا
 میرے خلوتِ خاتمہ دل کی بھی اک دن سیر کر
 جان من ! ہے چشم پہ دیوان خانے سے جدا
 آبرو اور سر بلندی خاکساری سے جاں
 آبِ قوارے کو ہے ہو کر غزانے سے جدا
 چشم کیا اب خاک رکھے کوئی اُس بے دید سے
 تو کیا ہاندھے ہے وہ سرمہ لگانے سے جدا
 رشک سے سر در گریبان ہی نہیں غنچہ نصیر
 بے کلی گل کو ہے اُس کے کیکھلکھلانے سے جدا

۲۶

جو رقیبوں نے کہا کُتو وہی بدظن سمجھا
 دوست ، افسوس نہ سمجھا ، مجھے دشمن سمجھا
 ناتواں وہ ہوں کہ بستر پہ مجھے دیکھ کے آہ
 تارِ بستر کوئی سمجھا کوئی سوزن سمجھا
 تیرے قاتل جو محبت سے لگی آ کے کٹے
 تاب کو اُس کی میں اپنی رگِ گردن سمجھا

اپنے ہاجامہؔ کمخواب کی ہر بوٹی کو
 شمعِ رو شب کو چراغِ تہہ دامن سمجھا
 سرعتِ اہلِ ایام سے غافل تھا اُہ
 دمِ آخر میں آئے عمر کا توسن سمجھا
 خارِ صحرا سے چھدی جب کفِ ہا بجنوں کی
 خاکِ بیزی کسو وہ شربال کا روزن سمجھا
 کمرِ بار کا ازبسکہ جو رہتا ہے خیال
 دل کو میں چینیِ مودار کا برتن سمجھا
 گل کو معلوم نہ تھی بستیِ لانی اپنی
 اے نسیمِ سحری وقتِ شگفتن سمجھا
 بسترِ گل سے منتش جو ہوا اس کا بدن
 تنِ نازک پہ وہ پھلکاری کی چیکن سمجھا
 جیتے جی چاہیے ہے عاقبتِ کار کی فکر
 فائدہ کیا اگر السانِ ہسِؔ سردن سمجھا
 میرزائی کو نہ فرہاد نے چھوڑا تا مرگ
 جیفہؔ سر تجھے اے تیشہؔ آہن ! سمجھا
 عکسِ افکن ہے ترے ساغرِ صہبا میں یہ زلف
 تو عبث اے بتِ مے کئی اے ناگن سمجھا
 سایہؔ زلف نے آس کے یہ دیا دھوکا رات
 چلتے والوں نے جسے افسیؔ ریزن سمجھا

چشم نے اپنی طرف سے تو سجھائی تھی نصیر
دل نہ پر اس ستم ایجاد کی چتون سمجھا

۲۷

کیوں نہ اے طفلِ حسین کاٹ کے یہ سر پھینکا
گوئے خورشید کو تو نے جو فلک پر پھینکا
کس کے ابرو کی نظر آئے ہے عرابِ خطیب
تو نے عہدہ جو اپنا سر منبر پھینکا
غلامِ عشق میں غرقاب ہوئی ذورقِ دل
ہم نے افسوس نہ کیوں آہ کا لنگر پھینکا
پردہ ابر سے اے رعدِ خروشاں تو نے
آج آوازہ بتا کس لیے مجھ پر پھینکا ؟
روکشی برق کی ششیر سے کرق ہے نصیر
بات سے کب سپرِ جام کو ڈر کر پھینکا

۲۸

کر کے آزاد ہر اک شہرِ بلبل کترا
آج صیاد نے ایک اور لیا گل کترا
جب کتروں میں ہے مشہور صباہادی چور
صبح گھنچے کا جو کیسہ بتا سئل کترا

دیکھ تک اپنے گریبان میں منہ ڈال کے شیخ
 حرص کے ہاتھ سے دامنِ توکل کترا
 پنچہ مہر بنا شانہ مشاطہ صبح
 مہ جیسی تو نے جون ہی رشتہ کا کل کترا
 لیں گے سرخانِ چمن خاکِ گلستان کا سبق
 باغبان جب کہ خزاں نے ورقِ گل کترا
 کس قدر تیز ہے مقراضِ سخن تیری نصیر
 گوشِ ہوش و خردِ طالبِ آمل کترا

۲۹

دل جلوہ کارِ صورتِ جانانہ ہو گیا
 شیشہ پہ ایک دم میں ہری خانہ ہو گیا
 شب کیوں کہ سلطنت نہ کرے تاج زر سے شمع
 رشکِ ہر پہا پر پروانہ ہو گیا
 کیفیتوں سے گردشِ چشمِ بتان کی دل
 شیشہ کبھی بنا ، کبھی پروانہ ہو گیا
 طغیانیِ سرشک سے اپنی بھی بعد قیس
 دریا کا پاٹ دامنِ ویرانہ ہو گیا
 زنجیر کیوں نہ آس کی قدم ہوس ہو بھلا
 جو کوئی تیرے عشق میں دیوانہ ہو گیا
 ہاں تک کیا ہے شہرہ آفاق عشق نے
 قصہ مرا بھی خلق میں افسانہ ہو گیا

کیا روئیے خرابِ اقلیمِ دل کو دیکھ
 آنکھوں کے دیکھتے ہی تو کیا کیا نہ ہو گیا
 ساقِ کدھر پھرے ہے تو تنہا ہرنگِ جام
 تجھ بنِ خراب ان دنوں سے خانہ ہو گیا
 قطعہ

آنکھوں سے تجھ کو یاد میں کرتا ہوں روز و شب
 بے دید مجھ سے کس لیے بے گانہ ہو گیا
 باور نہیں تو اشکِ مسلسل کو دیکھ لے
 دستِ مڑے میں سببِ صد دانہ ہو گیا
 کہتے ہیں اُس کے سلسلہٴ زلف میں نصیر
 دل بھی مرید اب صفتِ شانہ ہو گیا

۳۰

دل نے ہلکوں میں گزر اے کاکلِ دلبر کیا
 شیر تھا، آخر کو اپنا نیستان میں گھر کیا
 تنِ عشقِ گلِ رخاں ہر داغ جو پکسر کیا
 پوربن کیا ہم نے پھلکاری کا زبِ بر کیا
 شبِ تصور نے جو اُس کے گھر بچشمِ تر کیا
 اشک نے قارِ مڑے ہر کارِ بازیگر کیا
 قابلِ نظارہ تھے اوراقِ برگِ کلی تمام
 حیف اے بادِ غزاں برباد یہ دفتر کیا

کیا اثر دیکھا ہمارے طالعِ بیدار کا
 خواب میں مدوش مجھے کل شب کو ہم بستر کیا
 سب یہ روشن ہے کہ راہِ عشق میں مانندِ شمع
 پاؤں پر سے ہم نے قرباں رفتہ رفتہ سر کیا
 سرخ رو محشر کو اٹھتے گا وہی جس نے نصیر
 مائل اپنا دل بہ عشقِ آلِ پیغمبر کیا

۳۱

آس قبا پوش نے جب غیر کو اپنا سمجھا
 حلق پر اپنے گریباں کو میں آرا سمجھا
 تنِ کاہیدہ کو تھا اپنے میں تنکا سمجھا
 تجھ کو ہر تارِ نفس سوزنِ عیول سمجھا
 رخ کو اس رشکِ جن کے جولہ اچھا سمجھا
 تجھ میں کیا شاخ ہے گلِ آپ کو تو کیا سمجھا
 دلِ مضطر تھا مرا ماہیِ صحرِ آفت
 کشتہ کیا تم نے کیا، کیا اسے ہارا سمجھا
 کیونکہ دم بھرتی نہ یہ آس کی ہوا خواہی کا
 شمع نے شب پر ہروائے کو ہنکھا سمجھا
 ہو گیا بخت نکون سار کے آگے وہ ہست
 جس نے فتواریہ صفت آپ کو بالا سمجھا
 مے کشی کا ہے یہ شوقِ آس کو کہ آہنے میں
 کان کے جھمکے کو الگور کا خوشا سمجھا
 ہو گیا غرقِ صد افسوسِ بحرِ عشق میں دل
 آس نے سینے کے بھولے کو نہ تونیا سمجھا

یک نظر جس نے کہ دیکھا ہے مجھے موجِ سراپ
 اپنی ہستی کو جہاں اُس نے ہی دھوکا سمجھا
 ماہِ نو یار کی ابرو سے نہ کر ہم چشمی
 تبہ کو اک نانِ جویں کا ہے کنارِ سمجھا
 بتِ مدوش کی جیبیں کا جو نظر آیا خال
 اُس کو میں بخت کا پھر اپنے ستارا سمجھا
 جوں حنا میں ترے ہاتھوں سے ہوا بھی ہمال
 تو بھی تو مجھ کو نہ کچھ خاک نکارا سمجھا

قطعہ

فصلِ گل میں جو کیا سیرِ چمن کو مجنوں
 تو نہالانِ گلستان کو نہ اصلاً سمجھا
 شاخِ خمِ گشتہ گل دیکھی تو ناقدِ جانا
 غنچہ آیا جو نظرِ محفلِ لیلوں سمجھا

قطعہ

حلقہ زلف میں خالِ رخِ دلدار کو دیکھ
 میں جو یارو خطرِ پرکار کا نقطہ سمجھا
 تو کہا دل نے مرے تیری غلط فہمی ہے
 دہنِ مار میں سن ہے تو اسے کیا سمجھا
 مے کشی کا جو نظر آیا مجھے باغ میں لطف
 قمر و سرو کو میں پنیہ و مینا سمجھا

قطرہ

جب تک اے ہم نفساں تھا میں گرفتارِ صفات
 اپنی کیفیتِ ذائقہ کو نہ کچھ تھا سمجھا
 معنیِ ممکن و واجب جو کھلے پھر تو یہاں
 میں حجابِ آپ کو ، اللہ کو دریا سمجھا
 شکوہ بے جا ہے دورِ لکی کا زمانے کی نصیر
 ہم فقیروں نے ہے اس کو گلِ رعنا سمجھا

۳۲

لیا نہ ہاتھ سے جس نے سلامِ عاشق کا
 وہ کانِ دھڑکے سنے کیا پیامِ عاشق کا
 قصورِ شیخ ہے فردوس و حور کی خواہش
 تری کلی میں ہے پیارے مقامِ عاشق کا
 غرورِ حسن نہ کر ، جذبہٴ زلیخا دیکھ
 کیا ہے عشق نے ہوسف غلامِ عاشق کا
 ترے ہی نام کی سمرن ہے مجھ کو اور تسبیح
 تو ہی ہے وردِ ہر اک صبح و شامِ عاشق کا
 وافرِ عشق کو عاشق ہی جانتا ہے نصیر
 ہر اک سمجھ نہیں سکتا کلامِ عاشق کا

۳۳

داغِ سینہ جب سرا مہرِ درخشاں بن گیا
 صبحِ صادق کی طرح چاکِ گریباں بن گیا
 نالہٗ بلبلی کی کیا تاثیرِ شور انگیز ہے
 فطرۃٗ شبم سے زخمِ کلی نمکِ داں بن گیا
 سیرِ اے ابرِ بہاری! پھر تجھے دکھلائیں گے
 پاٹِ دریا کا اگر گرہ سے داماں بن گیا
 شیشہٗ دل میں ہے بند اب اُس پری رو کا خیال
 داغِ اُس کے منہ پہ کیا مہرِ سلیمان بن گیا
 رنگِ دستِ آویزِ الفت دیکھ کہ کہتی ہے حنا
 اب تو ہاتھوں ہاتھ سودا تجھ سے جالان بن گیا
 طالعِ برگشتہ میں کسی سے گلا اپنا کروں
 دوست دار اپنا جو تھا سو دشمنِ جان بن گیا
 کیا ہوئے تشریفِ لڑما حضرتِ عشقِ اے نصیر
 سینہٗ داغوں سے سرا و شکِ گلستان بن گیا

۳۴

مرے اہلئے وعدہ پر جو شبِ دل دار آٹھ بیٹھا
 سنو شامتِ نصیبوں کی کہ چوکیدار آٹھ بیٹھا
 جو حرفِ 'قُم باذنی' کہہ کے وہ دل دار آٹھ بیٹھا
 ہر اک خوابِ عدم سے طالبِ دیدار آٹھ بیٹھا
 خیالِ لب میں گویا تھی ترے تاثیرِ باقوی
 نہ لے سکتا تھا جو کروٹ سو وہ بیمار آٹھ بیٹھا

کہوں کیا بختِ خوابیدہ کی قہر سے بات اے ہدم
 مرے پاؤں کی آہٹ سے وہ ہو بیدار آٹھ بیٹھا
 بسانِ نقشِ ہا فرشِ زمیں پر تھا جو آسودہ
 ترے ہاتھوں سے وہ بھی چرخِ کج رفتار آٹھ بیٹھا
 ازل سے اپنی کیا صحبت پر آرائی ہے (کہ) جوں ساید
 وہیں بس ہم بھی آٹھ بیٹھے ، جونہی وہ یار آٹھ بیٹھا
 خیالِ زلف میں کیا ہاتھ رکھ چھاتی پہ سویا تھا
 سیاہی نے یہ گھیرا ، چونک کر یک بار آٹھ بیٹھا
 یہ ساری رات یوں ہی کٹ گئی ہاتھوں میں اے مہ رو
 سحر ہونے پر آتی ہے ، نہ کر تکرار آٹھ بیٹھا
 کمالِ بندگیِ عشق کہتے ہیں نصیر اس کو
 نہ مارا دم کسی نے جب وہ لے قلواریں آٹھ بیٹھا

۳۵

دل میں ہے کیا جالے کس کا خیالِ نقشِ ہا
 لگ گئی آنکھیں زمیں سے جو مثالِ نقشِ ہا
 طاقتِ آٹھنے کی نہیں ہے تن میں ضعفِ عشق سے
 حال اپنا ان دنوں ہے حسبِ حالِ نقشِ ہا
 صفحہٴ صحرا میں ہے خارِ مغیلاں جوں الف
 خوب اے مجنوں تری آتی ہے فالِ نقشِ ہا
 یک قلم اے گل بدنِ رشکِ گلِ قالیں ہے دیکھ
 فرشِ خاکستر ہے ٹیرا یہ نہالِ نقشِ ہا

درفشانی سے تری رہتا ہے ہم چشمِ صدف
 تھا یہی اے چشمِ تر تجھ سے۔ سوالِ نقشِ پا
 ٹکٹکی پاں تک بندھی ہے گی کہ خالِ مردمک
 بن گیا اس شوخ کا ہر وجہ خالِ نقشِ پا
 سوچیتا ہے ، ہاتھ سے اس ناتوانی کے نصیب
 رفتہ رفتہ ہوں گے اک دن پامالِ نقشِ پا

۳۶

حلقہ بگوشِ ابرو جب ہو ہلالِ اس کا
 اختر پہ آنکھ مارے کیوں کر نہ خالِ اس کا
 بھونوں کی خاک سے ہے وحشتِ رسیدگی کو
 ہابستہ جنوں ہے اکثر لہزالِ اس کا
 عاشق کو ہر طرح سے حاصلِ شگفتگی ہے
 خنداں ہے ہر جراحت گل کے مثالِ اس کا
 تیرے ذہن سے غنچہ ، کیا منہ ، جو ہو برابر
 کھینچے عدمِ تلک یاں اک الفعالِ اس کا
 کہتے نہ تھے جلا مت اتنا ہفتک کو تو
 اے شمعِ تیرے سر پر ہے یہ وبالِ اس کا
 گردوں پہ بدرِ کامل جو راہنے اپنے کر لے (کذا)
 روئے زمیں پہ خنداں کیا ہے کہاں اس کا
 گل کیا ہے جس کی جانب دیکھے نظروہ بھر کر
 لرگس ہے چشمِ اس کی ، قد ہے نہالِ اس کا
 تیرا شہید تجھ سے تکفیں طلب نہیں ہے
 چل لاش پر تو اس کی کر ہے خیالِ اس کا

جائے جوابِ نامہ چھاتی پہ داغِ دل ہے
تارِ کفن ہے تن پر ہر ایک بال اس کا
خط سے نصیر رونقِ منہ کی رہی نہ اس کے
تیا غرضی جہاں میں گویا پہ مال اس کا

۳۷

سوائے خاک صفا طیتوں نے کیا دیکھا
کبھی نہ آئے کہ گہر میں پوریا دیکھا
خیالِ زلفِ دلِ تنگ میں سدا دیکھا
دہانِ نور میں حیرت ہے اڑدیا دیکھا
فتادگی میں یہ عزت ہے خاکساروں کی
کہ نقشِ پاؤں یہاں ہم نے رہنا دیکھا
رہا نہ بحرِ جہاں میں انہوں کا نام و نشان
حبابِ وار جنہیں بالدمتے ہوا دیکھا
مشالِ آئہ ، حدِ شکر ، روشناس ہونے
کھلی جو آنکھ تو منہ ہم نے بار کا دیکھا
سمجھتے اشک کو تھے نورِ چشم سو وہ ابھی
کلمے کا بار ہوا ، طرفہِ ماجرا دیکھا
عدم ہے آن کے اس بستیِ خراب میں آہ
نہ دیکھنا تھا جو کچھ ہم کو ، سو دلا دیکھا
الہی آنکھ لڑائے وہ کس سے غیرت کلی
نہ جس نے باغ میں نرگس کو آنکھ اٹھا دیکھا
خیالِ نافِ بتان سے ہو کیوں کہ دل جان پر
تکلمے کوئی ابھور سے نہ ڈوبتا دیکھا

قطعہ

کوئی یہ شیخ سے پوچھے کہ بند کر آکھیں
مراقبے میں بتا صبح و شام کیا دیکھا
ہسان آئندہ ہم نے تو چشمِ دل وا کر
جدھر لگاہ کی ، صاف آس کو بر ملا دیکھا

قطعہ

نصیر ! کیا کہوں اک جوہری ہسر میں نے
عجب ہی جوہری بازار میں نیا دیکھا
کہ جس کو دیکھ زمرّد نے آہ کھایا زہر
زمین پہ چلتے ہوئے نکلے کمرہا دیکھا

۳۸

تو ضید سے شبِ وصل نہ آیا تو ہوا کیا
ہم مر نہ گئے ، دل کو کڑھایا تو ہوا کیا
تصویر نہالی سے ہم آغوش رہے ہم
گر آئے نہ ساتھ اپنے 'سلا یا تو ہوا کیا
دیکھا ہی کیسے تیرے تصور میں نمر کو
گر تا سحر اے یارا جگایا تو ہوا کیا
بھولوں کی رہی سیج جو خالی تو ہلا سے
انکاروں پہ گر ہم کو لٹایا تو ہوا کیا
منہ لال ہوا غنچہ صفت خونِ جگر سے
ہاتھوں سے ترے ہان نہ کھایا تو ہوا کیا

بہتر یہ ہوا نامہ و پیغام سے چھوٹے
 گر آپ نہ آیا نہ بلایا تو ہوا کیا
 دشمن کا اڑانے کو دھواں یہ بھی بہت ہیں
 غیروں کے سکھانے سے جلایا تو ہوا کیا
 مر جانے سے تو ہم رہے جوں پنجہ* مر جاں
 ہاتھ اپنا جو سہندی سے بندھایا تو ہوا کیا
 تو آپ ہی دیکھ اٹکالیوں کی فتنہیں آودی
 جامن کے جو ہودوں کو لگایا تو ہوا کیا
 دیکھا ہے بہت بہانہ مئی کا یہ تماشا
 سروسوں کو پتلی یہ جایا تو ہوا کیا
 ہم سرو چمن دل کی ہر اک آہ کو سمجھے
 اپنا قدر موزوں نہ دکھایا تو ہوا کیا
 ہم نے بھی محبت کو تری طاق یہ رکھا
 ابرو جو سوئے غیر بلایا تو ہوا کیا
 یہ یاد رہے ہم بھی نہیں یاد کریں گے
 گر تو نے ہمیں دل سے بھلایا تو ہوا کیا
 مینا یہ بغل آبلہ* دل سے رہے ہم
 جامر مئے کل کوں نہ بلایا تو ہوا کیا
 دم اور ہی اک دوستی کا بار بھریں گے
 منہ جوں نئے قلیاں نہ لگایا تو ہوا کیا
 مت کہہ کہ تصور میں خطِ سبز کے مبرے
 گر شاہ نصیر اشک بہایا تو ہوا کیا

ہے دلنے کو چھاتی پہ تری مولکِ خطِ سبز
گو زہرِ غمِ ہجر کھلایا تو ہوا کیا

۳۹

ولگ مہلا نہ ہوا جامہٴ عریانی کا
سرو سامان ہے ہمیں بے سرو سامانی کا
آئینہ دیکھے ہے وہ ، اور آئے آئینہ
زورِ عالم ہے دلا عالمِ حیرانی کا
دم ہستی پہ حبابِ اپنی عبث ابھرے (تھا)
آنکھ کھلتے ہی مقامِ آس پہ کھلا فانی کا
تشنگیِ خاک بھیجے اشک کی طغیانی سے
عینِ برسات میں بگڑے ہے مزا پانی کا
زلف گر کھینچ سکے یار کے نوشانے سے
ہاتھ یک دستِ قلم کیجیے گا مانی کا
جھڑ گئی ابرِ بہاری کی بھی شیخی لیکن
نہ گھٹا زورِ مرے اشک کی طغیانی کا
اے جنوں روز رہے ہے مرے دامن سے لگا
ہوں قدمِ بوس نہ کیوں خارِ بیابانی کا
کیوں نہ انگشتِ ہما ہووے ہلالِ ابرو
زورِ عالم ہے ترے تشقہٴ پریشانی کا
دل نہ چھٹ زلفِ بتانِ چشم کا باندھے ہے خیال
یادِ مضمون ہے پریشان کو پریشانی کا
جام و مینا جو بنے آبلہ و داغِ نصیر
دل نے سامان کیا کس کی یہ مہانی کا

اشک ہے خال مرا دیدہ ترہانی کا
 آئندہ اک ہے نمولہ مری حیرانی کا
 روز و شب زلف و رخِ ہار کی ہے سیر مجھے
 نہیں محتاج میں تسبیحِ سلیمانی کا
 عک دل میں کیا سیم تنوں کو ہم نے
 کانِ خوبیاں میں نہیں کوئی تری ثانی کا
 ہو صدف وار تھی، تب در معنی سے بھر
 جو تو دانا ہے تو ہو اپنی ہی نادانی کا
 مجھ کو تعریف سے کیا شہر کے آواروں کی
 ہوں میں مداح جو ترکانِ بیابانی کا

.....
 رشک ہے کفر کو بھی میری مسلمانی کا
 سر دیا چاہیے کیا ہے سرو ہا مجھ سے کو
 سر و سامان ہے مجھے ہے سرو سامانی کا

سوائے خاک اور کہیں نہ پایا نشان ہر ایک ہے نشان کا
 کہ چشمِ فکثر قدم سے دیکھا سراخِ بارانِ رنگاں کا
 نمود مڑکاں پہ اشک اپنی کچھ آج ہے وجہِ بالندہتا ہے
 النہی برہا کرے نہ طوفان کہ طفلِ ابر ہوا ہے بالکا
 نہ بوجھ ہم دم کہ بعدِ مُردن کھلے یہ بختِ بہاؤں اُس کے
 لگائے ہے تیر وہ نشانہ بنا کے عاشق کے استخوان کا

مکان دیدہ نزول کا ہے مزاج چاہے تو کیجیے قبضہ
 جتان نہ دل پر نگاہ رکھیے کہ ہے مکین اور اس مکان کا
 نہ کیوں کہ چشمِ صدف میں یارو یہ آہرو اپنی روز و شب ہے
 کہ ابھر نیاں ہے اک نمونہ بہاری چشمِ گنہر فشاں کا
 شتاب آنکھوں سے تو ہٹالے کہ بازِ خاطر نہ ہوں گے ہرگز
 حباب آسا یہ پیرین ہے بہاری اس چشمِ ناتواں کا
 جو رکھ کے غنچے کے لکھے ہر سر چمن میں بلبل سحر کو سوئی
 لسم ہنکھا لکی ہلانے تو گل نے دامن سے منہ کو ڈھانکا
 کب اس کا آنکھوں سے دیکھتے ہیں نصیر اہلِ نظر تماشا
 ہزار سر ہر زمین اپنے پھرائے شیشہ یہ آسماں کا

۳۲

اڑن سی سن کے اس کے ہر تیر کی صدا
 نکلی نہ آہ مرغِ ہوا گیر کی صدا
 ہم ہیں مریدِ سلسلہٴ عشقِ ناصحا!
 دامن کشاں ہے خانہٴ زنجیر کی صدا
 دم ساز نالہ ہوں ہے یہ آہِ دلِ حزیں
 لکھے ہے جیسے مل کے ہم و زبر کی صدا
 گردوں بھی رکھے کان میں انگشتِ کہکشاں
 پہنچے جو میرے نالہٴ شبِ گیر کی صدا
 مڑکاں ملے ہے ہاتھ کہ رونے کی ، گر کے آہ
 آئی نہ طفلِ اشکِ زمیں گیر کی صدا
 محوِ خیالِ خط کی ترے ہے زبان بند
 سرسبز کیا ہو طوطیِ تصویر کی صدا

نکلتے ہے گھر سے وہ بتِ خانہ خراب کیا
 پہچانتا ہے عاشقِ دلِ گہر کی صدا
 ماروں نہ کیوں ہلال بہ انگشتِ آہ کو
 یعنی بیا کے دیکھیں میں شمشیر کی صدا
 کیوں کر نہ ہووے طعمہٴ شاہیں وہ اے نصیر
 آخر وہاں جاں ہے عصافیر کی صدا

۴۳

آج کیا سلکِ چراغاں سے ہے تاباں دریا
 نہ پہ ہنستا ہے نکالے ہوئے دندانِ دریا
 جلوہ گر آپ پہ یہ یہ قلعہٴ سرخ نہیں
 منہ سے آگئے ہے پڑا لعلِ بدخشاں دریا
 آنکھ مارے ہے ہر اک چشمِ کواکب بہ حباب
 چرخِ ہفتم سے ہے کیا دست و گریبان دریا
 موج زن دودِ چراغاں نہ ہوا، ہر سمجھو
 شانہ کرتا ہے اٹھا کاگلِ بیجاں دریا
 گردشِ دیدہٴ دریا ہے عیاں کشتی سے
 مردمانِ آنکھ لڑاتا ہے یہ طوفانِ دریا
 شکلِ خورشید لگا انہی جبین پر ٹیکا
 تا ہو ہم چشم نہ رشکِ منہٴ تاباں دریا
 اس کو تو عکسِ چراغاں نہ سمجھ سہو سے دیکھ
 ابوے موج پہ چھینٹا ہے یہ افشاں دریا
 یہ غلط ہے کہ کہیں ہم کہ کنول روشن ہیں
 ہیں نمایاں ترے داغِ دلِ سوزاں دریا

ہر بھنور چمکے ہے کیا جوشِ چراغاں سے دلا
خود بُنائی کو بنا سروِ چراغاں دریا
باعث ضبط نہ آنکھوں سے ہے اشک نصیر
بند کوزے میں کیا ہم نے بھی ذی شان دریا

۴۴

یہ عشقِ لالہ رِخاں کون غم کسار رہا
یہ داغِ دل ہی جو دیکھا تو ہم کسار رہا
مدام دستہٴ نرگس سرِ مزار رہا
کہ بعدِ مرگ بھی تیرا ہی انتظار رہا
”درِ سرشک رہے تا سحرِ سرے منہ پر
گلے میں تیرے جو شبِ موقیوں کا ہار رہا
نہ دیکھا ڈر سے میں تیری طرف بہت شبِ وصل
ستارۂ سحری مجھ کو آنکھ مار رہا
ہزار حیف کہ مانندِ شیشہٴ ساعت
مری طرف سے لرا دل بھی ”پر غبار رہا
نہ بوجھ کچھ شبِ ہجران کی بات رشکِ قمر
کہ مجھ پہ کیا ستمِ تازہ دل نکار رہا
گلے میں تو نے وہاں موقیوں کا چنا ہار
جہاں یہ اشکِ مسلسل گلے کا ہار رہا
ہوئے ہیں ہاتھ سے الفت کے اس قدر مجبور
کہ دل سے صبر گیا، ہم سے اختیار رہا

ہسانِ نقشِ قدمِ جم کے تیرے کوچے میں
 اگر رہا تو بھی ایک خاکسار رہا
 کھلا آبی پہ جہاں میں یہ عقدہ ہستی
 جو کوئی سر پہ گریبانِ خنجر وار رہا
 الم سے اس دل پہر داغ کا نہ پگڑا کچھ
 خزاں بھی ہو گئی ہر موسمِ بہار رہا
 خیالِ زلفِ بتاں اک ویالِ جان ہے نصیر
 کہ جس کے دل میں رہا، پھر یہ آس کو مار رہا

۲۵

بے وجہ یہ دل زلفِ کرہ گیر میں آجھا
 دیوالہ شامت زدہ زنجیر میں آجھا
 دلِ محوِ خیالِ رخِ دلبر ہے یہ ہر شکل
 آئینہ یہ ہے عالمِ تصویر میں آجھا
 کھینچے ہوئے لے جانے ہے سرِ رشتہ الفت
 فتراک نہیں گردنِ خنجر میں آجھا
 چلانے لگا دیکھ کے آفاق میں ہر صید
 چلتا وہ کہاں کا جو ہر قبر میں آجھا
 وابستہ تارِ مزہ یوں دل ہے کہ جیسے
 رشتہ ہو کسی ہائے عصافیر میں آجھا
 اے قائلِ نادان! یہ نہیں دامنِ اسیری
 کب طائرِ دل جوہرِ شمشیر میں آجھا

قطعہ

اس تارِ حقیقت کا کھلے کس سے یہ ہستار
 کچھ میں ہی نصیر اُس کی نہ تقریر میں آجھا
 آجھی ہوئی یہ سوت کی اٹی ہے کہ ہر ایک
 ہے اس کے ہی سلجھانے کی تدبیر میں آجھا

۳۶

سوچتا ہے ، غیر گھر میں جب ترے در آئے گا
 کب لڑانے آئیکہ تو کا وزنِ در آئے گا
 قیغِ ابرو کے تری وہ سامنے گر آئے گا
 ڈھالِ خورشیدِ قیامت منہ پہ رکھ کر آئے گا
 جب کہ تو دل میں خیالِ زلفِ دلبر! آئے گا
 شیشہ نازک ہے ، یہ ہال اُس میں سراسر آئے گا
 آئینہ منہ پر ترے اے مہر و شگر آئے گا
 سب بہ روشن ہے کہ انا صاف ہو کر آئے گا
 خوش ہوا اے دل آج گرچہ ہام پر بولا ہے زاغ
 ہے شکوں ، یارِ سفر کردہ مقرر آئے گا
 رکھ نہ تعویذِ طلا سر پر کہ برپا ہوگا شور
 ایک نیزے پر نظرِ خورشیدِ محشر آئے گا
 شمع ساں رکھا قدم ہے ہم نے راہِ عشق میں
 رفتہ رفتہ چہرِ بابوسی سرا سر آئے گا
 نام مت رکھ تو نگینِ لعلِ لب پر ہار کے
 تجھ پہ حرفِ اس بات سے یا قوتِ احمر آئے گا

کیا زری کا چمکے ہے مُوہاف چوٹی میں تری
 اخترِ دنبالدار اس سے نہ سر بر آئے گا
 قامتِ واپ کا ترے جن کو تصور ہے ، انہیں
 کیا خیالِ سایہ طوبیٰ و کوثر آئے گا
 یوسفؑ لبِ دو کہ پشت لب پہ خط نکلا نہیں
 خیلِ موران ورنہ گردِ تنگِ لشکر آئے گا
 تابِ رخِ خط سے نہیں جانے کی ، تو لٹکیں نہ ہو
 دریاں ہالے کے دلبرِ ماورِ انور آئے گا
 قبر میں کشتہ ترا بھولا جانے کا نہیں
 لے کے اے قاتل جو تو بھولوں کی چادر آئے گا
 سرو سے کہہ دے یہ قمری روکش اس قد سے نہ ہو
 تو نہیں طولِ قیامت کے برابر آئے گا

نظم

مے کدے میں وہ بتِ بدمست اے ہیں مغان
 گردشِ چشمِ اپنی دکھلانے کہہ کر آئے گا
 دیکھنا کیا ہوگی کیفیت کہ زیرِ ہائے خم
 شیشہ لوٹے گا ہڑا ، چکر میں ساغر آئے گا
 بے طرح دل ہنچا مڑگانِ چشمِ یار میں
 جا بھنسا ہے ، دیکھتے کیوں کر تڑپ کر آئے گا
 جان تب آوے گی اپنی جانِ محزون میں کہ جب
 چنگلِ شہباز سے چھٹ کر کبوتر آئے گا

قطعہ

کیجو مت زہار شیریں قصد سوے بے ستوں
 مستغنائی لالہ' کمسار بن کر آئے گا
 تجھ سے خونِ کوہ کن کا خون بہا چاہے گا وہ
 'مہر ہائے داغِ دل سے لے کے محض آئے گا
 قتل گاہِ عاشقان میں گل وہی دیکھے گا سیر
 جو کوئی جوہر شناس تیغ و خنجر آئے گا
 منتضای دوستی سے آج ہم تجھ کو نصیر
 کہنے آئے ہیں کہ تو بھی اے سخن ور آئے گا
 ایک 'سو تقدیر ہوگی، ایک جانب کو فضا
 عشقِ آت خیز کارِ استحصال پر آئے گا
 شوقِ کُشتن ہے آئے، ذوقِ شہادت ہے مجھے
 ہاں سے میں جاؤں گا، واں سے وہ سہم کر آئے گا

۴۷

شکلِ لرکس یا مجھے آئینہ ساں حیرت جگا
 طالبِ دیدار ہوں اُس کا، ہر صورت جگا
 زلف چھٹ اُس کے خیالِ رخ میں اے دل مت جگا
 دن فلک، اب تک نہیں ہوتے سنا ہے، رت جگا
 ٹوٹتے قارے نہیں، زخموں میں چھڑکے ہیں نمک
 مہ جیوں! رکھتی ہے تجھ پر ان یوں شبِ فرقت جگا
 زلفِ مہ وش میں دلا دیکھ اب دواں کی ہے رات
 کر چراغِ داغ روشن عشق کی دولت جگا

کاروانِ عمر پہنچا منزلِ مقصود کو
 سو نہ اتنا آپ کو اے مایلِ غفلت جگا
 بہرِ صیدِ طائرِ دل ہے ترا شاہینِ چشم
 آج ساری رات اُس کو تو بہرِ صورت جگا
 ناندہ لیلیٰ کرے گا آج صحرا میں گزر
 خانہ زنجیر میں مجنوں کو اے وحشت جگا
 دام میں سرشتہ آفت کے کھینچ اُس کو نصیر
 موہنی شب کو کسی سے سیکھ کر تو مت جگا

۴۸

اے سیکھے ہے مری اُس سے لگانا تیر کا
 چرخِ سرکش بن رہا ہے جو نشانہ تیر کا
 چھٹ دلِ عاشق نہ تھا ظالم ٹھکانا تیر کا
 اب ہوا خاطرِ نشان ، دیکھا نشانہ تیر کا
 زخمِ سینہ سے عیاں ہے چاکِ دل مت دیکھ بھال
 جانِ من! تو نے غلط سو فار جانا تیر کا
 مردِ میدان کھیت کب چھوڑے ہیں اے دیقان ہسر
 نیشکر سے کم نہیں ہے اُس کو کھانا تیر کا
 مرگ کا ٹپک آن پہنچا لگتے ہی پھکانِ تیر
 خالی اے بدکیش کب تھا سچ ہے آنا تیر کا
 گرچہ نومشقوں میں اب تو شہرہ آفاق ہے
 سیکھ لو اب رو کہاں! مجھ سے لگانا تیر کا

ضعفِ پیری سے کہاں قامت ہے اور ناوک ہے آہ
 چھوڑنے والا ہوں میں بھی اک پرانا تیر کا
 جان سہمے ہے سرھٹا دیکھ مڑگان کو ترے
 ترک ترکش ہستہ اب مت ذکر لانا تیر کا
 تیغِ ابرو سے کوئی اقلیم سر کر اور ہی
 ملکِ دل میں تو مرے بیٹھا ہے تھانا تیر کا
 تیر خاکی ہے نگاہِ سرمہ آلود اس کی دیکھ
 مرغِ دل سہمے ہے کیا ہوگا نشانا تیر کا
 چشمِ دلبر سے نکلتے ہی گیا دل ہر نصیر
 چھٹ مڑہ اس کی سکان اس نے نہ جانا تیر کا
 تم ہو تیر الداز میدانِ سخن میں اے نصیر
 کس سے آتا ہے بھلا تجھ پر لگانا تیر کا

۴۹

رخ بہ بے وجہ خمِ زلف کا حلقہ نہ بنا
 گردِ خورشید کے پتھر نہیں ، ہالہ نہ بنا
 کب بہ آئینہ ترا محور تماشا نہ بنا
 معجزۂ حسن سے کس دن بدیضا نہ بنا
 شکر حق ، میں تو کسی کے لیے ایذا نہ بنا
 خار صحرا نہ بنا ، آہلہ ہا نہ بنا
 طاقِ ابرو سے ترے گہر کے بتِ سنگی دل
 اس قدر شیشہ دل آہ یہ ٹوٹا ، نہ بنا

کیوں نہ رشک آئے فرشتوں کو کہ خالی یارو
 آتشِ عشق سے یہ خاک کا پتلا نہ بنا
 زلفِ مشکیں کو لگارا رخِ روشن پہ نہ چھوڑ
 صبحِ صادق ہے ، اے تو شبِ یلدا نہ بنا
 زندگی تھی مری ورنہ بتِ کافر بہ خدا
 کس کی 'تو جان کے لینے کو فرشتا نہ بنا
 شکلِ عنقا کی کبھی ہم نے نہ دیکھی تھی یہاں
 رکھ کے خنجر کو کمر میں پرِ عنقا نہ بنا
 قبرِ فرہاد پہ کہتی تھی یہ بردم شیریں
 طرحِ تربت کے عوض حیف کہ تیشہ نہ بنا
 رشک آتا ہے کہ دیکھے گی تجھے چشمِ حباب
 تو مکانِ سیر کی خاطر لبِ دریا نہ بنا
 اس کی آنکھوں سے نہ کر دعویٰ ہم چشمی ، دیکھ
 ایسی باتیں تو اب اے ترکسِ شہلا نہ بنا

قطعہ

جلوۂ حسنِ ترا کیونکہ ہو مہ سے دوچند
 آئہ لے کے ذرا دیکھ ، تو کیا کیا نہ بنا
 کون کہتا ہے یہ تجھ سے کہ بتِ ماہِ لقا
 کہکشاں چینِ جبینِ خال ستارا نہ بنا
 طلبِ بوسہٗ رخسار جو کرتا ہے نصیر
 منہ کو اس بات پہ اے شوخ خود آرا نہ بنا

جو آئینہ 'رو کو مکتدر کروں گا
 تو کس شکل سے دل میں پھر گھر کروں گا
 نہ وہ قصہ زلف سر گر کروں گا
 ہر زندگانی میں کیوں کر کروں گا
 یہ سوچھے ہے جوں نقشِ ہا رفتہ رفتہ
 میں اک دن سر خاک بستر کروں گا
 وہ آتا ہے اے مردمِ دیدہ ، دیکھو
 تمہیں چشم کے گھر سے باہر کروں گا
 نہیں موم ہوتا دلِ سخت اُس کا
 لگاؤ میں کیا اُس سے ہتھر کروں گا
 یہ تارِ سرشک اس لیے اب بندھا ہے
 کہ صفحے پہ سینے کے مسطر کروں گا
 تری زلف بے وجہہ دلیالِ دل ہے
 کوئی یادِ کالے کا منتر کروں گا
 نہ لکھے وہ خانہ خراب اپنے گھر سے
 میں اس چشم کو حلقہ در کروں گا
 فغاں کا مرے اشک مت پوچھ باعث
 فغانی تجھے طفلِ اہتر کروں گا
 ترے یاد میں مصحفِ رخ کی اک دن
 میں سیارۂ دل کو اہتر کروں گا

قطعہ

وہ کہتا ہے جب یہ کہ مشقِ ستم سے
 نصیر اب ترا میں قلم سر کروں گا
 تو میں بھی جواب اس کو دیتا ہوں اچھا
 رقم سرگزشت اپنی پکسر کروں گا

۵۱

ٹک سمجھ کر تو لگاؤ لات ہاں ! بہرِ خدا
 یہ کنشتِ دل ہے ، دیکھو اے بتاں بہرِ خدا
 باغ میں گر مرا بھی جاؤں اُس قدرِ موزوں کو دیکھو
 رکھو زہرِ سرو مجھ کو باغبان بہرِ خدا
 ایک ہم بھی ہیں ترے حلقہ بگوشوں میں یہاں
 پھر نہ جانا ہم سے اے ابرو کہاں بہرِ خدا
 رخ پہ ہر صورت سے دکھنا گل رخاں خط کا ہے کفر
 دیکھو قرآن پر نہ رکھو بوستان بہرِ خدا
 دو قدم ہر رہ گئی ہے منزلِ مقصود آہ
 چھوڑ کر تنہا نہ جاؤ ہمراہاں ! بہرِ خدا
 خانہٴ چشم اس کے سب رہنے کی خاطر چھوڑ دو
 دہدہ و دانستہ اٹھو مردماں بہرِ خدا
 نامہٴ لغتِ دل اُس بے دہد تک پہنچا مرا
 آج پھر اے قاصدِ اشکِ رواں بہرِ خدا
 ابرو و مژگن سے اُس کے اس قدر کاوش نہ کر
 اک خدنگ آہ سے اے دل یہاں بہرِ خدا

خنجر و شمشیر تک لوٹ نہ پہنچا جنگ کی
 صلح کا مذکور لا اب درمیان بہرِ خدا
 کب بن اُس آرامِ جاں کے جی کو یاں آتا ہے چین
 لیے چل اے ایثارِ دل بھر وہاں بہرِ خدا
 بن گیا دل ہی نشانہ ، آہ ہر تو نے نہ کی
 ناوکِ مڑگاں سے تھی خاطر نشان بہرِ خدا
 فکرِ زادِ راہ ہے کچھ تجھ کو بھی ہاں اے نصیر
 عمر کو غفلت میں مت کھو رائگاں بہرِ خدا

۵۲

یہ آنکھیں دیکھنے سے ہار کے ماہوس ہیں گویا
 جو مڑگاں سے ہم ملتی کفِ افسوس ہیں گویا
 دلِ شامت زدہ تک بچ کے رستہ مانگ کا لیجو
 کہ زلفوں کے پڑے دلبال میں جاسوس ہیں گویا
 ہم یہ گفتگو چشم و لبِ جاناں میں رہتی ہے
 جو میں بیمار ہوں تو آپ جالینوس ہیں گویا
 ہوں وہ دیوانہ صبرا نورد اب بعد مجنوں کے
 کہ آنکھوں سے سری یہ اہلے ماہوس ہیں گویا
 دلا شرحِ مطول ہے ، نہیں زلفِ دراز اُس کی
 وہ عارض بھی غلط صفحہٴ قاسوس ہیں گویا
 لیا اُس خالِ لب کا جب کہ بوسہ شیخ صاحب نے
 تو زندوں نے کہا حضرت بھی مکھی چوس ہیں گویا

وہ دلوں دستِ گلِ غورده کو میرے دیکھ کہتا ہے
 کہ گلِ دستے بھی یہ رشکِ برِ طاؤس ہیں گویا
 نصیر آنکھوں کی اپنی ہتلیوں پر کیا مجھے سوجھا
 جمن اور گنگ میں زلکی جے عبوس ہیں گویا

۵۳

میں ضعف سے جوں نقشِ قدم آٹھ نہیں سکتا
 بیٹھا ہوں سرِ خاک پہ جم ، آٹھ نہیں سکتا
 اے اشکِ روان ساتھ لے اب آہِ جگر کو
 عاشق کہیں بے فوج و علم آٹھ نہیں سکتا
 سبِ فلک کہند میں کیا خاکہ لگاؤں
 اے ضعفِ دل اس آہ کا تھم آٹھ نہیں سکتا
 سرِ معرکہ عشق میں آسان نہیں دینا
 گاڑے ہے جہاں شمعِ قدم ، آٹھ نہیں سکتا
 ہے جنبشِ مڑگان کا کسی کے جو تصور
 دل سے خلشِ خارِ الم آٹھ نہیں سکتا
 دل پر ہے مرے خیمہ پر آہِ استاد
 کیا کیجے کہ یہ لشکرِ غم آٹھ نہیں سکتا
 ہر جا معجزی ہے وہ ہر ، پردہ غفلت
 اے معتبِ دیر و حرم آٹھ نہیں سکتا
 یوں اشکِ زمیں پر ہیں کہ منزل کو پہنچ کر
 جوں قافلہ ملکِ عدم آٹھ نہیں سکتا

دو رو کے لکھا خط جو آسے میں نے تو بولا
 اک حرف سر کاغذِ تم آٹھ نہیں سکتا
 ہر دم لبِ قنوارہ سے جاری یہ سخن ہے
 بانی نہ ذرا جس میں ہو دم آٹھ نہیں سکتا
 میں آٹھ کے کدھر جاؤں ، ٹھکانا نہیں کوئی
 میرا ترے کوچے سے قدم آٹھ نہیں سکتا
 مہندی تو سراسر نہیں پاؤں میں لگی ہے
 تو پھر عبادت جو صنم آٹھ نہیں سکتا
 نیار ترا صورتِ تصویرِ نہالی
 بستر سے ترے سر کی قسم! آٹھ نہیں سکتا
 میں شاہ سوار آج ہوں میدانِ سخن میں
 رستم کا سرے آگے قدم آٹھ نہیں سکتا
 کیا نیزہ ہلاوے گا کوئی اب کہ کسی سے
 یان تو سنرِ رہوارِ قلم آٹھ نہیں سکتا
 جوں غنچہ نصیر اُس بتِ گلارو کی جو ہے یاد
 یان سر ہو گریباں سے ہم آٹھ نہیں سکتا

۵۲

ہم سے مستی میں بھی 'خُم' کا نہ کاو ٹوٹ گیا
 تجھ سے پر صاقِ کم ظرف! سبُو ٹوٹ گیا
 شیخ صاحب کی نمازِ سحری کو ہے سلام
 حسنِ لیت سے مصلیٰ پہ وضو ٹوٹ گیا

بیچ و تاب اس دلِ صد چاک نے کھایا جو کوئی
 دستِ شائد سے تری زلف کا مٹو ٹوٹ گیا
 دیکھ کر کیوں کہ نہ ہو دہدہ سوزاں حیراں
 پیرہن کا مرے ہر تارِ رغو ٹوٹ گیا
 شمع و پروانہ میں تھا رشتہ الفت جو ہم
 سو وہ اے صبح ترا دیکھ کے رو ٹوٹ گیا
 کشورِ مصر میں قفلِ درِ چشمِ یعقوب
 آئی پیراہنِ یوسف کی جو ہو ، ٹوٹ گیا
 دستِ کاری تری معلوم ہوئی اے فصّاد
 فیشرِ رگ میں تو لیتے ہی لہو ٹوٹ گیا
 وانے اے شیشہ دلِ سینے میں مانندِ حیاپ
 ٹھیس سے اس نفسِ سرد کی تُو ٹوٹ گیا
 ساکھیا سرو کو کیا سنگِ حوادث سے کام
 یہ کبھی بن کے نہ مینا لبِ جو ٹوٹ گیا
 قلزمِ عشق میں پیہات لگاتے ہی ہاتھ
 صاف اپنا تو دم اے آئہ رو ٹوٹ گیا
 کلخِ دلہا جو ہے بازچہ طغلاں ہے نصیر
 کہ کبھو گھر یہ بنا اور کبھو ٹوٹ گیا

۵۵

پاؤں عزالت میں دلِ بے سر و ساماں پھیلا
 جوں گدا ہاتھ نہ تو پیشِ حسیناں پھیلا
 اشکِ سیلاب بھٹ کیا تہہ مڑکاں پھیلا
 طفلِ اہتر نے بے پاؤں بد داماں پھیلا

لے کے میں چشمِ گہریارِ جدمر جاتا ہوں
 ابرِ نیساں بھی وہاں آتا ہے داساں بھیلا
 کیوں نہ اب جلوۂ طاؤس دکھائے سینا
 ہر طرف ابر ہے اے یادہ پرستان بھیلا
 ماہِ نو دیکھ کے دل 'ملتجی' چرخ نہ ہو
 لکّ لبِ ناں کے لیے ہاتھ نہ ناداں بھیلا
 یوں تہہ زلف ہے واں خال کہ جوں دے صیاد
 دام میں دالہ ہے مرغِ خوش الحان بھیلا
 پاٹ دنیا کا بنا دامنِ صحرا پک دست
 سیلِ اشک آج غضبِ دیدۂ گریاں بھیلا
 خواہش وصل میں سر کر بھی لحد کے مانند
 ہم نے آغوش دیے ہیں بہ صد ارماں بھیلا
 دیکھ لینا تو نصیرِ ایک لیا چرخِ کبود
 دودِ آہِ معری گر شبِ ہجراں بھیلا

۵۶

خاک میں جب دفنِ مجنوںِ جانبِ ہاسوں ہوا
 دیدۂ آہو چراغِ تروتِ مجنوں ہوا
 جلوۂ رنگِ شفق جب مانیا افزوں ہوا
 چرخِ مینا نامِ میناے منے گلکوں ہوا
 آج اپنا مثلِ شاہاں باعثِ گردوں ہوا
 سر پہ تاجِ خسروی پہ گنبدِ واژوں ہوا
 ہے غرورِ حسن بے جا اے شہِ خوبانِ دہر
 عارضی دولت پہ کیوں تو وقت کا قاروں ہوا

شب کو اس کے وصل سے اے ساقی توبہ شکن
 کیا کہوں تجھ سے کہ کیا خوش بہ دل محزون ہوا
 ہوسہ خال لبِ جاناں کی کیفیت نہ پوچھ
 لشدہ سے زیادہ لشدہ انہیوں ہوا
 چشمِ خون افشان سے بھر آنے لگے اشکِ سید
 معدنِ یاقوت سے پیدا دُر مکنون ہوا
 ہم دکھائیں گے تماشا تجھ کو پھر سرورِ چمن
 دل سے گر سرزد ہمارے نالہ موزوں ہوا
 دل کو میرے کر کے مفتوں وہ لگے کہنے نصیر
 تجھ سے سحرِ سامری کیا چشم پُر افسوں ہوا

۵۷

سر پہ افسر چاہیے ، نے مسندِ زر زبرِ پا
 ہم گدا ہیں ، خاک کا کافی ہے بسترِ زبرِ پا
 وہ رکھے لختِ دلِ عاشق کو کیوں کر زبرِ پا
 پارۂ مینا کا رکھنا کب ہے بہتر زبرِ پا
 کہتے ہیں وہ ’مل کے میرے دیدۂ تر زبرِ پا
 ہم بھی طوفان ہیں کہ رکھتے ہیں مسندِ زبرِ پا
 فندقِ ہائے لگاؤں کا ترے میں ہوں شہید
 لاشہ ہے سر کو میرے رکھ ستمگر زبرِ پا
 دیکھ کر خالِ کفِ پا وہ نمر طلعت مرا
 کہہ رہا ہے چرخ سے ، رکھتا ہوں اخترِ زبرِ پا
 مایوں کو شوقِ بابوسی ہے تیرا شہسوار
 کیوں نہیں رکھتا رکابِ اس کو بنا کر زبرِ پا

غجہ کو کیا ہے قدر میرے لختِ دل اور اشک کی
 سنگِ دل رکھتا ہے تو یہ لعل و گوہر زہرِ با
 خاک ہو کر بھی ہوئی اُس کی نہ بابوسی نصیب
 کاش سنگِ آستان رہتا میں بن کر زہرِ با
 جائے عبرت ہے یہ دلیا غافلوا ڈرتے رہو
 تاج تھا جس سر پہ ہے وہ کاسہ زر زہرِ با
 اب تو لک مشقِ ستم سے ہاتھ اے ظالم اٹھا
 لوحِ قرأت کا نہ رکھ عاشق کے ہتھ زہرِ با
 خاکساری موجبِ عزت ہے ، گر سمجھے کوئی
 خاک میں مل کر رہوں یا رو نہ کیوں کر زہرِ با
 رہے افتادگی سے رہ بھائے خلق ہوں
 گرچہ ہوں جون نقشِ با میں خاک ہر سر زہرِ با
 بڑھ غزل اس بھر میں اک اور لکھ کر اے نصیر
 تو دُرِ مضمون رکھتا ہے سخن و زہرِ با

۵۸

تیغِ ابرو کھینچ مت اس دل کو رکھ کر زہرِ با
 آہ کش رکھتا ہے چوبِ خشک دلیر زہرِ با
 گو جدا ہیں ، پر قریے ہم یوں ہیں دلیر زہرِ با
 دوہر کو سایہ جون رہتا ہے مل کر زہرِ با
 دسترس ہوتی کبھی ہم کو قریے گر زہرِ با
 رفتہ رفتہ تو بنائے گھر مقدر زہرِ با
 ابرو سے دلدار ہر اے دل نہ رکھ ہاے خیال
 تیغ کو رکھتے نہیں ہیں اہلِ جوہر زہرِ با

تیرے دہوائے سے ہے ہر گام پر برہا غلش
 خارِ صحرائے جنوں مارے ہے نشترِ زہرِ ہا
 خاکِ آسِ صیّاد سے ہو فارغِ البالی نصیب
 جو اسپروں کو ملے ہے توڑ کر پر زہرِ ہا
 فرشِ خاکستر پہ وہ بے بات سوتے ہیں بڑے
 روز و شب رہتی تھی جن کے مستندِ زو زہرِ ہا
 گھر میں درویشوں کے مت سمجھو یہ نقشِ بوزیا
 موجِ زن ہے ہر ہابوسی مستندِ زہرِ ہا
 تیرے ہی نزدیک کچھ رتبہ مرا ہالا نہیں
 ورنہ ہلبل تو رکھے ہے 'گل کو اکثر زہرِ ہا
 چھوڑ کر ان کو قدمِ مت رکھ سرِ فرشِ گلیم
 اپنی میں رکھتا ہوں آنکھیں تیرے دلبرِ زہرِ ہا
 اپنے 'تو آسودگانِ خاک کی مت خاک کو
 کچھو پامال رکھ کر اے مستکرا زہرِ ہا
 فتنہ خواہید گر جاگا تو ظالم دیکھتا
 دفعتاً ہوگا ترے اکہ شورِ محشرِ زہرِ ہا
 تیسری بھی بڑے غزل بزمِ سخنداں میں نصیر
 جس میں ثابت ہو بہ رنگِ طرزِ دیگرِ زہرِ ہا

۵۹

کب ہے کفشِ ہشتِ مابئی تیرے دلبرِ زہرِ ہا
 ماہِ یہ ہابوس ہے قالبِ خمی کر زہرِ ہا
 میرے قالے کے نہ کیوں ہو چرخِ اخضرِ زہرِ ہا
 خطبہِ خوانِ عشق ہے، رکھتا ہے منبرِ زہرِ ہا

کہ فلک سر کو رکھیں اپنے نہ کیوں کر زیرِ پا
 تھا تمہارے پا علیؑ دوشِ پیہرؑ زیرِ پا
 خوب روتا، ہوں، مصیبت رفتاں کی یاد کر
 جب کوئی آجائے ہے رستے میں کٹکر زیرِ پا
 اے سلیمانِ زمان باز آ کہ ہوں مورِ ضعیف
 دیکھ جائے دے، نہ مل تو مجھ کو رکھ کر زیرِ پا
 خال تیرے لب پہ ٹھہرا کس طرح ہے ورنہ یاں
 جوں سہند آچھلے ہے وہ، ہو جس کے اٹکر زیرِ پا
 عیبِ خود بینی نہ تھا معلوم آس کو ورنہ یاں
 آئے کو لوڑ کر رکھتا سکندرِ زیرِ پا
 مزرعِ دلیا میں وہ ہی عاقبت سرسبز ہے
 دالہ ساں جوں خاک میں رہتا ہے مل کر زیرِ پا
 صاف دل کے آگے رتبہ سربلندوں کا ہے پست
 آب میں آنا نظر ہے چرخِ اخضرِ زیرِ پا
 وہ شد ہر دوسرا اپنا ہے ختمِ المرسلینؑ
 دیدہ کولین ہو آس کے نہ کیوں کر زیرِ پا
 مہ کے دو ٹکڑے کہے جس نے پہ یک انگشتِ دست
 ہو گیا تنہا نہ تھا کچھ موم پتھرِ زیرِ پا
 چشمِ حیران بند کیا کشتہ کی تیرے ہوں کہ جب
 تو رکھے تصویرِ مانی کو ستم گر زیرِ پا
 بوسہٴ روئے غلط کیوں نہ لے ہندوئے زلف
 مار کھاوے جو رکھے مصحف کو کائرِ زیرِ پا
 دولتِ دنیا ہے کیا نام آوروں کے آگے مال
 دیکھ لو رکھتا نکلیں ہے خاتمِ زرِ زیرِ پا

مٹلِ بازی گر دکھا اُس کو تماشا آج اشک
تارِ مڑگان رکھ کے چل اے طفلِ اترِ زہرِ ہا
کوئی اب انداز کی بھی بڑھ غزل ہاں اے نصیر
سن چکے دریائے معنی کے شناور زہرِ ہا

۶۰

لو لگ رہی ہے جس سے وہ شمعُ رو نہ آیا
بل بے تری شرارتِ پاں تک کبھو نہ آیا
تک رحمِ اُس کے دل میں ہرگز کبھو نہ آیا
ہم خوب روئے تو بھی وہ خوب رو نہ آیا
ہو اُس دہن سے روکشِ سیلی صبا کی کھائی
غنجے کے آہ منہ سے کس دم لہو نہ آیا
دندانِ دکھا کے مت ہنس اے بچیہ گریباں
چاکِ جگر کا ہم کو طورِ رفو نہ آیا
کیا جانے یہ کیا تھا کس منہ سے روکشی کو
آئینہ واں سے لے کر خاکِ آبرو نہ آیا
ہر گشتہ بخت ہم وہ اِس دور میں ہی ساقی
لب تک کبھو ہمارے جام و سیو نہ آیا
موجِ سرشک سے ہے رونقِ لبائے تن کی
کیوں کر کہوں کہ اُس کو کارِ اتو نہ آیا
آخر کو کہکشاں سے شب کو وہ مانک نکلی
اِس بات میں ہماری فرق ایک مو نہ آیا

کشتیِ دل تو دائمِ موجِ خطر میں ڈوبی
 چیں بر جہیں ہو کس دم وہ روبرو نہ آیا
 کیوں کر یہ ہاتھ اپنا پہنچے گا تا گریباں
 دستِ خیال جس کے دامن کو چھو نہ آیا
 اپنی بھی بعدِ محبتوں یارو ہوا بندھی ہے
 لے گرد بادِ خیمہ کب کُتو بکُتو نہ آیا
 نا محرموں سے تم نے کُھلوائے بندِ محرم
 تو بھی میں آہ لے کر کچھ آرزو نہ آیا
 خال آس کے لب پہ یارو کیا وجہ جو نہیں ہے
 کوثر پہ کیوں بلالؓ اب بہرِ وضو نہ آیا
 افسوس دل رہا یہ محرومِ داغِ حسرت
 بھونرا بھی سونگھنے کو آس گل کی بو نہ آیا
 دل سے جدا ہو کیوں کر اپنے یہ داغِ حسرت
 افسوس ہے کہ یاں تک تو لالہ رو نہ آیا
 تھی یا تو ہم سے تجھ کو اخلاص کی وہ صورت
 یا فاتحہ بھی پڑھنے مرقد پہ تو نہ آیا
 ہر دم نصیر رہ تو امیدوارِ رحمت
 تیری زباں پہ کس دن "لا تقنطوا" نہ آیا

اشک کیا دیدہ تر سے سرِ مڑکاں نکلا
 نورِ چشم آس کو سمجھتے تھے یہ طوفان نکلا
 آہ دل سے نہ غمِ دوریِ جاناں نکلا
 صاحبِ خانہ بنا، گھر سے نہ مہاں نکلا

یہ نہیں شعلہ دلِ شمع سے ہاراں نکلا
 ناوکِ عشق کا سینے سے ہے پیکان نکلا
 لغتِ دل چشم سے نکلتے ہے ، تعجب ہے مجھے
 تھا صدف سے نہ کبھو لعلِ بدخشان نکلا
 چاکری کون سے خوش قد کی کرے گا اے سرو
 تو کمر سے ہے جو باندھے ہوئے داماں نکلا
 بانگِ نافوس ہوئی شیخ کو لبیکِ حرم
 بخدا جب بتِ غارت گرِ ایمان نکلا
 کس گلِ اندام کی ہے تنک دہانی کا خیال
 غنچہ گل جو صبا سر پہ گریباں نکلا
 حلقہ زلف میں تھی تابِ رخِ آس کی یہ دو چند
 شب کو ہالے میں نہ ہرگز میرِ تاہاں نکلا
 بھرتے ہیں سینہ پُر داغ کو ہم تو کھولتے
 ہر نہ تو بہرِ کماشاے چراغاں نکلا
 مصحفِ رخ ہے بغل میں لیے دیکھو وہ خال
 جس کو سب کہتے تھے ہندو ، وہ مسلمان نکلا
 مطلعِ ابرو سے دل دار کو دیکھا جو نصیر
 تو ہلائی کا نہ جزدان سے دیواں نکلا

۶۲

فریدوں کوئی یا کہ بھرام ہوگا
 ولے عاقبت گور سے کام ہوگا
 جو تو ہی نہ دل میں دل آرام ہوگا
 تیرِ خاک بھر خاک آرام ہوگا

دلا اُس کی کاکل سے رکھ جیسے خاطر
 پریشان سے حاصل کب اک دام ہوگا
 نہ سمجھو کہ آغازِ خط عارضی ہے
 خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا
 چہا زلف و رخ زاہد و برہن سے
 ابھی قصہ کفر و اسلام ہوگا
 میں وہ صید ہوں ہاں تماشے کو جس کے
 کھلا دیدہ حلقہ دام ہوگا
 آن آنکھوں کا اے مردماں میں ہوں کشتہ
 مری خاک سے نخلِ ہادام ہوگا
 جوانی میں کر قد ترا ہے قیامت
 پھر آخر الف صورتِ لام ہوگا
 مرے دل سے چشم اُس کی کیوں کر جدا ہو
 جہاں ہوگا شیشہ وہیں جام ہوگا
 لکیں گی وہیں چہت سے آنکھیں پھر انہی
 نہ تیرا گزر کر نصبِ بام ہوگا
 نصیر اُس کوڑی بھول بیٹھیں گے پھر ہم
 بفل میں وہ جس دم گل اندام ہوگا

”مرد آنکھوں میں تجھے جب سے کہ منظور ہوا
 روز بھار کا تیرے شبِ دیہور ہوا
 چارہ زخمِ جگر وہ ”رخِ ہر نور ہوا
 جلوۂ صبح ہیں سرہر کافور ہوا

چمنِ دہر میں شبنم ہی نہ کچھ گریاں ہے
 گل بھی زخمی ترے ہاتھوں سے غرض چور ہوا
 خاک ہو کر بھی گئی آہ نہ گردشِ اسوس
 جامِ جمشید بنا کاسہٴ قنفور ہوا
 آہ اے ضعف کہوں کیا کہ ترے ہاتھوں سے
 دو قدم بھی مجھے چلنا سفرِ دور ہوا
 حیف اک دن بھی نہ پیمانہ کشی کی ساق
 ہم کو اتنا بھی نہ اس دور میں منظور ہوا
 ایک عالم کے ہوئی سر پہ قیامت برپا
 قامتِ ہار کا جس یزم میں مذکور ہوا
 روئے جب خاک کے اس لرکسِ غمور کو ہم
 جو کرا اشک سو وہ دانہٴ انکور ہوا
 خط کے آنے سے سرمو نہ رہے گا یہ حسن
 عارضی مال پہ کیوں اہنے تو مغرور ہوا

قطعہ

حشر برپا نہ ہو کیوں مرنے سے سرداروں کے
 اس طرح نام کسی کا نہیں مشہور ہوا
 خلق کہتی تھی کہ خورشید ہے اک نیزے پر
 جلوہ گر دار پہ جس دم سرِ منصور ہوا
 باغ میں سب سے چرائی ہیں جو آنکھیں تو نے
 شاید آسیب مجھے لرکسِ غمور ہوا
 اس کی نوکِ سرِ مژگاں سے مشبک ہو نصیر
 آہ ایک لختِ جگر خانہٴ زنبور ہوا

دل کو کس صورت سے کیجے چشمِ دلبر سے جدا
 شیشہ سے کو نہیں دکھتے ہیں ساغر سے جدا
 میں تو ہوں اے طالعِ برگشتہ دلبر سے جدا
 اور پتھر آسیا کا ہو نہ پتھر سے جدا
 اس کے بھرِ حسن میں مت چھوڑ اے دل تارِ زلف
 غرق ہو جاتی ہے کشتی ہو کے لنگر سے جدا
 عشق میں شیریں کے تو نے جان شیریں دی ہے آہ
 نقشِ تیرا کوہ کن ہو کیوں گد پتھر سے جدا
 چشمِ بد تجھ سے ہے یارب تا نہ ہو لیل و نهار
 چشمِ اس پردہ لشیں کے رخسارِ در سے جدا
 کندہ اس میرے نکینِ دل پہ تیرا نام ہے
 اس کو اپنے خاتمِ دل کے نہ کر گھر سے جدا
 اس کو کہتے ہیں محبتِ شیشہ ساعہ کو دیکھو
 ایک کے ہوتا نہیں ہے دوسرا ہر سے جدا
 وہ آدھر خندان ہے ، میں گریاںِ آدھر ، حیرت ہے یہ
 برق چمکے ، ابر کرچے اور مینہ برے جدا
 صورتِ بادامِ توام روز و شب ہوتا نہیں
 چشمِ دلبر کا تصور چشم کے گھر سے جدا
 سوزنِ بے رشتہ آتی ہے کسی کو کب نظر
 تو نہ ہوائے آہ دل اس جسرِ لاغر سے جدا
 پردہ مینا سے ساقِ دختِ رز نکلتے ہے کیوں
 آفتابِ خاوری ہوتا ہے خاور سے جدا

اُس کی مڑگاں سے چھڑاؤں دل کو کس صورت سے میں
 پنچہ شاہیں نہیں ہوتا کبوتر سے جدا
 تاب اُس چمپا کلی کی یوں ہے تگمے کے تلے
 جوں کرن چمکے ہے ہو کر مہرِ الور سے جدا
 اشکِ چشمِ تر کو رہنے دوں تہہ مڑگاں نہ کیوں
 طفل کو کرتے نہیں دامنِ مادر سے جدا
 اس زمیں میں لکھ غزلِ اک اور بُہرِ معنی نصیر
 رنگِ یعنی (ہو نہیں سکتا) گلِ تر سے جدا
 اس غزل کو سن کے خاقانی کرے وجد اے نصیر
 انوری بھی سر کو اپنے ہتکے پتھر سے جدا

۶۵

نہ کیوں کہ اشکِ مسلسل ہو رہنا دل کا
 طریقِ عشق میں جاری ہے سلسلہ دل کا
 دکھا کے دستِ حنائی نہ خوں بہا دل کا
 کہ اور رنگ سے لون گا میں خوں بہا دل کا
 میں طفلِ اشک کو مڑگاں پہ دیکھ حیراں ہوں
 کہ فورِ دیدہ ہے یا ہے یہ ہالکا دل کا
 تو آئے پہ نہ اپنے کر اے سکندر ناز
 کہ ہم بھی رکھتے ہیں جامِ جہاں نما دل کا
 بہشت پہنچے ہے زاہد! کب اس کی وسعت کو
 عجب روش کا ہے یہ باغِ دل کشا دل کا
 جیا ہوں سر بہ گریباں کہ اس کے دامن تک
 نہ پہنچا آہ کبھی دستِ نارسا دل کا

ترے خدنگِ مڑے سے ہے یکِ قلمِ مجروح
 نہ بوجھ اے بتِ بد کیش! ماجرِ دل کا
 لگائی کسی بتِ مے نوش نے ہے تاک اس پر
 سب بدوش ہے ماتی جو آبلہ دل کا
 ہزار بین کہیں کیوں نہ اہلِ بینائی
 کہ صاف بوقلمون ہے یہ آئنا دل کا
 بھارتیہ کو دکھائیں گے ہم بھی اے گلِ رو
 کسی روش سے جو غنچہ کبھی کھلا دل کا
 ظہورِ جلوۂ معبود ہے ہر صورت
 رکھا ہے نامِ بیبا خانہٴ خدا دل کا
 رواقِ چشم میں مت رہ کہ ہے مکانِ نزول
 ترے تو واسطے یہ قصر ہے بنا دل کا
 قرار و طاقت و صبر و خرد ہوئے سب گم
 تمھاری زلف میں ابتر ہے حال کیا دل کا
 کہیں گے ہم یہ سراسر جو کوئی بوجھے گا
 سوادِ ہند میں 'لوٹا' ہے قافلا دل کا
 نہ کیوں کہ آہ سے خاطر نشان ہو اب میری
 کہ تیر یہ نہیں کرتا کبھی خطا دل کا
 ہمارے داغ سے بھولے کو کیا بھلا نسبت
 کہ وہ ریتی ہے گل کا، یہ آشنا دل کا
 لگا نہ دل کو تو اپنے کسی سے دیکھ نصیر
 برا نہ مان کہ اس میں نہیں بھلا دل کا

کھول زلفیں آئے کو اس نے دکھلائی گھٹا
 آج دریا پر دلا اس شکل سے چھائی گھٹا
 اس کو مت سمجھو تم اے بادہ کشان تھریر شوق
 ہائے در زنجیر ہے یہ بن کے سودائی گھٹا
 گر دھڑی مٹی کی دیکھے اس کے ہوللوں پر جمی
 رنگ بھر بدلے نہ زبر چرخ مینائی گھٹا
 نغمہ سنجی تم کرو اے ہم صفیرانِ چمن
 اس گرفتارِ قفس کو کیا اگر آئی گھٹا
 سیر گل گشتِ چمن کیا میں نے کی اے سرو قد
 اک قیامت میرے سر پر بن ترے لائی گھٹا
 ہجر میں اس گل بدن کے دل گھٹا جاتا ہے آہ
 کہا دکھانا ہے تو اے طاؤسِ صحرائی گھٹا
 اس کو اپنی مت دکھا شانِ جلال اب اے نصیر
 دیکھنے آئی ہے تیری عالم آرائی گھٹا

تم اپنے دل کے سوا مت لو نام شیشے کا
 کہہ لیں گے ہم اسی پتھر سے کام شیشے کا
 ہلا دے ساقی کوثر شرابِ عشق مجھے
 زباں یہ ذکر رہے ہے مدام شیشے کا
 نہ کیونکہ دل کو ہو دل ہستی اس ابھو سے
 سوائے طاق نہیں ہے مقام شیشے کا
 مقامِ دیدہ عاشق کی صبر کرے دید
 کہہ کیا ہی گھر یہ بنا ہے تمام شیشے کا

حباب پہنچے ہے کب اس دلِ مصفا کو
 جہاں نما ہے یہ ساغر، وہ جامِ شیشے کا
 یہ منہ سے لک کے دکھاتا ہے مجھ کو کیفیت
 نصیر دل سے ہوں میں تو غلامِ شیشے کا

۶۸

دل سے اس زلفِ سیہ کا تو نہ مذکور کیا
 لیکن آنکھوں سے وفارِ شبِ دیبور کیا
 سر کے دلیا سے ترا عاشقِ رنجور کیا
 حیف تو ہاتھ اٹھانے نہ سرِ گور کیا
 زخمِ کل کا نہ ہوا قطرۂ شبم سے علاج
 یارب! ایسا اثرِ مرہمِ کافور کیا
 سر سے جون نقشِ قدم ہاتھ اٹھایا جس نے
 تبرے کوچے سے وہ کب آٹھ کے بہ مقدور کیا
 آج گر تو نہ مکندر ہو تو یہ حیرت ہے
 آئندہ صاف یہ آئینِ دگر کھور کیا
 لو لگائے تو ہے اس شہرتِ خورشید سے ہر
 خاک ہو شمع کہ آڑ منہ کا ترے نور کیا

الطعمہ

کل بفل میں لیے وہ طفلِ فرنگی بوتل
 سیرِ گلی گشت کو کاشن میں جو مخمور کیا
 برقِ ہوا تھی لے کر کے مماسی کا نشان
 رعد کا ابر بھی چھوڑے ہوئے طنبور کیا

کیوں نہ دل ٹکڑے ہو اس دور میں اپنا کہ نصیر
جامِ جہشید گیا ، کلمہٴ فغفور گیا

۶۹

قابل ہوں رفو کاریٴ الفت کے پتر کا
ہے سوزنِ مڑگاں میں سدا تارِ نظر کا
کس کے رخِ روشن کی ہوسِ دل میں ہے یارب
رشدِ گلِ خورشید ہے ہر داغِ جگر کا
کعبے سے غرض اُس کو نہ بت خانے سے مطلب
عاشق جو ترا ہے ، نہ ادھر کا نہ ادھر کا
قطراتِ عرق سے ہے تماشاے رخِ یار
کیا سرو چراغاں ہے وہ آنکھ کے گہر کا
نقشِ قدمِ ناقہٴ لیلے سبک رو
مخونِ جہاں گرد کو تعویذ ہے سر کا
دکھتے ہیں طلبِ جام کی اس دور میں کم ظرف
لوگس نہیں مشتاق ترے ساحرِ زر کا
نیند آڑ گئی آنکھوں سے تصور میں ترے رات
احسانِ لیا سر بہ ہوا بالشرِ ہر کا
طفیقِ گریہ سے بنی عینکِ گرداب
یعقوبِ ثناخواں ہے سرے دیدہٴ تر کا
آسودہ تیر دامنِ ساحل ہے سدا موج
منزلِ میں ہے وارستہ کو آرامِ سفر کا
مرگرم نصیر اُس کو میں دیکھوں ہوں سفر میں
ہستی سے قدم ہنستے ہی باہر ہے شرر کا

ہے باعثِ آسائش و آرام نصیرِ آہ
سر کو سر زانو سے ستم کار نہ سرکا

۷۰

کھینچ کر ترکش سے ناوک جب کہ قاتل رہ گیا
منہ میں رکھ الگشتِ حسرت دیکھ کر دل رہ گیا
غنجہ کہیے اُس دہن کو یا کہ اب 'درجِ کنہر'
کچھ کھلا عقدہ نہ یہ، تھا سخت مشکل رہ گیا
دیکھ کر ساغرکشی کو میری دریا پر حباب
منفعل ہو کر تیرِ دایمانِ ساحل رہ گیا
لے گیا دے ایک ہوسہ عقل و دین و دل وہ شوخ
کیا حساب اب کیجے کچھ اپنا ہی فاضل رہ گیا
اُس کے عارض سے جو سر کی زلف ٹک ہنگامِ خواب
شب کو 'منہ اپنا ما لے کر بدرِ کابل رہ گیا
اُس لبِ جان بخش سے ہیں اور تو سب کلیاب
وایے قسمت ایک میں ہوے کا سائل رہ گیا
دیکھ کر چہرہ 'مخطط اُس مہرِ بے مہر کا
آئندہ صاف اپنی لے کر فردِ باطل رہ گیا
ساتھ اشکوں کے نکل کر سینہ' سوزاں سے آہ
سایہ' غفلِ مرہ کو دیکھ کر دل رہ گیا
دل میں جلتا ہے صرے تب سے چراغِ داغِ عشق
جب سے تو اس گھر میں آکر شمعِ محفل رہ گیا

کچھ نہ ہوچہ اب ماجرا اس ناتواں کا اے نصیر
قافلہ منزل کو پہنچا ، میرِ منزل رہ گیا

۷۱

وہم عاشق کو نہیں تیرے ذرا آتش کا
جون خلیل اس کو ہے گلزار سدا آتش کا
شمع کیوں کر نہ سنی ہو کے جلے اس غم میں
کون پروانے سوا بار ہوا آتش کا
گرہہ چشم نے اور آگ لگائی دل کو
ورنہ اس گھر میں کہیں ذکر نہ تھا آتش کا
داغِ دل کا مرے جز بہتہ نہیں اور علاج
رکھے ہے مرہمِ کافور جلا آتش کا
بیتے ہی جرعہ سے ہو گیا سینہ بھی کباب
ساقی ! اس آب نے تو کام کیا آتش کا
اے نصیر اور غزل در غزل اس بحر میں کہہ
آبرو چاہے تو مت چھوڑ ولا آتش کا

۷۲

دلِ سوزاں کو مرے خوف ہے کیا آتش کا
ہوں سمندر کی طرح میں تو ہلا آتش کا
داغِ دل اپنے کو روؤں نہ کروں کیا سچ ہے
دوڑے ہے ہانی کو ، کہتے ہیں جلا آتش کا

ہر کل انکارہ ما دیکھے ہے جو اے بلبل ! آج
 شاید اس باغ میں ہے بھول پڑا آتش کا
 آتشیں لب کو نہ چوم اس کے تو اس ریش بہ شیخ
 بھوس کے پاس بھلا کام ہے کیا آتش کا
 شمع آگے ترے جل بل ہوئی ہانی ہانی
 تجھ کو دیکھ آبِ جہاں زہرہ ہوا آتش کا
 نگہ اک ایسی ہی چٹاق سے جھاڑے دل پر
 وہ فرنگی بچہ شعلہ ہے ترا آتش کا
 آہ کیوں نکلی ترے منہ سے اب اس وقت نصیر
 ہم نے جانا کہ کوئی شعلہ اٹھا آتش کا

۷۳

ہقین ہے کوئی دم وہ کر کے میرا خون نہ ٹھیرے گا
 میں اپنے جوں حنا کر ہاتھ بھی باندھوں ، نہ ٹھیرے گا
 گر اپنی چشمِ طوفاں زا ہے اک دم خون نہ ٹھیرے گا
 ہلالِ چرخ بن کر کشتیِ جیہوں نہ ٹھیرے گا
 اگر کاٹا کوئی دامن کشتیِ مجنوں نہ ٹھیرے گا
 تو مجنوں بھی گریباں بھاڑ کر ، لکھ دوں ، نہ ٹھیرے گا
 ٹھہرنا خال کا اس لب پہ اک معجز نمائی ہے
 سپندِ اخگر پہ رکھ دیکھو ، کبھی بھی یوں نہ ٹھیرے گا
 تم اپنے حسن پر مغرور مت ہو اے شیرِ خوباں
 یہ مالِ عارضی گنجینہٴ قاروں نہ ٹھیرے گا
 غلط فہمی ہے آہو ، کی کرے گر اس سے ہم چشمی
 دکھا دو گے جہاں تم چشمِ پُر افسوں ، نہ ٹھیرے گا

ہرنگِ طائرِ سیاب ہے بے بال و پر گرچہ
 دلِ مضطر کو بے تیرے جہاں رکھوں ، نہ ٹھیرے گا
 صبا کیا آبرو ہو اُس کی جو ہووے تنک مایہ
 چمن میں قطرۂ شبم 'درِ مکنوں نہ ٹھیرے گا
 ہوا پر ہے یہ بنیادِ مسافر خانہ ہستی
 نہ ٹھیرا ہے کوئی پاں اے دلِ محزون ، نہ ٹھیرے گا
 کہے تھا وقتِ شب وہ مہر طلعت دیکھ کر مہ کو
 یہ داغی ہے غلام اپنا کہیں بچوں نہ ٹھیرے گا
 حبابِ آسا ہی دم میں قصرِ تن کیا بیٹھ جاتا ہے
 زمیں پر ہی کسی دن کُنبدِ گردوں نہ ٹھیرے گا
 نصیر اک اور لکھتا ہوں غزل اس بحر میں ایسی
 کیمتِ خامہ کو کیوں کر میں ٹھیراؤں ، نہ ٹھیرے گا

۷۴

ہگولہ جب کہ ہمرہ جانبِ پاموں نہ ٹھیرے گا
 ہواخواہوں میں تیرے کوئی پھر مجنوں نہ ٹھیرے گا
 نہ ہوچھو ماجرا اشکِ سرِ مژگانِ عاشق کا
 کہ نوکِ خار پر شبم کا قطرہ یوں نہ ٹھیرے گا
 زمیں پر خلق کو اس سنگِ دل نے پس ڈالا ہے
 کبھی جوں آسیا پھرنے سے یہ گردوں نہ ٹھیرے گا
 ہرنگِ ہل ہے یہ بحرابِ خمِ شمشیرِ قاتل کی
 کہ جس میں کوئی دم کشتوں کا بحرِ خوں نہ ٹھیرے گا

یہ گردشِ تیری چشمِ مست کی دورِ نیامت ہے
 کفِ ساقِ بہ جامِ بادۂ گلگون نہ ٹھیرے گا
 یہ عالی جاہ ہے ، اس کی پہنچ ہے عرشِ اعظم تک
 کیہو لب پر بہارا لالہٴ موزوں نہ ٹھیرے گا
 تیرے مژگانِ چشمِ تر بہ لختِ دل جو ٹھیریں گے
 تو سُرخابِ ایک بھی ہرگز لبِ جہجھوں نہ ٹھیرے گا
 شرابِ نرگسی کا کھینچنے والا ہے کیا گھر میں
 نکلو اپنی آنکھیں یا دلِ محزون نہ ٹھیرے گا (کذا)
 صبا یہ وہ عمل ہے . . . کہ طفلِ غنچہٴ لالہ
 چمن میں بھی گرہ میں پاندہ کر انیوں نہ ٹھیرے گا
 نصیر اس اپنے دامِ فکر میں عتقائے معنی ہے
 بھلا دیکھیں تو کیوں کر طائرِ مضمون نہ ٹھیرے گا

۷۵

سرگرمِ نالہ ہونے دے مجھ کو سحرِ صبا
 ٹھنڈی چمن میں سانس نہ پھر اس قدر صبا
 ہم تو چمن میں ایک ہوا خواہ ہیں تیرے
 دامن کشیدہ پھرتی ہے ہم سے کدھر صبا
 نرگس کی چشمِ زود میں سرموں وہی ہے بھول
 تجھ کو بھی کچھ بسنت کی ہے اب خبر صبا
 نامہٴ تجھے لکھوں ورقِ برگِ گل بہ میں
 اے گلِ غدا! ہووے اگر نامہٴ ہر صبا

بلبل کو کچھ چمن میں نہیں احتیاجِ دام
 بالندہ ہے رشتہٴ رگِ گلِ بال و ہر صبا
 شبم نہیں بڑی ہے گلستان میں صبح دم
 دامنِ برگِ گل پہ لکھے ہیں گھر صبا
 نیرنگیِ زمانہ نہیں ایک شکل ہر
 غنچہ لے ہے دوش پہ رختِ سفر صبا
 آوروں کو دے یہ مژدہٴ فصلِ بہار آہ
 کنچِ قفس میں اب تو بہارا ہے گھر صبا
 مت بوجھ عشق میں جو غذا ہے نصیر کی
 جوں غنچہ پی رہا ہے وہ خونِ جگر صبا

۷۶

مری آہِ جگر سے کیوں نہ ہووے اب اثر پیدا
 وہیں تو شیر رہتا ہے جہاں ہوتا ہے سر پیدا
 تمناٴ عشق کی رکھنا غلط فہمی ہے پیری میں
 کہیں افسردہ خاکستر سے ہوتا ہے شرر پیدا
 رگِ جان کے تئیں مجنوں کی کیا فصاحت پہچانے
 مڑے سے چشمِ لیلیٰ کے ہے آس کو لیشر پیدا
 تعین سے لکل اس بیضہٴ افلاک کے اے دل
 تہمتِ عرش پر اڑنے کا ہے ، کر بال و ہر پیدا
 خدا حافظ ہے بحرِ عشق میں اس دل کی کشتی کا
 کہ ہے چینِ جبینِ بار سے موجِ دگر پیدا
 گدا کو کیوں نہ سیاحی کی لذت ہو کہ ہوتا ہے
 لیا دانہ ، لیا پانی ، لیا اک اور گھر پیدا

جہاں تک خاک کا رتبہ ہے اس عالم میں اب جس سے
 کیا ہے شیشہ ساعت نے اسبابِ سفر پیدا
 دھرا ہے اشک کس کی چشم میں جز دیدہ عاشق
 نہیں دیکھا ہے یہ ، ہر اک صدف سے ہو گہر پیدا
 فقط کچھ طور پر جلوہ نہ تھا ، آئینے میں بھی ہے
 نصیر اس کی تجلی ہے یہ آئینِ دگر پیدا

۷۷

منون ہوں میں اپنی اس چشمِ خوں فشاں کا
 دامن کا ہے جو تختہ تختہ ہے گلستان کا
 گردش میں کیوں نہ اختر ہو ماہِ آماں کا
 شب یہ غلامِ داغی بھاکا ہے تیرے ہاں کا
 نظارہ کیوں کہ کیجئے گلِ ہائے بوستان کا
 ڈر اے صبا ہے ہم کو اس شوخ ہدکوں کا
 کہنا تھا چاک در سے کیوں تو نے آگے جھانکا
 ہے جی میں کیل دیئے منہ تیرے دارباں کا
 ہم دل کو جانتے تھے یہ خالہ خدا ہے
 آنکھوں کے دیکھتے ہی گھر بن گیا بتاں کا
 بستر سے لگ گیا ہے مانندِ نقشِ قالی
 ایسا ہے حال تیرے بیمارِ ناتوان کا
 بامِ قفس تک اڑ کر صیاد کیا وہ پہنچے
 جو مرغِ ناتوان ہو محتاجِ نردبان کا
 منہ ہر تو اور ہیں یہ اور بیشہ پیچھے کچھ ہیں
 مشتاقِ دید ہووے کون آئندہ رخاں کا

جون نقشِ پا زمیں سے آنکھ اپنی لگ رہی ہے
 شاید سراخ ہاؤن یارانِ رفتگان کا
 شاخِ نبات کی وہ ہرگز نہ بات ہو چھے
 ہووے جسے میسر ہوئے شکر لبان کا
 خال جیہی ہے اُس کا عرشِ ہریں کا تارا
 ہاتا بلند مضمون ہے کلمِ نکتہ دان کا
 کیوں عشق میں نہ تیرے دل اپنا چاک ہووے
 اے رشکِ ماہِ بہ بھی ٹکڑا ہے اک کٹان کا
 دیکھیں تو ہوویں حیرانِ یافتہ اور لہلہ
 اُس لب پہ ہے یہ جلوہ رنگِ مہی و پاں کا
 موبان سرخ تیری چوٹی کا اک ہلا ہے
 کیوں کر اثر نہ اس میں کالے کی ہو زباں کا
 دنیا بھی ہے عزیز و غفلت کا کارخانہ
 کس سے عدم کے ہو چھوٹ احوالِ ریزوان کا
 آتی نہیں صدا بھی کالوں میں کچھ جرس کی
 جاتا ہے چپکے چپکے یہ قافلہ کہاں کا
 دل بن رہا ہے تیرے ہاتھوں سے گنبدِ اپنا
 اُس کو زمیں کا رکھا تو نے ، نہ آسمان کا
 لکھ اور اک غزل وہ اس بحر میں نصیر اب
 ہانی، بھرے سحابی، دم بند ہو فغان کا

اے رشکِ ماہِ کہاں ہے خطِ شب کو کہکشاں کا
 نالے سے میرے شق ہے گنبدِ یہ آسمان کا

زخمِ کہن بھی تیرے ہنستا ہے عاشقان کا
 باور نہیں تو دیکھ اب دلدان کما ہے ٹالکا
 سمجھے ہے صاف طینت خاک اوج سرکشاں کا
 پانی میں دیکھو رتبہ ہے پست آسماں کا
 ٹوٹے نہ آس سے کر ہوں آشنا فغاں کا
 نشو و ترا یہ ہنکی ہے میرے استخوان کا (کذا)
 تھے دن عجب النہی وہ بھی معاملے کے
 ہم نے ادھر سے دیکھا، آس نے ادھر سے جھانکا
 گو دھیان آس کمر کا ہم کو رہا ہمیشہ
 بھر کیوج کچھ نہ پایا عتقا کے آشیان کا
 دل شقی رہا ہے تیرے ہاتھیوں سے گنبد آسا
 اس کو زمیں کا رکھا تو نے نہ آسماں کا
 آغوش میں یہ لے کر اک دم میں چھوڑ دی ہے
 کیا خاک ربطِ آفت ہو تیرے سے کہاں کا
 جلد آ کہ روح تن سے عزم سفر رکھے ہے
 رہنے کا کیا بھروسہ اس گھر کے میہاں کا
 محفل میں اپنی شب کو شمع لگن کو دیکھو
 احوال ہو جھٹتے ہو کیا سرگزشتگان کا
 جوہن نہیں وہ آس کا، عالم ہے وہ نہ اپنا
 فصلِ بہار گزری، موسم ہے اب غزاں کا
 لختِ جگر کو دیکھ اس پہل سرشک میں تو
 دریا میں کب ہے عالم یہ کشتیِ رواں کا
 از بس کہ سرو گلشن ہے قمریو نکلیا
 لیکن عجب روش کا اپنا ہے بار ہالکا

بردے کی وجہ کچھ تو معلوم ہو ہمیں بھی
تم نے نصیر سے کیوں دامن سے منہ کو ڈھانکا

۷۹

بہ خلوت گاہ دل گر جلوۂ دل دار ہو پیدا
لرغِ آفتاب از رختہ دیوار ہو پیدا
جلا دے عشق کی آتش کہیں تو پر رگ تن سے
بسانِ شمع سوزاں رشتہ زتار ہو پیدا
تسلی ہوئے پیراہن سے کیا یعقوبؑ کی ہووے
نماشائے جو یوسفؑ بر سر بازار ہو پیدا
جراغِ چشمِ ماہی کی بھٹ ہو آب میں روشن
برنگِ آئینہ جب دیدہ بیدار ہو پیدا
بغیر از آہ ہوتے ہیں رواں کب اشک آنکھوں سے
چلے جے قافلہ جب قافلہ سالار ہو پیدا
نہ نکلے خط النہی اس کے منہ پر تا آئینہ
نہ عکسِ بالِ طوطی صورتِ زنگار ہو پیدا
اگر روئیدہ ہووے لرگسِ شہلا عجب کیا ہے
کہ خاکِ عاشقان سے حسرتِ دیدار ہو پیدا
ٹٹا لبتی کی بھنوں سے ادا ہرگز نہ ہووے کی
بجائے موئے سرگر پر زبانِ خار ہو پیدا
شبابی عہد پیری کاش تا موئے سفید آوے
ز فیضِ صبحِ صادقِ مطلعِ انوار ہو پیدا
فصاحتِ لطف کی میرے کرے گر بحرِ حیرانی
زبانِ طوطیِ تصویر سے گفتار ہو پیدا

نصیر اس چرخ پر ہے کہکشاں کو بدر سے رشتہ
غلط ہے عنکبوتِ ماہِ غیر از تار ہو پیدا

۸۰

ہمال ہونے سے نہیں عاشق کو غم ہوا
تعوذِ دردِ سر آئے نقشِ قدم ہوا
خیمہ نکال آبلہ ہا سے اپنے قیس
ہر خارِ دشتِ عشق ہے شکلِ تعلّم ہوا
کیا سرگزشت ہوچھتے ہو روسیاء کی
گردشِ نصیبِ روزِ ازل سے قلم ہوا
چیں ہر جبینِ چمن میں ہے جو موجِ آبِ جو
قمری یہ سر پہ سرو کے تازہ ستم ہوا
روقی ہے آشار بھی چادر سے منہ کو ڈھانک
مانم سرا سے کب یہ چمن لہ کم ہوا
ناخن بہ دل ہے دستِ نگارین ترا کہ آج
فندقِ طلبِ سرِ مژدہ چشمِ نم ہوا
سیرِ چمن کو جب وہ گیا میرزا منش
یولا یہ باغبان کہ کدھر کو کرم ہوا
سہنال غنچہ شکلِ چلم کل بنا نصیر
نیچے کی طرح شاخ میں اک طرفہ خم ہوا

۸۱

بے سہر و وفا ہے وہ دل آرام بہارا
کیا جائیے کیا ہووے گا انجام بہارا
کیا قہر ہے اوروں سے وہ ملتا پھرے ظالم
اور مفت میں اب نام ہے بدنام بہارا

اے آبِ دمِ تیرِ ستمِ کیشِ بھیا یاس
 ہوتا ہے تری جاہ میں اب کام ہمارا
 لبریز کر اس دور میں اے ساقِ کم ظرف
 مت رکھ منے کلنگوں سے تہی جام ہمارا
 کس طرح نکل بھاگوں میں اب آنکھ بھا کر
 صد چشم سے پاں ہے نگرانِ دام ہمارا
 یہ زلف و رخِ یار ہے اے شیخ و برہمن
 باللہ یہاں کفر اور اسلام ہمارا
 بیعت کا ارادہ ہے ترے سلسلے میں ، جوں
 شانہ اب اے زلفِ مہِ نام ، ہمارا
 آس شوخ تلک کوئی نہ پہنچا سکا ہمدم
 جز حقہ یہاں بوسہ بہ پیغام ہمارا
 کیا کہے کس انداز سے سرمائے ہے وہ شوخ
 قریباً اگر لے ہے کوئی نام ہمارا
 صناد سے کہتے تھے کہ بے بال و پری میں
 آزاد نہ کر بد ہے کچھ انجام ہمارا
 پرواز کی طاقت نہیں پاں تا سرِ دیوار
 کیوں کر ہو پہنچنا بہ لبِ نام ہمارا
 اس عشق میں جتنے نہیں بھنے کے نصیر آہ
 ہو جائے گا اک روز یوں ہی کام ہمارا

عالم میں جوں نہ تو مذکور ہے ہمارا
 ہر شہر میں بھی شہرہ مشہور ہے ہمارا

آئینہ ساں سکندر کس کی ہلک لگی ہے
 سرچشمہ محبت معمور ہے ہمارا
 خلخال طوق قمری ہو سرو کو مبارک
 زنجیر پا میں رکھنا دستور ہے ہمارا
 خندان کہے ہیں تیرے حسرت کثر تبسم
 خندان گل جراحت ناسور ہے ہمارا
 گلے ہے تاج شاہی ، گہ کاسہ گدائی
 کیا جام بینوائی ، مغفور ہے ہمارا
 دوش بہار پر ہے شکلِ مہوے غنچہ
 ابرو ہوا سے ساقِ مسرور ہے ہمارا
 موسیٰ صفت نہ کہوں کمر دل آہ کا عصا لے
 سنگِ رہِ ممنا یاں طور ہے ہمارا
 کہہ اور اک نصیر اب اس بحر میں غزل تو
 مضمون پر نمک سے اب شور ہے ہمارا

۸۳

لختِ جگر شہیدِ مغفور ہے ہمارا
 اور زخمِ دل ہلالِ عاشور ہے ہمارا
 قاتل کی دوستی میں یہ پھل ملا ہے ہم کو
 دم ساز یعنی خنجر مشہور ہے ہمارا
 کیفیتوں سے خالی ہم کب رہے ہیں ساق
 یعنی مدام یہ دل مخمور ہے ہمارا

مژگان ہے تاک جس میں لغتِ جگر ہے پتا
 ہر ایک قطرۂ اشک انکور ہے ہمارا
 لوکہ مژہ سے آس کی از بسکہ ہے مشبک
 سینہ بھی خالہ ہائے زنبور ہے ہمارا
 ہیں غوانِ آبلہ سے پاں ڈالنے چشیدہ
 ہر خار کی زبان ہر مذکور ہے ہمارا
 سولی ہے شمع جس پر پروانہ بہ کہے ہے
 کیا اوج عشق میں اب منصور ہے ہمارا
 شاہینِ فکر کے ہے ہنچے میں صرغِ معنی
 پرواز کا بھی رتبہ کیا دور ہے ہمارا
 انداز سے سخن کے واقف نصیر ہوں میں
 ایسی غزل کا لکھنا مقدور ہے ہمارا

۸۴

غنچہ جو مثلِ سیبِ صدف وا سحر ہوا (کذا)
 فیضِ صبا سے قطرۂ شبنم گھر ہوا
 دیکھے ہے آئندہ چمنِ حسن کی بہار
 خال و رخِ نکار کلیِ نیلوفر ہوا
 دم میں ہوائے زیست ہوا ہے چراغِ صبح
 چشمکِ زدن میں دیکھ تو وقتِ سحر ہوا
 فصلِ بہار کنجِ نفس میں گزر گئی
 نظارہ کب نصیب تیرے ہال و ہر ہوا

وحشت عیاں ہے خاکِ رگِ جسمِ قیس سے
 برگِ گیاہِ قبر بھی اب لیشر ہوا
 کیوں ضبطِ گریہ تو نے کیا آہِ چشمِ تر
 کچھ پاسِ آبرو تجھے مندرِ نظر ہوا
 قمری کے دل کی سچ ہے کہ ہر آئی آرزو
 گلشن میں دستِ سرو ہے زیبِ کمر ہوا
 انکشتِ خارِ دستِ مژہ رہ نما ہے دیکھ
 کب نورِ چشمِ آہلہ تو راہِ بر ہوا
 لکھ اس زمیں میں اور غزلِ خوب اے نصیر
 مضمون لیا ہے پیشِ نظر جلوہ گر ہوا

۸۵

کس سرو قد کا آج چمن میں گزر ہوا
 طوقِ گلوے فاختہ خلخالِ زر ہوا
 محفل ہے گرم شب کو ہجومِ ہشتک سے
 صحنِ لکنِ تمام یہ از صحنِ گھر ہوا
 ہے شمعِ زبرِ خیمہٗ فالوس چویدار
 آڑ جائے بادِ ریشہ یہ داغِ جگر ہوا
 فریادِ عشق میں کوئی سوتا بھی ہے بھلا
 شیریں اب اس قدر تجھے خوابِ سحر ہوا
 مسطر کشیدہ صفحہٗ آئندہ ہو گیا
 عکسِ صفِ مژہ جو ترا جلوہ گر ہوا
 کوہنجی جو تیغِ دستِ تلاطم سے موج نے
 ہر ایک فلسفہٗ مابینِ دریا سپر ہوا

تارِ نگاہِ دیدہ صیاد ہم قفس
شیرازہ بند ہر ورقِ بال و پر ہوا
شکلِ حیاپ تاجِ سلیمان سے کم نہیں
خاتمِ اہی یعنی حلقہٴ چشمِ بہنور ہوا
وارستہ کب مقید زنجیر ہے نصیر
سوجِ سبکِ عناں کو ہمیشہ سفر ہوا

۸۶

گھر اٹھ کے بزم سے جو وہ سے نوش کل کیا
شیشے کا ساتھ ہچکیوں کے دم نکل گیا
اس داغ دار دل نے نہ چھوڑا خیالِ زلف
طاؤس دیکھ سانپ کو آخر نکل گیا
کیا خاک جائے عیش ہے دلیا کہ جوں حنا
دیکھا جسے برنگِ دگر ہاتھ مل گیا
چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے نہ کیوں بیٹھ جاؤں میں
سینے میں آٹھتے آٹھتے کوئی دل مسل گیا
گندم کی طرح آگے ہی میں دل فگار تھا
کیوں آگے مونک تو سری چھاتی پہ دل گیا
دل کی وفورِ گریہ سے سوزش ہوئی نہ کم
چھوڑکا ہزار آب پہ گھر تو بھی جل گیا
تتا ہے اس روش سے تو اے سروِ باغِ حسن
فریاں اس انکڑ پہ ہوں اب تک نہ بل گیا
بولا یہ آٹھے میں خطِ سبز اپنا دیکھ
طوطے کی طرح حسن تو آنکھیں بدل گیا

کیا سیر کیجے خاک کہ غنچہ بھی سر جھکا
 باغِ جہاں سے جہانکشا اپنی بقل گیا
 لکھ اے نصیر اور غزل اس زمین میں
 مضمونِ لازہ قالبِ معنی میں ڈھل گیا

۸۷

شب کیوں نہ روئے شمع کہ پروانہ جل گیا
 پنکھا پروں سے تھا جو ہوا خواہ جھل گیا
 میں باغ میں جو با دلِ پُر داغ گل گیا
 لالے کا دیکھتے ہی دواں نکل گیا
 دالحوں سے دستِ عاشقِ دل خستہ جل گیا
 جوں شاخِ پھلجھڑی گلِ آتش سے بھل گیا
 آفتِ سی کچھ غیر جو مٹی اُس نے ہاری
 تیار ہجر لے کے سنبھالا سنبھل گیا
 بل بے صفائی رخِ جاناں کہ ناف نک
 ہائے نگاہ صاف دہاں سے پھسل گیا
 ہے یوں کہ آبلے کی بھی جھاتی سراپے
 منہ پر سے اُس خدنگِ نگہ کے نہ ٹل گیا
 تاکے وہ کیوں نہ خوشہ انکور جان کر
 سینے میں دل تمام پھپھولوں سے پھل گیا
 مندر گنہر یتیم ہے اپنا یہ طفلِ اشک
 انگشتِ ہر مژہ کے نشیں جو مسل گیا

دل سوز اس کو کہتے ہیں محفل میں شمع کا
 پنکھا تمام شب ہر پروانہ جھل گیا
 دل سے رکھے ہے زلف سدا اس کی پیچ و تاب
 رستی تمام جل گئی لیکن نہ ہل گیا
 قامت دوڑا ہوا تو رہے آہ ضعف سے
 گھر سے کہاں کے تیر یہ کیسا نکل گیا

.....
 ہستی کے ہاتھ ہرک صد السوس مل گیا
 کم ظرف کو بھی خوب سمجھتے ہیں اہل ظرف
 اس واسطے کہ وہ بھی تو سانچے میں ڈھل گیا
 کیا قبر ہے کہ سب کو یہ کائے ہے اے نصیر
 سر افعیٰ فلک کا نہ کوئی کچل گیا
 پنچوں نصیر آبلہ ہائی سے کس طرح
 السوس قافلہ بہت آگے نکل گیا

۸۸

اس اندھیری رات میں اے جانِ من بھٹکا گیا
 دل مرا قبہ زلف کی لٹ میں لیٹ لٹکا گیا
 شام کو کوٹھے پہ اے مہ مہ دکھا کر چھپ گیا
 تا سحر سر کو تری دیوار سے ہٹکا گیا
 چشم سے باہر نکل بازی سے طفلِ اشک نے
 تار ہر مڑگان کے دیکھو کام کیا نٹ کا گیا
 چشمِ جادوگر سے دل آچٹا توجا اس میں بھنسا
 زلف نے اس کی خدا جانے ہے کیا لٹکا گیا

کس کہاں ابرو کے مڑکن کا تصور تھا نصیر
رات ہے تا صبح دل میں تیرے کیا کھٹکا کیا

۸۹

اس دل کو ہم کنار کیا ، ہم نے کیا کیا
دشمن کو دوست دار کیا ، ہم نے کیا کیا
رہتا بھی ہے دل میں شش و پنج بار سے
آئینہ کیوں دوچار کیا ، ہم نے کیا کیا
’مٹھی بھرم کی غنچہ صفت اس چمن میں کھول
اسرار آشکار کیا ، ہم نے کیا کیا
در پردہ دوستی ہوئی سم اپنے حق میں آہ
مطرب ہسر کو یار کیا ، ہم نے کیا کیا
اسلام بھی بہ جبر تھا اے شیخ و برہمن
کیوں جبر اختیار کیا ہم نے کیا کیا
تسبیح تو بڑی تھی کلمے ایک دوسری
زنتار کو بھی بار کیا ہم نے کیا کیا
دل کو دکھا کے چینِ جینِ ہری و شان
جون برق بے قرار کیا ہم نے کیا کیا
کہنے لگا وہ قبر بہ عاشق کی ، کیوں گزر
سہو اسر مزار کیا ہم نے کیا کیا
بہات آشنا تھے جو موجِ بلا کے بیچ
آن کا نہ انتظار کیا ہم نے کیا کیا
حجر جہاں سے دیدہ و دانستہ جون حباب
با چشمِ تر گزار کیا ہم نے کیا کیا

دستِ جنوں سے توڑ کے رشتے کو جیب کے
 داماں بھی تار تار کیا ہم نے کیا کیا
 اُس سرو قد کے عشق میں یہ پھل ملا نصیر
 ہر منہ آہ وار کیا ہم نے کیا کیا

۹۰

دستِ خزاں نے جیبِ صبح بھار کھینچا
 شہر سے ہلپلوں نے اپنے کٹار کھینچا
 بھڑا کا ہے کیا منہ، مانی کی کیا ہے صورت
 اللہ نے یہ تیرا نقش و نگار کھینچا
 وحشت کے قاعدے سے محنتوں بھی آشنا تھا
 کس کے لیے الف کا صحرا میں خار کھینچا
 شب کہکشاں فلک پر یاں جلوہ گر نہیں ہے
 یہ عنکبوت یہ نے گردوں پہ تار کھینچا
 نقشِ حصیرِ تن پر دامنِ تعلق اب ہے
 آزادی میں جس نے مثلِ شکار کھینچا
 تو آج بھی نہ آیا اے فتنہ زمانہ
 ان مردمک نے کل سے حد انتظار کھینچا
 خیمہ پٹا پٹی کا گویا ہے چشمِ عاشق
 مڑگاں نے سائبان کو لیل و نہار کھینچا
 کب عرقِ ہر الفت نکلا کہ گردِ جس کے
 گرداب نے اب اے دل آ کر حصار کھینچا
 کہہ اور اک نصیر اب اس ہجر میں غزل تو
 لکھنے سے ہاتھ اپنا کیوں میرے ہار کھینچا

نقاش نے جب اس کا نقش و نگار کھینچا
 نقشے کو زلف و رخ کے لیل و نہار کھینچا
 کس نے چمن میں کہہ تو دامنِ یار کھینچا
 چادر کو تو نے منہ پر کیوں آبشار کھینچا
 ابرو کہاں سراسر کچھ ہم سے بھر رہا تھا
 دل کی کشش نے اپنے بے اختیار کھینچا
 قامت کے کھینچنے میں بہزاد نے بھی قیرے
 تا عرصہ قیامت اک انتظار کھینچا
 سینے میں آہ کی کچھ باقی نہیں خلش اب
 اے عشق! میرے دل سے تو نے یہ خار کھینچا
 سروا چمن میں قمری تھا سرو سے نہ ہم کو
 ہر موجِ آب جو نے لاحق کٹار کھینچا
 اس شہ سوار کو ہے کیا خوفِ روزِ محشر
 تو سن کو کاوے دے کر جس نے حصار کھینچا
 بازی گری کے شاید سرور شنے سے ہے محرم
 سوزن نے چشم میں سے اپنی جو تار کھینچا
 آنکھوں کی تیری ساقی کیفیت اب کہیں کیا
 دو ہی ہمالیوں سے آخرِ خار کھینچا
 غور شید آفتابی کھینچے سپر نہ کیوں کر
 گردوں نے ماہِ نو کو جیوں ذوالفقار کھینچا

قطرہ

ڈالی سے ہر شجر کی تو نے جو دوپہر کو
 ہنکھے کو برگ کے جب بادِ چار کھینچا (کذا)
 غنچے کے تکیے ہر رکھ بلبل نے سر کو اہنے
 دامنِ گل کو منہ ہر بے اختیار کھینچا
 دستِ طمع کو باوے کب سے نصیر ہم نے
 دلیاے دون کے سر ہریاں لات مار کھینچا

۹۲

یہ دل ہے فکر میں اس خستہ حال کے کیسا
 کیا ہے دشمنِ جاں ہر میں ہال کے کیسا
 یہ خط ہے رخ پہ ترے گردِ خال کے کیسا
 خضر ہے لکھتہ مقابلِ ہلال کے کیسا
 نہیں ہے فرصتِ اک دم یہ آہ اس کو نظر
 حباب دیکھے ہے آنکھیں نکال کے کیسا
 نہ ہوچھا اس دلِ سودا زدہ سے شامِ فراق
 کہ تو ہے شوق میں صبحِ وصال کے کیسا
 میں کیا کہوں کہ نہ تو بھی دیکھ کر انرو
 چہا ہے منہ کو گریباں میں ڈال کے کیسا
 گلے بڑے ہے جو ہر ایک کے یہ دخترِ رُز
 لگایا تو نے اے منہ کلال کے کیسا
 سرید دل تو ہوا سلسلے میں زلف کے ہر
 نہ ہوچھا اس نے کہ ہے میرے بالکے کیسا
 عجب ہے تیرے گریباں میں ٹکدہٴ الہاس
 یہ درمیاں ہے ستارا ہلال کے کیسا

لکھے ہے پنجرہ خورشید صاف جس کا نقش
 یہ تم نے ہاتھ رکھا نیچے کال کے کیسا
 کیا ہے بدر کو محتاج نیم ناں آخر
 یہ ہے زوال بھی درجے کمال کے کیسا
 میں کیا کہوں کہ گھٹا آج شب کو ہاتھ
 نظر میں دلبرِ زہرا جال کے کیسا
 نہ کیوں کہ زرگر گردوں کو آفریں کہیے
 رکھا یہ نفرتِ بالا آجال کے کیسا
 بھنسا ہے سرخِ دل آس رخ یہ خال و زلف کو دیکھ
 پڑا ہے دائرہ یہ نزدیک جال کے کیسا
 کہاں ہے سہر ذرا دیکھ تو لکھے ہے وہ
 زری کی گیند فلک پر آجہال کے کیسا
 نصیر کیا کہوں تجھ سے کہ صبح دم اک کھیل
 لگا ہے ہاتھ بُتِ مس جال کے کیسا

۹۳

سی پارہ ہو گیا دل میں تھا کہ تاب لایا
 مکتب سے جب وہ لڑکا ہنستا کتاب لایا
 کیوں ڈھانپ کر بغل میں زاہد کتاب لایا
 میں نے تو جانا ساقِ شاہد شراب لایا
 رنج و ہلا و محنت ، درد و غم و مصیبت
 دل لک کے آس سے مجھ پر کیا کیا عذاب لایا
 گر رحم ہم یہ کرتا تو دیرِ حسن رہتا
 مشقِ ستم سے ظالم تو خطِ شتاب لایا

تک آنکھ کھولتے ہی پھر آپ کو نہ دیکھا
 اس بحر میں ، میں ہستی مثلِ حجاب لایا
 اے سرخِ روح تو بھی پروا نہ کر کہ اب تک
 قاصد نہ آس گئی ہے خط کا جواب لایا
 شب بھی بہت گئی ہے چپ رہ نصیر اب تو
 افسانہ تیرا ظالم مجھ کو تو خواب لایا

۹۲

خدا کے واسطے چہرے سے تک نقاب اٹھا
 یہ درمیان ہے اب پردہ حجاب اٹھا
 یہ کون بادہ ہستی ہے اے بتِ ہدست
 اٹھا جو بزم سے تیری سوہو کباب اٹھا
 مطالعے سے ترے بیتِ ابروؤں کے شوخ
 رکھی ہے شیخ نے اب طاق پر کتاب اٹھا
 ہسانِ نقشِ قدم جس نے پائراب کیا
 وہ راہِ عشق میں مٹ کر غرضِ شباب اٹھا
 یہ چشمِ تر ہی کوئی دم تو پیشہ ورنہ عبث
 تو ایک دم کے لیے بحر سے حجاب اٹھا
 بیا ہے شمشہ' گردوں سے جس نے اک جرعہ
 مثالِ جام وہ با دیدہ' پر آب اٹھا
 نصیر شور نہ کر فتنہ ہونے کا برہا
 خدا غواستہ اب گر وہ مستِ خواب اٹھا

مے سبب ہاتھ کٹاری کو لگانا کیا تھا
 قتلِ عشاق پہ بیڑا یہ اٹھانا کیا تھا
 سر پہ اپنے تونہ لے خون اب اک عالم کا
 فندقِ ہائے نگاریں کو دکھانا کیا تھا
 سر بلندی کو یہاں دل نے نہ چاہا 'منعم'
 ورنہ یہ خیمہ' افلاک' پرانا کیا تھا
 اس لیے چینِ جبینِ موج رہے ہے بردم
 اے حبابِ لبِ 'جو آنکھ چرانا کیا تھا
 ساقیا! اپنی بلا ہے جو گھٹا آٹھی ہے
 دے کے اک جرعه' مے دل کو گھٹانا کیا تھا
 سرزمینِ زلف کی جاگیر میں تھی اس دل کی
 ورنہ اک دام کا پھر اُس میں ٹھکانا کیا تھا
 کہہ غزل دوسری اس سر میں ایک اور نصیر
 یک قلم لکھنے سے اب ہاتھ اٹھانا کیا تھا

آتش اس دستِ حنائی سے لگانا کیا تھا
 اور لگا کر تجھے پاؤں سے بھگانا کیا تھا
 صبح دم بلبلِ شیدا کو 'رلانا کیا تھا
 غنچے کو دوش پہ رکھ دین بھانا کیا تھا
 اتنی مشقِ ستم اے خالہ براندازِ چمن
 خطِ گلزار کے صفحے کو مٹانا کیا تھا

رات پروانے سے کہتی تھی یہ شمع محفل
 اپنے دل سوز کو نالائق بھی جلانا کیا تھا
 عہدِ طفلی میں نہ اس کھیل سے باز آیا تو
 یعنی چڑیا کے تجھے بند چھڑانا کیا تھا
 عشق ہی دونوں طرف جلوۂ دلدار ہوا
 ورنہ اس پیر کا رانجھے کو رجھانا کیا تھا
 ہم نے جانا کہ چمن میں ہے تو اک بادی چور
 زرِ گل بادی صبا تجھ کو اڑانا کیا تھا
 نے چمن ہے ، نہ کوئی ساقی گلنام نصیر
 یاد کس بات کو کیجے ، وہ زمانہ کیا تھا

۹۷

جب تلک چرب نہ جوں شمع زباں کیجے کا
 سر گذشت اپنی کا کیا خاک بیان کیجے کا
 برق ساں ہنس کے جو وا آپ دہاں کیجے کا
 معنی 'مخزنِ اسرار' عیاں کیجے کا
 دل کو جب مائلِ چشمانِ بٹاں کیجے کا
 طرفۃ العین میں سیرِ دو جہاں کیجے کا
 دل صد بارہ مرا شیشہ بشکستہ ہے
 اس کو ہامال ذرا دیکھ کے ہاں کیجے کا
 دل 'ہر آبلہ لایا ہوں دکھانے تم کو
 بند اے شیشہ گرو! اپنی دکاں کیجے کا
 کیوں لگاتے ہو مرے سینہ صد چاک کو ہاتھ
 چشمِ سوزن سے نظرِ بغیہ گراں کیجے کا

تم کو اپنا دلِ بُہر داغ دکھائے جو کبھی
 سیرِ گلشن نہ پھر اے لالہ رخاں کیجے گا
 ہاتھ سے محسبِ دہر کے اک دن برہا
 سر پہ شیشے کے خرابی نہ جہاں کیجے گا
 آبرو مد نظر ہم کو ہے تیری پاں تک
 اشک (کو) روکے گا ضبطِ فغاں کیجے گا (کذا)
 کیونکہ نرگس تری آنکھوں سے کرے ہم چشمی
 جب تک اُس کا نہ علاجِ یرقان کیجے گا
 روکشی دیکھ نہ کر، گوشہ نشینوں سے فلک
 ہر طرح سے تری خاطر پئے شاں کیجے گا (کذا)
 ناوک آہ لگائیں گے ہیا بے تعبہ پر
 قدرِ غم کشتہ کو جب اپنے کہاں کیجے گا
 ابر نیساں کی بھی جھڑ جائے گی ہل میں شیخی
 دیدہ تر کو اگر اشکِ فشاں کیجے گا
 دل میں کچھ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارا ہے دور
 جامداری میں شک اے بادہ کشاں کیجے گا
 دل میں رکھتے ہو خیال اُس کی کمر کا جو نصیر
 لامکاں میں کہیں کیا جا کے مکاں کیجے گا

دلِ عشقِ خوش قداں میں جو خواہاںِ نالہ تھا
 دیوانہ وار سلسلہ چنباںِ نالہ تھا
 نالے سے میرے کیا ہے ہوائی کو ہم سری
 تیر شہابِ رات کو قربانِ نالہ تھا

ڈھونڈوں نہ کہونکہ دل کو میں اے آہوانِ دشت
 سینے میں وہ تو شیرِ نیستانِ نالہ تھا
 کرتا تھا جن دلوں پہ فلک ہم سے سرکشی
 ناوک زنی کا آہ سے بیانِ نالہ تھا
 عشقِ بتان تھا دل سے جو دم سازِ مثلِ نے
 ہر دم اثر میں تابعِ فرمانِ نالہ تھا
 صیاد کے جگر میں کرے تھا ستان کا کلم
 مرغِ قفس کے سر پہ یہ احسانِ نالہ تھا
 کاڑھے فلک پہ کیا یہ دل لاتواں علم
 وہ دن گئے جو اوجِ فراوانِ نالہ تھا
 کل شب کو ذکر تھا جو کسی لہزہ باز کا
 عاشق کا تیرے چرخِ ثناخوانِ نالہ تھا
 یاروں کے قافلے کی مجھے جب کہ یاد تھی
 سینے میں جوں جوں مرے سامانِ نالہ تھا
 ست ہوجھ وارداتِ شبِ ہجر اے نصیر
 میں کیا کہوں جو کارِ نمایانِ نالہ تھا
 لہجے کو اخترانِ فلک سے خراج و باج
 ہر آن شعلہ و شرر افشانِ نالہ تھا

۹۹

صبحِ کلشن میں ہو گر وہ کلِ خندان پیدا
 بیضہٴ غنچہ سے ہو بلبلِ نالان پیدا
 اشک ہے ہمرہِ آہِ دلِ سوزاں پیدا
 کیا تماشا ہے کہ آتش سے ہے باراں پیدا

ہے عجب کارِ نمایاں ترے چشم و لب سے
 ہل میں سر جاتے ہیں ہم ، دم میں ہیں پھر ہاں پیدا
 قد ترا اے بتِ گل پوش ہو گر سایہ فگن
 تو قیامت ہو سرِ خاکِ شہیدان پیدا
 لے آڑا باد کے مانند یہ پانی ساقی
 کشتی سے ہوئی جونِ تختِ سلیمان پیدا
 ہوں وہ بچنوں کہ کرے ہے سری پابوسی کو
 سلسلہٴ حلقہٴ چشمانِ غزالان پیدا
 ہنس کے دندان کو دکھا دو تو نہ شبم سے سحر
 دہنِ غنچہ کرے باغ میں دندان پیدا
 زلف و خطِ دیکھ ترے رخ پہ نہ کیوں حیران ہوں
 چشمہٴ سہر میں ہیں سنبل و ریحان پیدا
 کیا غضب ہے یہ ترے دامنِ مژگان کی جھپک
 عشق کے دل سے ہوئی آتشِ پناہ پیدا
 تجھ کو دوں حور سے نسبت تو یہ میرا ہے قصور
 کہ جہاں میں نہیں تجھ سا کوئی انسان پیدا
 تیری خدمت کو پرستان میں بنی ہیں پریاں
 اور غلامی کے لیے ہیں تری غلامِ پیدا
 یہ ترے وزیرِ ذہن دستِ حنائی ہے کہاں
 سیبِ جنت سے ہے سر پنجدہٴ مرجان پیدا
 طرفہ تر لکھ غزل اس بحر میں اک اور نصیر
 کرتے ہیں گو ہر معنی کو سخنِ دان پیدا

ابنِ ترے بزم میں ہے مرگ کا ساماں پیدا
 شعلہٴ شمع سے ہے تیر کا ہیجان پیدا
 ربطِ آس لب سے کرے ہے لٹے قلپاں پیدا
 دل سے اِردم ہوں نہ کیوں نالہ و افغان پیدا
 ہوں دمِ سرد کے ساتھ اشک ہیں جاناں پیدا
 جوں ہوا کرتی ہے ہر سات کی باراں پیدا
 زائرِ گیسو ترے کانوں میں کلِ سرخ نہیں
 کشورِ شام میں ہے گنجِ شہیداں پیدا
 دل مرا تیری ذفن سے نہیں لکلا یہ عزیز
 چاہ کنعان سے ہوا ہے میرِ کنعان پیدا
 ہو ترے رومے غلط سے نہ کیوں شہر میں غل
 دن کو ہالے میں ہوا ہے میرِ تاباں پیدا
 کیوں نہ ہم گلشنِ دنیا کی صبا سیر کریں
 جس میں نیرنگیِ قدرت کا ہے ساماں پیدا
 شبم و گل کی روشِ شادی و غم توام ہے
 چشمِ گریاں ہے جاں با لبِ خنداں پیدا
 ہے برا عاشق و معشوق کا ہنسنا رونا
 رازِ پنہاں یہ کسی پر نہیں جاناں پیدا
 گر ہنسو تم تو گرے آہ جہاں میں پجلی
 میں اگر روؤں تو عالم میں ہو طوقاں پیدا
 ماہِ نو دیکھو ہے وہ سہر لقا پانی میں
 آئنے میں ہے کہاں عکسِ گریباں پیدا

کیوں نہ اے کانِ ملاحت ہو ترے حسن کا شور
 پھر زخمِ دلِ عاشق ہے ٹھک داں پیدا
 لے گیا زیرِ زمیں ، ہوں دلِ نالوکِ خوردہ
 میرے مدفن پہ نہ کیوں کر ہو لیستان پیدا
 پڑھ نصیر اب وہ غزل جس کی نہ یہ ہووے ردیف
 اور مضامین ہوں نئے جس میں سختداں پیدا

۱۰۱

دیکھ تو یارِ بادہ کش! میں نے بھی کام کیا کیا
 دے کے کیا بـ دل تجھے حقِ ٹھک ادا کیا
 کیوں سگِ یار سے خجل مجھ کو پس از فنا کیا
 کہا گیا استخوانِ مرے ، تو نے یہ کیا بہا کیا
 زخمِ جگر سے دم بدم کب نہیں خوں بہا کیا
 تو بھی نہ قاتل اپنے سے دعویٰ خوں بہا کیا
 اُس بتِ رشکِ گل نے جب بندِ قبا کو وا کیا
 اپنی نظر یہ غنچہ دو ہاتھ سے بھر ملا کیا
 کون سے دن نہ یار نے چشم کو سرمہ سا کیا
 کب نہ دلِ سیاہ بختِ خاک میں تو ملا کیا
 دلبرِ شعلہ خو نے جب زلف کو رخ بہ وا کیا
 دل پہ میں سورۃٴ دُخان کرنے کو دم پڑھا کیا
 بادہ کشی کو ساقیا کس کی مجھے بتا حباب
 زورِ بھنور کے چاک پر ساحرِ مے بنا کیا
 وصل کی رات ہم تشریں کیوں کہ کئی نہ ہو چہ کچھ
 بر سرِ صلح میں رہا تیں پہ بھی وہ لڑا کیا

ہائے نکار سے لپٹ چور بنی تو آپ کو (ہی؟)
 ہاتھ نہ کیوں ترے بندھیں کام یہ کیا حنا کیا
 دل کی جدائی کا کہوں کس سے میں ماجراے غم
 میلِ سرشکِ چشمِ ترِ شام و سحر بہا کیا
 شکلِ عصاے موسوی تھا تو وہ کیسے دراز
 پر آئے دستِ شائہ نے دے کے خم اور دوتا کیا
 زبیرِ سرِ شہاں کبھی تو نے نہ دیکھا تیرہفت
 بالِ مگس نے کب دلا کارِ ہر بہا کیا
 تارِ نفسِ الجہ کیا میرے گلو میں آئے جب
 ناخنِ تیغِ یار کو میں نے گرہ کشا کیا
 بوسہ لب سے ایک دن آس کے ہوا نہ کامیاب
 دلبرِ بد زباں کی میں گالیاں ہی سنا کیا
 آئے سلاسلِ اے جنوں کیوں نہ قدم لیے بعدِ قیس
 آس کا بھی ہم نے سلسلہ از سر نو کیا
 منہ تو نہ تھا یہ غیر کا آس کو کھلائے یوگِ پاں
 ہر نہ سرا جو بس چلا خونِ جگر بہا کیا
 اس کی شکستگی کا غم کیوں نہ ہو مجھ کو ساقیا
 میری بغل میں آہِ بانِ شیشہ دل رہا کیا
 تارِ نفسِ جدا کیا برِ اُترن سے میرے آہ
 کودکِ مطرب اور کیا قہقہ کو کہوں ، بجا کیا
 کوہ کو کھینچتا جو تو کاہ رہا تو جالتے
 اک ہر کاہ کو آٹھا ناز کیا تو کیا کیا
 کہوں نہ ہو خضرِ رہ رواں خاکِ نشینی پہ مری
 جس نے ہشکِ نقشِ پا مجھ کو ہے رہ بجا کیا

شعلہ رخوں کے عشق نے کنچِ مزار میں بھی آہ
سوئے دیا نہ چین ہے ، میں تو سدا جلا کیا

قطعہ

مجھ کو ہے ہجر و وصل ایک اس کی خوشی لداں کا غم
کیسی مصیبتوں کے دن بارِ خدا بھرا کیا
وصل ہوا تو یہ ہوا سارِ سیاہ جان کر
رات بھر اپنی زلف کے سایے سے وہ ڈرا کیا
اور میں مدعا طلب عیش سے نا امید ہو
شعلہ شمع کی طرح سر کو پڑا دھنا کیا

قطعہ

’مدرکہ‘ بشر ہے کیا ہائے جو اُس کی کنہ کو
چاہا جو اُس نے سو کیا ، کون کہے کہ کیا کیا
یعنی بنا کے چشم کو صورتِ شیشہ حجاب
صاحبِ ظُرف تھا جو دل جامِ جہاں سما کیا
اپنی شرارتوں سے وہ باز نہ آیا اے نصیر
مجھ کو رلا کے ابر ساں برقِ بھٹ پنسا کیا

۱۰۲

اُس کا کلر ’ہر غم کا خلل جائے تو اچھا
دل سر سے ہلا تیرے یہ ٹل جائے تو اچھا
ہوے کا سوال اُس سے کروں ہوں تو کہے ہے
چپ وہ ، سرے کچھ منہ سے نکل جائے تو اچھا

پہلو سے لکل جائے اگر دل تو ہلا ہے
 وہ چھوڑ کے خالی نہ بخل جائے تو اچھا
 اثبات نہ ہو دعویٰ خوں اُس پہ انہی
 صورت سرے قاتل کی بدل جائے تو اچھا
 ابرو کے اشارے نہ کرو ، غور سے دیکھو
 اس بات پہ تلوار جو چل جائے تو اچھا
 ٹسنے کو سرا دل ہے ، تری زلف کی ناکن
 طاؤسِ خط اُس کو جو لکل جائے تو اچھا
 یارب نہ ہو پوندِ زمیں طفلِ سرشک آہ
 گر دامنِ مژگان پہ پھل جائے تو اچھا
 ہم چشمی تری چشم کی کرتا ہے یہ بادام
 اس کو کوئی پتھر سے کچل جائے تو اچھا
 زلفوں کے تصرف میں ہے بے وجہ رخِ یار
 کفار کا کعبے سے عمل جائے تو اچھا
 خوں ہو کے روانِ دل ہو جو آنکھوں سے تو بہتر
 یا عشق کی آتش میں یہ جل جائے تو اچھا
 افسوس ٹھہرتے نہیں آنسو سرِ مژگان
 اے دیدہ تر نخل یہ پھل جائے تو اچھا
 آنا ہے تو آ وعدہ فراموش ! وگرد
 ہر روز کا یہ لیت و لعل جائے تو اچھا
 لب ہر سے بلاق اپنے دہر بوسہ پٹا دو
 اندیشہ زلیبورِ عمل جائے تو اچھا
 اے ہم دسو جھجکے ہے وہ گردنِ زدن سے
 سمت سے مری لیغ آکل جائے تو اچھا

لے سر بہ وبال اپنے ہتھکوں کا نہ اے شمع
 تو اور بھی جوبن ہے جو ڈھل جائے تو اچھا
 سینے میں نصیر اپنے نہ تم آہ کو روکو
 یہ تیر نشانے بہ جو چل جائے تو اچھا

۱۰۳

باز آؤ بتو! دل کا ستانا نہیں اچھا
 یہ گہر ہے خدا کا اے ڈھانا نہیں اچھا
 رخ پر تمہیں گیسو کا دکھانا نہیں اچھا
 خورشید کا بدل میں چھپانا نہیں اچھا
 اے داغ تجھے دل سے مٹانا نہیں اچھا
 کسمے کا چراغ آہ بچھانا نہیں اچھا
 دل ابرو سے جاناں کے تصور میں نہ کھینچ آہ
 قبیلے کی طرف تیر لگانا نہیں اچھا
 لپکا ہے اے دیکھ پریشاں نظری کا
 آنکھ آگنے سے بار لڑانا نہیں اچھا
 کشتہ ہوں قدِ بار کا اے شورِ قیامت!
 سونے دے مجھے، میرا جگانا نہیں اچھا
 ہوں غلِ چنار اے بتِ ہرکالہ آتش
 جلتوں کو شراوت سے جلانا نہیں اچھا
 تھا قصد تیر چرخ ہو دو روزہ قیامت
 دیکھا تو یہ خیمہ ہے پرانا، نہیں اچھا

سرِ شمع صفتِ عشق کی منزل میں کٹھے ہے
 اس رہ میں قدم آگے بڑھانا نہیں اچھا
 ڈر چرخِ ستم کڑے سے دل ضبطِ فغاں کر
 نے شیر کے ہاں منہ پہ بجالا نہیں اچھا
 گردابِ بلا ہے یہ تری زلف کا حلقہ
 اس میں دلِ عاشق کا ڈھانا نہیں اچھا
 سلاواؤں میں کیا خاکِ گریباں ابھی ناصح
 ہے فصلِ بہار اس کا سلاسا نہیں اچھا
 دیتا ہوں قسم اپنے لہو کی ، مجھے بتلا
 کرنے یہ کہا ہاں کا کھانا نہیں اچھا
 بالوتِ جگر سوختہ ہانا نہیں قیمت
 لبِ ہر تجھے مٹی کا لگانا نہیں اچھا
 کہتا ہوں نصیر آٹھ کے درِ یار یہ جا بیشہ
 دلہا میں کہیں اور ٹھکانا نہیں اچھا

۱۰۴

زہرِ تن گرجہ ہے کل پیرہنِ سرخ ترا
 لیکن انجام یہ ہوگا کفنِ سرخ ترا
 مجھ کو کہتا ہے وہ نکلا ہے شفق میں یہ ہلال
 یا نمودار ہے زخموں کھنِ سرخ ترا
 دسترس کانوں تک اُس شوخ کے تہہ کو ہے مگر
 کیوں کہ رتبہ نہ ہو اے کل بدنِ سرخ ترا
 ہے مری آہِ جاں نخلِ گلستانِ خلیل
 رخِ کل لار وہاں ہے چمنِ سرخ ترا

شیشہ بادۂ کل رنگ رنگ دے ساق
 جامہ سبز میں دیکھے جو تنِ سرخ ترا
 آستیں سے یہ لگا کہنے وہ تلوار کو ہونچہ
 بن گیا سوچِ میرِ خون شکنِ سرخ ترا
 اشکِ نیلم ہے نہیں رنگِ مٹی کی یہ نمود
 لب بھی ہے غیبتِ لعلِ یمنِ سرخ ترا
 سچ بتا تو مجھے سوارِ خدنگِ قاتل
 خون کس کس کا پٹے کا دہنِ سرخ ترا
 خاک باہم ہو شرارت سے ہم آغوش نصیر
 صاف ہے شعلہ آتشِ بدنِ سرخ ترا

۱۰۵

تجھ کو جب از جہاں بیز انکار کچھ نہ تھا
 مجھ کو بھی تیری بات کا انکار کچھ نہ تھا (کذا)
 آگہ مجھ کو چاہ سے اس عشق نے کیا
 ورنہ میں تشنہ لب تو خبردار کچھ نہ تھا
 تب سے ہماری اُس کی ہے سر مشق دوستی
 چہرے پہ خط جب اُس کے نمودار کچھ نہ تھا
 واقف نہ تھا اسیری کی لذت سے زینہار
 جب تک یہ دل کسی سے گرفتار کچھ نہ تھا
 سوئی تھی جب تلک تو عجب دیکھتی تھی خواب
 یہ آنکھ ہو گئی جونہی بیدار، کچھ نہ تھا
 اپنی شرارتوں کا تو مذکور کچھ نہ ہوچھ
 جز ذکرِ خیر ہر سرِ بازار کچھ نہ تھا

چنگا بہلا تھا آہ ہوا کیا نصیر کو
آگے تو اس کو عشق کا آزار کچھ نہ تھا

۱۰۶

سوزِ غم سے تن ز بس ہم دوشِ خاکستر رہا
اس سے جو چمکا شررِ روہوشِ خاکستر رہا
صورتِ ہستی میں بھر دیکھیں گے شکلِ رفتگان
اب تلک آئینہ ہم آغوشِ خاکستر رہا
وادیِ وحشت اثر میں یاں غبارِ رفتگان
گردِ باد آسا سدا پر دوشِ خاکستر رہا
جل کے پروانہ ہوا جو راکھ کا اک ڈھیر رات
اشکِ چشمِ شمع لا سرگوشِ خاکستر رہا
کسوتِ خاکستری ہے فاختہ کے پر میں آہ
گلستانِ دہر میں کیا جوشِ خاکستر رہا
دامنِ شب ہے سیہ ، ملتا ہے منہ سے خاک چرخ
کس کو اس ماتم کدہ میں ہوشِ خاکستر رہا
کیوں نہ ہو افتادگان کی قدر یاں اب اے نصیر
نقشِ پائے رفتگان سر ہوشِ خاکستر رہا

۱۰۷ (لغات)

بیابان مرگ ہے محنتوںِ خاک آلودہ تن کس کا
سے ہے سوزنِ خارِ مغیلاں تو کفن کس کا
بگردِ کارواں دل جوں جرس ہے نعرہ زن کس کا
عزیزو! کم ہوا ہے ہوسفِ گلِ یرہن کس کا

پڑا رہنے دے اب ہے قہہ کو فکرِ غسل تن کس کا
شہیدِ ناز ہوں تیرا ، لحد کس کی ، کفن کس کا

۱۰۸

اک تار جنوں تو نے ثابت نہ مرا رکھا
سو بار گریباں کو میں نے تو سلا رکھا
دل چھین بغل میں سے اس کل نے لیا جب سے
میں داغِ جگر اپنا چھاتی سے لگا رکھا
تا صبح خیال اس کا ہرگز نہ گیا دل سے
شب لڑکے نے مطرب کے کیا خوب مزا رکھا
یہ بادِ صبا بادی ہے چور گلستاں میں
نقدِ زرِ ہر کل کو اوپر سے اڑا رکھا
اے یار نصیر اپنا غلصہ ہے عبث اس سے
کچھ چیز تھا بوسہ بھی جو منہ کو بھرا رکھا

۱۰۹ (نا تمام)

لختِ جگر لیے ہی نکلتا تھا جو کہ راست
مڑکاں سے میرے قطرہ اشکِ چکیدہ تھا
ماتم کدہ تھا گھر ترے بیار کا کہ آہ
بالیں پہ اس کے جو کوئی تھا آبِ دیدہ تھا
جب سے شکارِ دام ہوں اس کا میں تا ہنوز
عارض سے اس کے سبز خطِ نودیدہ تھا
عاشق نے وقتِ نزع بھی دیکھا نہ قہہ گر خوب
تھا بھی جو کوئی دم سو وہ ہر لب رسیدہ تھا

ثابت ہو کس طرح ہے مرا خون اے نصیر !
قاتل تو وقتِ ذبح کے دامن کشیدہ تھا

۱۱۰

فنا کا حرف ہے ہستیِ دامن گیر پر لکھا
جو قتلِ شمع کریاں عشق نے گل گیر پر لکھا
قلم کاریِ نقاشِ ازل ہے جلوہ گر لیکن
مرا نقشہ نہ اُس کے صفحہٴ تصویر پر لکھا
نہ ہووے بعدِ جنوں تا جہاں میں سلسلہٴ برہم
لقب دیوانگی کا خانہٴ زنجیر پر لکھا
تہیں ہے خطِ پیشانی ، ترے ابرو پہ مانی نے
یہ حرفِ ”لا فتنی الا علی“ کشمیر پر لکھا
کلمے میں طوق الفت مثل قمری ہے جاں تو نے
خطِ آزادی جوں سرو کسِ تقصیر پر لکھا
اسی مضمون سے معلوم اُس کی سرد سہری ہے
مجھے نامہ جو اُس نے کاغذِ کشمیر پر لکھا
سوادِ زلفِ جااناں سے جوابِ نامہ الفت نے
سرِ لوحِ مزارِ عاشقِ دل گیر پر لکھا
بدفِ دل کو نصیر اب کر بقولِ حضرت سودا
”نہیں پیکان پہ جوہر نامہ اُس نے تیر پر لکھا“

۱۱۱

پہلو میں رکھ اُس تیر کی پیکان کا لوہا
اے دل ! وہ نگہیاں ہے تری جان کا لوہا

نکلتے تھی دم کیشہ زنی کوہ سے آواز
 فریاد ! یہ دشمن ہے قری جان کا لوہا
 حق گوئی سے بولا یہی منصور سرِ دار
 ہے یہ تو ازل سے مرے بیان کا لوہا
 ہرزے نہ کر اب ہک قلم اس صنفِ دل کے
 دکھلا کے تو مقراضِ قلم دان کا لوہا
 فریاد سے بھی سخت ترا دل ہے کہ جس کو
 سوہان کا پہنچے ہے ، نہ سندان کا لوہا
 سب چرخ میں ہیں عشق کے ہاتھوں سے ہر شکل
 کیوں کر نہ (ہو) مشتاق سدا سان کا لوہا
 ڈورا ہے کہاں باڑہ کا ، چنے ہے یہ زتار
 تیغِ بتِ غارت گر ایمان کا لوہا
 اس بحر میں اک اور نصیر اب تو غزل لکھ
 سب مانتے ہیں تجھ سے سخندان کا لوہا

۱۱۲

کیا دیکھوں ترے خنجرِ بران کا لوہا
 بے دم کرے ہے دم میں اس عنوان کا لوہا
 جوں برق شربار ہے گردوں پہ ، یہ تیرے
 ہے نعلِ ستم تو سنِ جولان کا لوہا
 کیا سرخِ دل آڑ جانے کہ اب دام بکف ہے
 جوہر سے ترے تیر کے پیکان کا لوہا
 لکھنے کو گہکاروں کے ہے چشم کی صورت
 زنجیرِ درِ خانہ زندان کا لوہا

صیقل ہو تو آئینے سے بہتر ہے ، وگرنہ
 ہے زنگ سے عصیاں کے دل انسان کا لوہا
 پروانہ ہو کل گیر کا کیوں کر نہ گلوگیر
 قاتل ہے یہی شمعِ شبستان کا لوہا
 اے سنگ دل اس آہ سے میری تو حذر کر
 پگھلائے ہے جوں موم یہ سندان کا لوہا
 کرتا ہے نصیر آپ کو جوہر کے غضب سے
 برش میں تری تیغِ صفاہاں کا لوہا
 لازم ہے نصیر اس کو کرے آئندہ ماں صاف
 سختی میں ہو گر دل کسی انسان کا لوہا

۱۱۳

ہے عجب جھومر کا عالم اپنے رشکِ حور کا
 سرو میں خوشہ لگا دیکھا نہ تھا انکھوں کا
 داغِ دل دیکھوں کہ عالم اس رخِ پُر نور کا
 یاں چراغِ کعبہ ہے ، واں جلوہ شمعِ طور کا
 مٹو بھی تو ماتم کر اپنے عاشقِ مغفور کا
 شعلہ ملتا ہے کفِ افسوس شمعِ گور کا
 سر کے بل تو بھی گرا نا شعلہ اس کے نور کا
 گر عصا ہوتا کفِ موسیٰ میں نخلِ طور کا
 عاشقِ لاغر کی تیرے یہ پتا ہے گور کا
 گنبدِ ایض کی جا اس پر ہے بیضہ مور کا
 ہو گیا داغِ تنِ ماہی اثر سے جس کے خشک
 کیا کفِ دریا ہے نسخہِ مرہمِ کانور کا

شمع کے زہرِ قدم ہے منزلِ اقلیمِ عشق
 سر سے جو گزرے اسے کیسا سفر ہے دور کا
 روز و شب ہو کیوں نہ چشمِ کاسہ چینی بُہر آب
 اہلِ ماتم کون ہو اُس کے سوا فغفور کا
 اے دلِ کاہلہ اُس کی سرد مہری پر نہ جا
 کہینچنا تنکے کو پر میں کام ہے کافور کا
 دیدہ تصویرِ قالین چھت سے جو لگ جائے ہے
 آج ہے بستر پہ نقشہ ہوں ترے ولجور کا
 ہو گیا ہے تنگ جس کا اس زمیں میں فانیہ
 پر محلِ مشکل ہے اُس کو باندھنا مزدور کا
 رخصتہ کے قصر کی بنیاد آٹھانی اے نصیر
 کام ہے ملکِ سخن میں صاحبِ مقدور کا

۱۱۴ (تاتمام)

ماتھے پہ نقشہ ، قشتے پہ ٹیکا ، لہکے پہ موتی ہے ہم کا
 غل پہ شاخ اور شاخ پہ گل ہے ، گل پہ ہے قطرہ شبنم کا

۱۱۵

کیا ہوا گر چشمِ تر سے خون ٹپک کر رہ گیا
 بادۂ گلگون کا ساغر تھا ، چھلک کر رہ گیا
 دلِ سوادِ زلف میں ڈھونڈھے ہے رشتہ مانگ کا
 راہ جو بھولا مسافر سو بھٹک کر رہ گیا

سینکڑوں سر سر گئے ہیں عشق کے ہاتھوں سے آہ
 میں ہی کیا پتھر سے اپنا سر پٹک کر رہ گیا
 ہمبرہاں پہنچے کبھی کے منزلِ مقصود کو
 دو قدم چلتے ہی میں بیہات تھک کر رہ گیا
 جوں قفس میں بابلِ شوریدہ سر تڑپے ہے آہ
 سینہ صد چاک میں ہوں دل بھڑک کر رہ گیا
 شاید آس آئینہ رو کے ہے بھرا دل میں عیار
 خاک عاشق پر جو وہ دامن جھٹک کر رہ گیا
 سرخ نقشہ آس بت نہ ہوش کی پیشانی پہ دیکھو
 نا نلک شعلہ مرے دم سے بھڑک کر رہ گیا
 کیا ہی اتر ہے نہ سویا طفلِ اشک اے مردماں
 پنجم مڑگاں سے میں آس کو تھپک کر رہ گیا
 اڑ گئے کبکِ دری کے ہوش تو کب کے تھے ایک
 جب قری رفتار کو دیکھا ، بھٹک کر رہ گیا
 ایک دم کی بھی ملی فرصت نہ گھائل کو ترے
 تیغ کے لگتے ہی بس وہ تو سسک کر رہ گیا
 تاب آس بالے کے موتی کی نہیں کیا زلف میں
 اے دلِ آشفہ سچ کہہ کیوں تو تک کر رہ گیا
 سر زمینِ شام میں تارا گرا ہے ٹوٹ کر
 یا اندھیری رات میں جگنو چمک کر رہ گیا
 طرفۃ العین آس کی مڑگاں کے تصور سے نصیر
 خارِ سا آنکھوں میں میری کچھ کھٹک کر رہ گیا

ہاتھوں کو آٹھا جان سے آخر کو رہوں گا
 ہر دل ہے رفیق اس کو کبھی تجھ کو نہ دوں گا
 بے بوسہ لب کے تو کبھی میں نہ ٹلوں گا
 گو کالیاں تو دے گا تو بن جاؤں گا گولکا
 گر وصل کی ٹہیرے گی نہ تجھ سے تو سروں کا
 ہر بار جدائی کی مصیبت نہ سہوں گا
 میں غیر کو کب پاس کرے بیٹھنے دوں گا
 گر وہ نہیں آٹھنے کا تو لاجول پڑھوں گا

مجھ سے تو جوں کیاں ابھی دلبر نہیں بھرا
 کیوں کہنچ رہوں میں اس سے ، مرا سر نہیں بھرا
 سو بار بوسہ لب شیریں وہ دے تو لوں
 کھانے سے دل مرا ابھی شکر نہیں بھرا
 جو صاحبِ عروج ہیں گردش نصیب ہیں
 کس روز آسمان زمیں پر نہیں بھرا
 پیکر صبا جو تو ہے ہوا خواہ لا خبر
 خط کا جواب لے کے کبوتر نہیں بھرا
 تیرے خیالِ ناف سے چکر میں کیا ہے دل
 گرداب سے لکل کے شناور نہیں بھرا
 دنیا کی اور بھی کوئی دم کھاؤں گا ہوا
 قاتل کا اس گلے پہ جو خنجر نہیں بھرا

خانہ نشیں ہوں مردمکِ چشم کی طرح
 دن رات اپنے گھر سے میں باہر نہیں بھرا
 کیا جانے کیا عدم میں تماشا ہے ، جو وہاں
 یاں سے گیا ہے آہ سو جا کر نہیں بھرا
 آغوش میں سرے کوئی دم بیشہ چین سے
 بالے کے درمیان سرِ انور نہیں بھرا
 ساق بھی مدام ہے تیرا جہاں میں دور
 کب سے کشوں کی ہزم میں ساغر نہیں بھرا
 بھنوں نہ کیوں ترا مکِ لیلوی ہو پائے بوس
 لیلوی کا ہاتھ کب ترے سر پر نہیں بھرا

۱۱۸

ہے قلیاں تو کبھی شب کو اگر چاندی کا
 ہالہ فیچہ بنے ، حُفّہ ہو قمر چاندی کا
 قول دے کر سرے ہاتھوں سے لیا تھا آس نے
 سو کیا مار وہ چھلا ہے مگر چاندی کا (کذا)
 کہکشاں مالک ہے تیری سرِ مو فرق نہیں
 رکھ نہ تعویذ اپنے رونقِ سر چاندی کا
 سابقا صبح لیے جامِ زہرِ سرخ ہے مہر
 تو بھی ساغر منے گنگار سے بھر چاندی کا
 بن کے بالے کا مگر لے ہے مدا بوسہ رخ
 بل بے چھاتی تری ، اٹھ رہے جگر چاندی کا
 کیمیا گر تو اسی فکر میں کیا چرخ مدا
 تیرے نزدیک بنانا ہے ہنر چاندی کا

خاکساری کو سمجھتے ہیں وہ اپنی آکسیر
رکھتے چھٹلا نہیں اربابِ نظر چاندی کا

۱۱۹

جب اُس نے آنے میں ابروے خم دار کو دیکھا
حلب میں ہم نے تب چلتے ہوئے تلوار کو دیکھا
سراسر جس نے تیری زلف کے ہر تار کو دیکھا
سوادِ ہند دیکھا، کشورِ تاتار کو دیکھا
مہارے شوقِ نظارہ سے کل ہنہرا گئیں آنکھیں
یہاں تک ہم نے چشمِ رخنہ دیوار کو دیکھا
نہ تنہا آڑ گئے کبکِ دری کے ہوش تھے کب کے
ہوا ہمال، جس نے پاں تری رفتار کو دیکھا
کہاں ہے کہکشاں الفت میں تیری اسے بت مہ و ش
فلک کے شبِ گلے میں رشتہ زئار کو دیکھا
غم فرہاد میں ہشور کا زہرا بھی ہوا پانی
کہ جاری روز و شب ہر چشمہ کھمار کو دیکھا
نہ چھوڑا تیرِ مژگن سے کوئی آفاق میں اُس نے
سدا ترکش ہی بالندے ترک چشمِ یار کو دیکھا
ہمارے دیدہ تر سے کرے کس منہ سے ہم چشمی
کھٹا دن رات ہم نے ابر دریا بار کو دیکھا
کیا پھر عشق کا ہر سرو سے سروانہ ہماری نے
چمن میں اس روش سے کل قدرِ دلدار کو دیکھا
جدا یک چند مجھ سے کر دیا مہرو کو اب اُس نے
نصیر اس گردشِ گردونِ کج رفتار کو دیکھا

کہاں ہے رخ بہ اس کے لاجوردی کان کا پتا
 جھکا ہے لالہ احمر بہ لافرمان کا پتا
 خیالِ زلف و خط جاتا نہیں ہے اس سمن بو کا
 مرے مرقد بہ رکھ دے سنبل و ریحان کا پتا
 کسے خوش آنے ہے حیر چمن اے گل بدن تجھ یں
 لگے ہے مجھ کو خنجرِ سوسنِ بستان کا پتا
 بھلا کس منہ سے اب تم بولتے ہو سرخ رو ہو کر
 دیا ہے آپ نے کس دن مجھے اک پان کا پتا
 ترے ابرو بہ جو کل برگ کو دیکھے سو کہتا ہے
 نکالا شاخِ آہو نے عجب عنوان کا پتا
 جلایا دل کو تیرے سرخ پشانی کے نقشے نے
 کرے شکوہ نہ کیوں کر شعلہ سوزان کا پتا
 یہ حالت اپنے جسمِ ناتواں کی اس گلی میں ہے
 کہ جوں اڑتا بھرے ہے باد سے میدان کا پتا
 نہ کیوں سر در گریباں غنچہ ما ہو کر آئے دیکھوں
 مرا ہے صفحہ دل گلشنِ عرفان کا پتا
 عیاں ہے لختِ دل مژگانِ خونِ آلودہ پر میرے
 نہیں دیکھا تو دیکھو سجدہ مرجان کا پتا
 نہالِ شمع تھا ہے برگِ یارو پر نکالا ہے
 برِ پروانہ سے اس نے عجب ہی شان کا پتا
 نصیر ایسی غزل تم نے یہ لکھی ہے کہ کہتا ہے
 زبان سے آفریں ہر بار بختستان کا پتا

لگنِ عشق میں سرِ شمع کو کھوٹے دیکھا
 شجرِ سوختہ کو سبز نہ ہوتے دیکھا
 ابروئے ہار کا خمِ دل کو نہ کھوٹے دیکھا
 شاخِ آہ کو قلمِ ہم نہ ہوتے دیکھا
 موجِ دریاے محبت ہے تری چینِ جبین
 کشتیِ دل کو اک عالم کی ڈبوٹے دیکھا
 کہوں نہ ہو طالعِ واڑوں سے قلم کو گردش
 رو سیاہی کو سدا اشک سے دھوٹے دیکھا
 ایک عالم ہے ترا فرشِ رہِ الفت ، یار
 سنگِ کوچے سے ترے کس کو نہ ڈھوٹے دیکھا
 ہو گیا حلقہ بکوشوں میں مہِ ہالہ نشیں
 ماہتابِ پہ جو شب کو تجھے سوٹے دیکھا
 تھی ہوس موتیوں کے ہار کی عاشق کو ترے
 تارِ دامن سے جو آنسو کو پروٹے دیکھا
 مزرعِ عشق سے حاصل نہیں جز داغِ نصیر
 دائہ اشک سدا شمع کو بوٹے دیکھا

ہجومِ خال دیکھ اس رخ پہ، دل خط سے سنہل نکلا
 مسافر ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں تاروں کی چل نکلا
 شرارت دیکھ اس خورشیدِ رو کی فطرۃ شبنم
 سینہ آسا چمن میں بھجر گل سے آجہل نکلا

عجب آب و ہوا ہے سرزمینِ عشق کی دیکھو
 کہ لخلِ شمع جلنے میں ’گلِ آتش سے پھل نکلا
 ہوائے گل میں ہے صباد کا کھٹکا سا بلبل کو
 ہزار السوس ہے جی کا نہ اُس کے یہ خلل نکلا
 چمن میں عرس شاید ہے شہیدوں کا ترے ’گلِ رو
 ہتیلی پر جو لالہ سرخ اک لے کر کنول نکلا
 نصیر اُس زلف کی یہ کج ادائی کوئی جانے ہے
 مثل مشہور ہے رستی جلی لیکن نہ بل نکلا

۱۲۳

یوں دلِ صد چاک کو مت دیدہ تر بیچنا
 یہ ’گلِ ہڑسدا ہے ، اس کو چھڑک کر بیچنا
 ایک بوئے ہر دیا اُس سنگ دل کو آہ دل
 ہم کو سودا آئے ہے کیا خاک پشہر بیچنا
 دامنِ مژگاں میں اشک اور لختِ دل کو باندھ رکھ
 چشمِ تر تک دیکھ کر یہ لعل و گوہر بیچنا
 خون پہاے قہس کا قطرہ ہے ہاں اے خارِ دشت
 تو بجز لیلیٰ نہ یہ یا قوتِ احمر بیچنا
 آہ ملکِ عشق میں آساں نہیں رکھنا قدم
 شمع ساں مشکل ہے یہ اے بوالہوس سر بیچنا
 کعبہ دل ہے یہ اُس کا طوف کر اے شیخ دیکھ
 ان بتوں کے ہاتھ مت اللہ کا گہر بیچنا

پاں در مضمون کی اپنے پھر خریداری ہے آج
 جسیر معنی کو گئے بھول اب سخن ور بیچنا
 آٹھ گیا دور حریفان تو جو کہتی ہے نسیم
 کل نے کب چھوڑا (ہے) گلشن بیچ ساغر بیچنا
 ہنس کے مت دندان نکالو کب بھاتا ہوں میں اشک
 کوڑیوں کو یہ نہیں مجھ کو کبوتر بیچنا
 ہیں فروشنده دلا کچھ دست گرداں چیز کے
 آن سے کہہ دے اُس کے ہاتھ اب کچھ نہ لے کر بیچنا
 معنی گر دیکھو گئے تم وہ ابرو و مژگان و چشم
 بیہول جاؤں گا کہاں و تیر و خنجر بیچنا
 زلف سے سودا نہ کر خط کشی تو اُس کا اے نصیر
 یہ متاعِ دل ہے اس کو دیکھ رکھ کر بیچنا

۱۲۲

ٹانگوں سے زخم پہلو لگتا ہے کنکھجورا
 مت چھوڑ میرے دل کو بیٹھا ہے کنکھجورا
 چنپاکی کا اُس کی کیوں کر خیال چھوٹے
 بے وجہ دل سے آ کر لپٹا ہے کنکھجورا
 وہ جنبشِ نگہ کیوں مارے نہ ڈنکِ ہردم
 تھریں سرمہ گویا کالا ہے کنکھجورا
 زبیرِ کلو ہے کنٹھی، یاقوت کی ہے گھنٹی
 اے شوخ! یہ گریبان تیرا ہے کنکھجورا
 رہتا ہے کیا تصور دن رات مجھ کو اُس کا
 آنکھوں میں لال سر کا پھرتا ہے کنکھجورا

طفلی میں کھیل سیکھے مجھ پر جواب بنا کر
 تنکوں سے سینگرے کے پھینکا ہے کنکھجورا
 خطِ سیاہ درپے ہے زلف کے نصیر اب
 جھٹوکا چھٹنے گھر نکلا ہے کنکھجورا

۱۲۵

خط سے ترے وصلِ دلِ انکار نہ پایا
 سر ہم گئے پر سر ہم رنگار نہ پایا
 کیا خاکِ نمود اشک کی ہو نوکِ مژہ پر
 یک بل کبھی شبنم کو سرِ خار نہ پایا
 دنیا میں غرض بیچ ہے یہ زلدگی اپنی
 جو ہم نے سراغِ کمر یار نہ پایا
 کیا نمکت و شان ہے وحشت سے ہماری
 پتھروں سے تھی دامنِ کسار نہ پایا
 ہر رنگ میں صورت ہے تری شاہد معنی
 ڈھولڈا تجھے ہاں کس نے جو زہار نہ پایا
 السوس کہ نرگس کی روشِ باغِ جہاں میں
 کچھ ہم نے بجز حسرتِ دیدار نہ پایا
 رعبور ہے نرگس تو تری دیکھ کے آنکھیں
 حیرت ہے کہ آئینے کو بیمار نہ پایا
 اک بار جہاں دیدہ تر لے کے گئے ہم
 واں ابر کُسر ہار نے بھی ہار نہ پایا
 یاں تک تجھے دیکھا کہ یہ پتھرا گئیں آنکھیں
 اور ایک کھلا رخسہ دیوار نہ پایا

کیا گل کی کمپوں تجھ سے اے بے دید حقیقت
 تجھ میں تو ٹھہرت کا کچھ آثار نہ پایا
 وابستہ نصیر اس کی یہ زلفوں سے رہے ہے
 دل سا تو کوئی ہم نے سیدکار نہ پایا

۱۲۶

شب تجھ کو دیکھ نہ فقط شرمگین رہا
 تاصبح آفتاب بھی زیر زمیں رہا
 کیا نالوکِ مڑے سے یہ دل سہم گئی رہا
 ابرو کہاں خیال ترا زہ نشیں رہا
 بیہات کس کے روبرو فریاد کیجیے
 بدم نہ کوئی تا بہ دہر واپس رہا
 لاطافتی کے ہاتھ سے سوجھے ہے ایک دن
 جون نقشہ ہا گرا میں جہاں ، پھر وہیں رہا
 ساقِ ترے بغیر شبِ مانتاب میں
 دریا بھی ہم پہ موج سے چپی بر جیہیں رہا
 حیراں ہے مثل آئندہ کیا چشم انتظار
 تیرا خیال خواب میں بھی نازیں رہا
 ہالے میں یوں نمود ہے شب کو دوچند نہ
 انگشتی کے خانے میں جیسے نگین رہا
 انگور باغِ غلد کو ہر لحظہ تاک کر
 تو کس روش کسے ہے سرا خوشہ چیں رہا
 اک آبلہ تھا سو بھی گیا خارِ غم سے بھٹ
 تیری کرہ میں کیا دلِ اندوہ گین رہا

جوں موج ہاتھ مارے کیا بحرِ عشق میں
ساحلِ نصیر دور ہے اور دم نہیں رہا

۱۲۷

دل کو اے شاہدِ معنی جو مصفا کرتا
تو اس آئینے میں صورتِ تری دیکھا کرتا
دستِ پُہر نور جو تیرا ہے ارادہ کرتا
ہنچہ مہر کا کیا منہ ہے جو ہنجا کرتا
مے برستی جو وہ مہ ہارا ہارا کرتا
جامِ خورشید کو اور چرخ کو مینا کرتا
نہ پھاتا جو سرشک آنکھ سے تو کیا کرتا
بند کوزے میں بھلا کیونکہ یہ دریا کرتا
کیونکہ اک بوسے پہ قاتل سے تو جھکڑا کرتا
سچ ہے یہ بات دلا ”کیا نہیں مرنے کرتا“
کچھ سمجھ کر نہیں باندھا ترے ’جوڑے کا خیال
ورنہ کافر یہ سرے دل کو مروٹا کرتا
کیوں نہ روہا جو قیامے تنِ خاکی پہ دلا
کام ہر اشک اتونے قلمی کا کرتا
جلوۂ حسن ترا اُس سے ہے صد چند فزوں
مہ کا کیا منہ ہے جو ہم چشمی کا دعوا کرتا

قطعہ

شبِ مہتاب میں ’تو بیشک کے مہتابی پر
چاندنی کی جو کبھو سیر لگارا کرتا
سر پہ جھومس کو ترے دیکھ کے چھپتا ہروں
بالہ مہ کو خجل کان کا بالا کرتا

دودِ آہِ جگری کام نہ آیا بارو
 ورنہ رونے شبِ ہجر اور بھی کالا کرتا
 جامِ مے ساقیؔ کم ظرف نے بھر کر نہ دیا
 ورنہ ہائے خمرِ مے خانہ نہ ٹوٹا کرتا
 چشمِ حیراں سے مجھے آتشِ دل بارو خاک
 ابرِ تصویر سے ہانی نہیں برسا کرتا
 ساتھ اشکوں کے نہ خوں ہو گئے ہا دل ورنہ
 صورت اک اور بھی پیدا یہ پھپھولا کرتا
 کشتہؔ لاز کو کرتی ہے تری چشم اچھا
 یہ فرنگی تو ہے اعجازِ مسیحا کرتا
 مژدہ تر سے سرے آس نے نہ کی ہم چشمی
 ورنہ ہانی سے رگِ ابر کو پتلا کرتا
 آتشِ عشق کے شعلے کو یہ بھڑکانا ہے
 ہر پروانہ نہیں شمع کو پتکھا کرتا
 دیکھتا تابِ فلک گر ترے رخساروں کی
 تو شب و روز مہ و مہر کو وارا کرتا
 گر نہ ہوتی طلبِ ہوسہ تو زلفوں سے لڑی
 جس دل کا نہ گلے پڑ گئے میں سودا کرتا
 وسہ ابرو پہ لگا اپنی ہائے خوبیِ چشم
 شاخِ آہو یہ نہیں کس لیے مینا کرتا

قطعہ

چشمِ پُراشک میں تیرے لبِ پاں خوردہ کا
 گر تصورِ سحر و شام میں باندھا کرتا
 عوضِ رشتہٗ ابریشمِ گلکوں بھر تو
 رگِ یاقوت میں موقی ہی پرویا کرتا

قطعہ

سامنے میرے ، ترے کاکلِ مشکیں سے اگر
 بے سبب دستِ دراڑی کبھو شالا کرتا
 اس خطا پر آئے کچھ اور نہ دیتا تعزیر
 صاف یک دست قلم ہاتھ میں آس کا کرتا

قطعہ

ایک دن مجھ سے یہ آس پردہ نشیں نے بوجھا
 کنجِ تنہائی میں گر تجھ سے نہ پردا کرتا
 تو مجھے عاشقِ بے تاب اکیلا ہا کر
 سچ بتا تو کہ مرے ساتھ بھلا کیا کرتا؟
 من کے اے ہم نفساں! میں نے کہا یہ آس سے
 میں کسی بات کا ہرگز نہ ارادا کرتا
 صفحہٗ دل سے ترے صاف گہاں بد کو
 یک قلم دور بہاں شکل نگارا! کرتا
 یعنی آئینے کے مانند یہ آئینِ صفا
 دیکھتا میں تجھے اور تو مجھے دیکھا کرتا

سر جدا تن سے نہ قاتل نے کیا حیف نصیر
ورنہ عرابِ غمِ تیغ میں سجدا کرتا

۱۲۸

صاف طینت ہے ، کہاں آنے نظر میں تنکا
ہم نے آئینے کے دیکھا نہیں گھر میں تنکا
رُشک سے اُس لبِ ہاں خوردہ کے دیکھو بارو
رگ نہیں ، لعلِ یمن کے ہے جگر میں تنکا
یہ نہیں رشہٴ مسواک ترے خوف سے ہے
طفلِ ترسا دہنِ شیخِ پسر میں تنکا
زندگی کو بھی تو سمجھے گا ترا عاشقِ بیچ
نے سواری نہ کر اب رکھ کے کمر میں تنکا
غمِ ہجران سے یہ حالت ہے مری اے قاصد
باندھ دیتا ہوں کبوتر کے میں پر میں تنکا
ناتوانی کا آئے گر لکھوں خط میں مضمون
سیک تک ابھی نہیں پر راہِ گزر میں تنکا (۹)
رکھ کے سر بالشیِ غمل یہ جو کرتے تھے خواب
اُن کے ہے بعدِ فنا کاسہٴ سر میں تنکا
چاکِ زخمِ تنِ لاغر ہو رفو کیونکہ نصیر
چشمِ سوزن کی میں لگتا ہوں نظر میں تنکا

عکسِ مڑکاں سے ہے یوں دیدہ تر میں تنکا
 کہ نکلتا نہیں جوں آ کے بھنور میں تنکا
 اُس کہاں دار کے قرباں ہوں نہ کیوں ہاتھوں کے
 تیر کا کام کرے کیوں نہ سپر میں تنکا
 اس لیے دشت کو جھاڑے تھا مڑے مجنوں
 دے ناکہ کی نہ تا راہ گزر میں تنکا
 جبکہ جاروب دے ہر صبح شعاعِ خورشید
 مہ جیوں کیونکہ دے پھر ترے گھر میں تنکا
 صبح دم گر نہ سنے نالہٗ بلبل تو صبا
 شاخِ گل سے کرے گوشِ گلِ تر میں تنکا
 رشتہٗ جاں سے مارے اُن کو پروکان میں رکھ
 کوئی کرتا نہیں سوراخِ گُہر میں تنکا
 ہوں ہم عشقِ بتان سے ہے دلِ زاو مرا
 کھربا کھینچ کے جوں رکھے ہے ہر میں تنکا
 ناتوانی نے تو رکھا تھا مجھے دشت میں کھینچ
 جوں عصا کام نہ آتا جو سفر میں تنکا
 ایک تو آگے ہی لاغر ہوں میں اے خانہ خراب
 اس پہ مارے ہے مجھے چھپ کے تو درمیں تنکا
 بانگ کرتے ہی شبِ وصل میں اے کاکشاں
 کردے تو دیدہ ہر مرغِ سحر میں تنکا

سایہ زلف کے جو بوجھ سے لچکے بارو
 اُس کے کیا ہاندھے مضمون کمر میں تنکا
 گوشہ چشم میں دلبالہ نہ سرمے کا بنا
 یوں ہی کر دے کسی عاشق کے جگر میں تنکا
 اے غم ہجر لکے ہے تری دولت سے سدا
 تن کا پیدہ مرا سب کی نظر میں تنکا
 قاب کیا ہے جو تجھے اور نظر سے دیکھے
 کھینچ کر آہ کروں چشمِ قمر میں تنکا
 تم نے تنکے کی غزل ایسی یہ لکھی ہے نصیر
 ایک جس میں کا نہ تھا فہمِ بشر میں تنکا

۱۳۰

نہیں کرتا یہ 'مقل' ، کیفیت میں 'چور' ہے شیشا
 یہ یزیر مے کشاں ساقِ عجب 'پُر نور' ہے شیشا
 انا الحق کہہ رہا ہے حضرت منصور ہے شیشا
 بتا خورشید مے سے رشکِ شمعِ طور ہے شیشا
 بتا مجھ کو کہ کیا اے ساقِ غمور ہے شیشا
 ہری کا دل کہوں میں یا کہ چشمِ حور ہے شیشا
 اس مردن بھی مجھ سے مے کشو کیا دور ہے شیشا
 سرِ بالینِ مرقد جائے شمعِ گور ہے شیشا
 تن کا پیدہ رندانِ ساغرکش کو کھینچے ہے
 کہ رکھتا مے کدے میں جذبہ کافور ہے شیشا
 نہیں ہے قابلِ ہادہ کشی یہ گلشنِ ہستی
 کہ جامِ گل ہے ٹوٹا گنجے کا بھی چور ہے شیشا

یہاں تک کہوں کہ آئے آبلہ ہائی کے ہاتھوں سے
 بغل میں لا آٹھا کر ماقیا مجبور ہے شیشا
 بھرا ہے نورِ حق اس میں مئے گل رنگ ہے اس میں
 مقابل ہو مرے دل سے یہ کیا مقدور ہے شیشا
 نہیں ہے بن کرے کچھ محفلِ عشرت کی کیفیت
 کہاں کا جام ، کیسا اے بتِ مغرور ہے شیشا
 مئے گلگوں کا ساغرِ آفتابِ روزِ محشر ہے
 نصیر اب بھونکتا قلقل سے مے کی صور ہے شیشا

۱۳۱

غرق نہ کر دکھلا کر دل کو کان کا بالا زلف کا حلقا
 بھر حسن کے ہیں یہ بھنور دو ، کان کا بالا زلف کا حلقا
 بالہ نہ پہنچے ہے نہ اس کو ، نے خطِ ساغر اس کو لگے ہے
 آئینہ تم لے کر دیکھو ، کان کا بالا زلف کا حلقا
 آہوے دل اور طائرِ جاں کے حق میں یہ دونوں بھندے ہیں
 ہم کو دکھا کر تم نہ چھپاؤ کان کا بالا زلف کا حلقا
 آج سوائے شانے کے باں کس کام ہے ، کون ہے ایسا
 چھوڑے تمہارے چہرے پر جو کان کا بالا زلف کا حلقا
 دولوں قبرے عارض ہر دن رات ملے یہ دیتے ہیں
 عینکِ سہر و ماہ نہ کیوں ہو کان کا بالا زلف کا حلقا
 نیش زنی میں یہ عقرب ہے ، کالا ہے وہ کندلی مارے
 حضرتِ دل باز آؤ نہ چھڑو کان کا بالا زلف کا حلقا

کس کو حصارِ حسن کہوں میں کس کو خطرِ ہر کل کہے دل
 منہ سے الٹ برقع کو دکھا دو کان کا بالا زلف کا حلقا
 یہ ترے رخ کے ہوئے لبی اور تریں مری آنکھیں اے وائے
 دیکھ کے کیوں رشک آئے نہ مجھ کو کان کا بالا زلف کا حلقا
 آج زلیخا گر یہاں ہوتی دامنِ کمند و چاہ میں بہنستی
 دیکھ مرے یوسف کا عزیزو کان کا بالا زلف کا حلقا
 کیونکہ نصیر اربابِ سخن تھیں نہ کریں سن کر یہ غزل
 جبکہ تم اس صورت سے باندھو کان کا بالا زلف کا حلقا

۱۳۲

ٹک آنکھ کھول کے دیکھو حجاب ہے دریا
 ہر ایک موج سے اُپر بیچ و تاب ہے دریا
 ہمارے دہدہ تر میں گزر کر اے بے دیدا
 نہیں ہے حاجت کشتیِ پیاب ہے دریا (کذا)
 نہ کھول زلف کو چہرے پہ دن کو شام نہ کر
 نہا تو شوق سے ہوئے حجاب ، ہے دریا

قطعہ

عجب طرح کی ہے اک سیر آ کے دیکھ دو چند
 وہ ماہِ رو ہے شبِ ماہتاب ہے دریا
 پہنچ شتاب کہیں بادہ لے کے اے ساقی
 کہ ماہیِ بانی میں جل کر کباب ہے دریا
 اٹھے ہے سینکڑوں پر لحظہ موجِ گوناگوں
 نصیر یہ دلِ خاناہ خراب ہے دریا

۱۳۳

شب کا پکشاں کا نہیں زورِ کار کا ہٹھا
 ہے گردنِ گردونِ ستمِ کار کا ہٹھا
 کتنی نہ صبا ہر ورقِ گل کو پریشان
 ہوتا جو کتابِ گلِ گلزار کا ہٹھا
 برق آہ جگر ہے مری ڈرِ کودکِ دہقان
 چھوڑے گی نہ خرمن نہ یہ اک جوار کا ہٹھا
 لیتا ہے سحرِ پنجہ خورشید ہلائیں
 زر کا ہے عجب بازوئے دل دار کا ہٹھا
 بیچ اس پہ نہ کراے ہلِ عشقِ بتِ کافر
 دل کو نہ سمجھ میرے خدا یار کا ہٹھا
 ریس اس لبِ پرِ خال کی ستِ تلِ شکری کر
 وہ قند ، تو قفسادِ ہنر کار کا ہٹھا
 ہے اس کی فریبتِ دل ہمدردِ آواز
 رکھتا ہے نہ تھا یہ مرے یار کا ہٹھا
 بلبل کے تو ہوش اُڑنے ہیں ہاں رو برو اس کے
 کیا بولے کا طوطی شکرِ خوار کا ہٹھا
 لکھی ہے نصیر ایسی غزل تو نے کہ جس کے
 ہر شعر میں ہے معنی نہ دار کا ہٹھا

۱۳۴

جسم اس کے غم میں زرد از ناتوانی ہو گیا
 جامہ عربانی اپنا زعفرانی ہو گیا
 بے تکلف ہو جو بیٹھا کھول چھاتی کے کواڑ
 آئند ہو منفعل دیکھ اس کو ہانی ہو گیا

کیا ہوا پھکائے سے تیرے بھلا اب اے رقیب
 آخرش اس نے ہماری بات مانی ، ہو گیا
 جاگ اے غافل کہ ہماری کی ہوئی تیری سحر
 کٹ گئی غفلت کی شبِ عہدِ جوانی ہو گیا

۱۳۵

آب میں سایہ فکن گر رخِ دلبر ہوتا
 شاخِ ہر موج سے پیدا گلِ احمر ہوتا
 تجھ کو دیکھ آئندہ وحشی جو نہ دلبر ہوتا
 صورتِ حلقہ زنجیر نہ جوہر ہوتا
 کاش اس چاہِ ذاق میں دلِ مضطر ہوتا
 گر ٹکلتا نہ غنشب تو مقرر ہوتا
 حیف دیکھی نہ جیسی اس کی مسیحا ورنہ
 چرخِ چارم پہ ترے پاس مرا گھر ہوتا
 میں اگر کہنے سے اس بت کے پھتا زنار
 دل میں جوں رشتہ تسبیح مرا گھر ہوتا
 بعدِ مجنوں شہِ اقلیمِ سخن ہوں ، یعنی
 سر پہ یہ داغ جنوں کیونکہ نہ انسر ہوتا
 کیا کروں دیکھ کے ایرو وہ بھاری مڑکاں
 عوضِ تیغ گلو پر مرے خنجر ہوتا
 کرتے ہم قطع نظر عکسِ دوقی سے تو نصیر
 وصلِ اس آئندرو کا جو میسر ہوتا

۱۳۶

زلف کا کیا اس کی چٹکا لک گیا
 زور دل کے ہاتھ لٹکا لک گیا
 تارِ مڑکان پر چلا جانا ہے اشک
 کام پر لڑکا یہ لٹ کا لک گیا
 چشم و انرو پر نہیں موقوف کچھ
 جانِ من دل جس کا اٹکا، لک گیا
 جامِ گل میں کیوں نہ دے شبنم گلاب
 صبح دم غنچے کو چٹکا لک گیا
 منزلِ گم کردہ اک میں ہوں نصیر (کذا)
 راہ سے جو کوئی بھٹکا لک گیا

۱۳۷

گل کو ترے چہرے کے برابر جو نہ پایا
 غنچے نے بھی ہنس ہنس آئے چٹکی میں آڑایا
 جامِ مئے وحدت سے چھکا ساقِ کوثر
 اس دور میں سوچھے نہ کوئی اپنا پرانا
 سر کو سرِ زانو سے اٹھائیں گے نہ عاشق
 آنکھیں کو گر تو نے صنم منہ کو دکھایا
 جوں آبِ رواں عمر چلی جائے ہے افسوس
 دل نے لبِ دریا پہ ہمیں خوب رلایا

دیکھا ہے لرے گوشہٴ دامن کو چمن میں
 گل نے جو کبھو گوشہٴ دامن نہ سلايا
 صد نصل گل اس دولت دکھائی
 اک ایام جوانی نہ پر آیا
 طے کر گئے یارانِ عدم رفتہ تو منزل
 سوتے رہے ہم ، ہم کو کسی نے نہ جگایا
 نیرنگی 'عشقِ ستم ایجاد کو دیکھو
 شبنم کو 'رلا سامنے بھر گل کو ہنسایا
 کوچے سے نصیر آس کے نہ ہم بیٹھ کے اٹھے
 جوں نقشِ قدم خاک میں آفت نے ملایا

۱۳۸

فقط نہ دیر نہ کعبے میں ہے گزر تیرا
 بولنگِ نکبتِ گل جا بہ جا ہے گھر تیرا
 رکھے ہے تو بھی کہیں آفتِ نمر قمری
 گلو ہے ہالہ نشیں طوق سے مگر تیرا
 نہیں ہے شمع تو مغضوبِ عشق پروانہ
 کہ تاج زر کے لیے شب کٹے ہے سر تیرا
 ستم سے ہاتھ اٹھا اپنے اے کہاں ابرو
 جگر کے ہار ہوا نلوکِ نظر تیرا
 ہسانِ حلقہٴ در چشمِ انتظار مری
 لگی ہے یہ کہ نہیں چھوڑتی ہے گھر تیرا
 سحر کو بہرینِ سرخ رنگ میں دلبر
 لکھے ہے جوں رگِ گلِ رشتہٴ کمر تیرا

بونکِ نرگسِ شہلا نہیں جھپکتی چشم
 ہنوز محوِ تماشا ہوں اس قدر تیرا
 یقی ہے شورِ قیامت ہو اس قدر یرہا
 گزر ہو بامِ بہ اے رشکِ سہرگِ تیرا
 نصیرِ قاصدِ اشکِ رواں کو بھیج وہاں
 میں ہے راہِ محبت میں نامہ بر تیرا

۱۳۹

اہلے دیکھ تو ہیں اس دلِ سوزان میں کیا
 شیشہ گر ہوں گے یہ شیشے تری دکان میں کیا
 رخ بہ آنے دو (کہ) فرق آنے کا ایمان میں کیا
 ہرِ طاؤس کو رکھتے نہیں قرآن میں کیا؟
 پاں تک آنے ہوئے ہو جائے گا اک آن میں کیا
 جفتے بڑ جائیں گے کچھ آپ کی اب شان میں کیا
 جب کہ لے زلف تری مصحفِ رخ کا بوسہ
 پھر یہاں فرق ہو ہندو و مسلمان میں کیا
 کی ہے استادِ ازل نے یہ رہائی سوزوں
 چار عنصر کے سوا اور ہے انسان میں کیا
 گرد تو اس کے جو بھرتا ہے دلا ڈاواں ڈول
 ہے ترا نال گڑا چاہِ زخندان میں کیا؟
 جا بجا دشت میں خیمے ہیں بگولے کے کھڑے
 عرسِ مجنوں کی ہے دھوم آج یہاں میں کیا؟

قطعہ

اے فلک دور کی کہتا ہوں میرے نو کے کہاں
 بات یہ آئی خیالِ دلِ نادان میں کیا
 صدقے اللہ کے جس نے کہ مرے بت کے لیے
 بھانک رکھی ہے جانے کی ترے غوان میں کیا (کذا)
 چار آنکھیں تو ذرا اس سے کر اے وعدہ خلاف!
 آج منہ ڈال کے بیٹھا ہے گریبان میں کیا
 اپنے کانوں سے ابھی کچھ تو نے سنا ہے کہ نہیں
 حق میں کذاب کے فرمایا ہے قرآن میں کیا
 دل میں گر تو ہو تو ہم آہ بھی کھینچیں ورنہ
 شمع روشن کریں اس خانہٴ ویران میں کیا
 مر گیا ہوں میں کسی پردہ نشین کے غم میں
 قبر بنواتے ہو پارو مری میدان میں کیا
 شاخِ گل پر جو صبا بیٹھ کے یہ پھولے ہے
 ہر سرخاب ہے کچھ ہلبلیں نالان میں کیا
 دل کے حق میں مرے جوں ارہ ہے گل گیر بتو
 غم نے بنوائی ہے کنٹھی یہ گریبان میں کیا
 حضرتِ عشق کی کرتا ہے جو سہاں داری
 ترے سینے کے ہے اس کلیدِ احزان میں کیا
 دلِ بُر آبلہ اک خوشہٴ انگور ہے سوچ
 یہ نصیر آئے بھلا خاطرِ سہاں میں کیا
 رنگ ہے گلشنِ ہستی کا تو ہے رنگ نصیر
 دم میں کچھ بدلے ہے، ہو جائے ہے اک آن میں کیا

سرشکِ چشم نہ رخ پر کہیں ذوا ٹھیرا
 کہ تھا یہ گوہرِ غلطان نہ ایک جا ٹھیرا
 ہارے دل میں خیالِ بتاں ہے کیا ٹھیرا
 کہ ہے یہ کعبے میں صورت کا قافلہ ٹھیرا
 حرمِ سینہ میں آنا جو یار کا ٹھیرا
 تو دم مرا بٹے تعظیم لب پہ آ ٹھیرا
 شہیدِ دستِ حنائی جو دل مرا ٹھیرا
 تو دینا آپ کو یک مشت خون بہا ٹھیرا
 مرید کون ہے یہ حلسے میں ہو جا کر
 تمہاری زلف کا دل اب تو بالکا ٹھیرا
 آٹھاؤں کیونکہ نہ ہستی سے ہاتھ پیری میں
 قدرِ دوتا یہ مرا جب کہ شکلِ "لا" ٹھیرا
 سرشک سے بنِ مژگان میں کر نہ کاوش چشم
 بیزیرِ نفلِ مسافر تھا کیا ہوا ٹھیرا
 نہ رکھ خیالِ بتِ شعلہ رو دلِ مضطر
 کہ بارہ آگ پہ ہم نے نہیں سنا ٹھیرا
 فقیر گرچہ ہوں لیکن نگاہِ شاہاں میں
 مدام شیرِ نیستانِ بوریا ٹھیرا
 نمودِ خالِ رخِ یار سے تعجب ہے
 یہ کیونکہ دائرہ شرر پر سپند کا ٹھیرا
 متاعِ دل بہت ارزاں ہے ، کیوں نہیں لیتے
 کہ ایک بو سے یہ سودا ہے اب تو آ ٹھیرا

نصیر اور بھی لکھ اس زمیں میں تازہ غزل
سمندرِ کلکِ روان کو نہ ایک جا ٹھیرا

۱۴۱

دلا جو رات دن اس میں وہ دل رہا ٹھیرا
مکانِ چشم یہ جامِ جہاں نما ٹھیرا
تلاشِ رُزق بھی رکھتی ہے سب کو گردش میں
کہ بھرنے سے نہ کبھو سنگِ آسیا ٹھیرا
محیطِ ہستی فانی میں ایک دم کے لیے
عبثِ حجاب ہے تو بالذہنی ہوا ٹھیرا

قطعہ

میں اس کی چشم کا بیارِ ناتوان ہوں طیب
جو میرے حق میں مناسب ہو وہ دوا ٹھیرا
بجائے آبِ منے نرکسی ہلا عجب کو
غذا کچھ اور نہ بادام کے سوا ٹھیرا

قطعہ

فصودِ فہم ہے تیرا یہ بلبِ نادان
نہ اس سے دل میں ارادہ تو جنگ کا ٹھیرا
چمن میں بادِ خزاں سے کوئی بچے ہے دل
کہیں چراغ ہوا سے بھی ہے بھلا ٹھیرا ؟

قطعہ

دلا ! اگر تجھے اَلِ نبیؐ سے الفت ہے
 تو ان کے غم میں نہ آنسو کو اب ذرا ٹھہرا
 یہ آبلہ جو ہے اے یار میرے سینے میں
 اے تو تعزیم اور اس کو کر بلا ٹھہرا
 دہلی نے یار جدا کر دیا تھا مثلِ حباب
 سوکھو کے دم میں خودی کو خدا کا ٹھہرا
 نصیر ہوچہ نہ مجھ سے کہ بحرِ ذات میں تو
 صفات ہو کے بہنور شکلِ موج یا ٹھہرا (کذا)

۱۴۲

دل نے تو الفتِ پناہ کو نہ اصلا کھولا
 چشمِ تر تو نے مرا حیف یہ پردا کھولا
 بھر افطار جو منہ ہم نے شب اپنا کھولا
 یار کے شربتِ دیدار سے روزا کھولا
 تیرے روزِ دل ہم نے دوبارا کھولا
 بھر تری آمد و شد کے لیے رستا کھولا
 الفتِ گل سے آٹھا دے گی صبا بلبل ہاتھ
 کسی عاشق نے اگر زخمِ جگر کا کھولا
 آئندہ دیدہ خورشید لگا دکھلانے
 صبح گھونکھٹ سے جو اس نے رخِ زیبا کھولا
 مری ہلکوں پہ وہ ٹکڑے دل پر داغ کے دیکھ
 بولا یہ سات گلے خال کا اچھا کھولا (کذا)

خالِ رخ پر نظر آئے نہیں تارِ گیسو
 مہ جیسی رات کو والدہا تھا جو ناڑا کھولا (کذا)
 اہ کچھ ہم کو نہ تھی فرصتِ یکدم کی خبر
 اے حبابِ لبِ جو تو نے یہ عقدا کھولا
 بند بند اس کے جدا کچھے جی ہے دل میں
 جانِ من بندِ قبا جس نے سمھارا کھولا
 سرِ عشاق یہ کیوں کر نہ ہلا نازل ہو
 تو نے اے رشکِ ہری شام کو جوڑا کھولا
 الفتِ سرو گلوگیر ہے کیا قمری کے
 اپنی گردن کا لہ منقار سے پھندا کھولا
 کٹ گیا ہنچہ مسرِ شفق آلود سحر
 تو نے کیا دستِ حنا بستہ نکارا کھولا
 یہ بھی قسمت کا لکھا اپنے کہ اس نے بارو
 لے کے خط ہاتھ سے قاصد کے نہ میرا کھولا
 نہ کھلا تھا وہ نصیر آج تلک غنچہ دہن
 تم نے باتوں میں اے کام کیا ، کیا کھولا

۱۴۳

وصالِ یارِ سنگیں دل میسر ہو نہیں سکتا
 یہ دنِ فرقت کے کائے کون مر ہو نہیں سکتا
 ترے لب سے اگر باقوت ہمسر ہو نہیں سکتا
 تو روکش اپنے بھی آنسو سے گوہر ہو نہیں سکتا

شہیدوں کے کروں کا غوں کا دعویٰ اس سے میں کیونکر
 سوائے سہر داغِ سینہ محضر ہو نہیں سکتا
 بغیر از گردبادِ دشتِ وحشت کون دے جھاڑو
 مزارِ قیس کا کوئی عباور ہو نہیں سکتا
 دلِ مجروح کیونکر تابِ رخ دیکھ اس کی چپکا ہو
 کہ جس کو چاندنی مارے وہ جان پر ہو نہیں سکتا
 بتِ نو خط کے آگے ہوش اڑ جانے ہیں یاں سب کے
 ہارا نامہ پر کوئی کیوتر ہو نہیں سکتا
 گرہ میں اپنی زر کو غنچہ گل اے صبا بالدم
 ریاضِ دہر میں لیکن ٹونگر ہو نہیں سکتا
 مٹی مل کر تک اپنے لب پہ آئینے میں تو دیکھو
 عبث کہتے ہو لہلہ لعلِ احمر ہو نہیں سکتا
 ہمارے داغِ دل سے کیا چراغِ داغِ روشن ہو
 کہ اس کے روبرو غورشیدِ عشر ہو نہیں سکتا
 ہزار آئینہ ساز آئینہ سازی اپنی دکھلاوے
 میں منہ پر صاف کہتا ہوں سکندر ہو نہیں سکتا
 گرفتارِ ثعلقی نقطہ ہرکار آسا ہوں
 میں اپنی چار دیواری سے باہر ہو نہیں سکتا
 تنک غلڑوں سے کیا ممکن جو کوئی فیض کو پہنچے
 کہ لب جامِ حبابِ بحر سے تر ہو نہیں سکتا
 مزارِ قیس پر اے گردبادِ دامنِ صحرا
 کوئی جاروب کش تجھ سے تو بہتر ہو نہیں سکتا
 بسانِ رشتہ تمبیج سو تدبیر سے اپنی
 کوئی چاہے ترے دل میں کرے گھر، ہو نہیں سکتا

عاقبت تھا گئے ملکِ عدم مشکل ہوا
 کوئی بھی سولس نہ یارو بہرہ منزل ہوا
 ایک تو مسّا تھا رخ پر آس یہ پیدا تل ہوا
 مژدہ باد اے دل کہ پیدا دوسرا قاتل ہوا
 ساقِ سیمیں پر تری حیراں ہوں پیدا قل ہوا
 چاہے تھا گل پہ بھونرا شمع پر مائل ہوا
 یارو کس پردہ نشیں پر دل مرا مائل ہوا
 میں یہاں بسل ہوا، رویوش واں قاتل ہوا
 دیکھتے ہی لگ آئیں سراپے سی تن میں لعل کے
 یار کا تبخال لب جب دائہ قفل ہوا
 یار کا روئے کتابی وہ ہے جس کے سامنے
 آئے تیرا سکندر صفحہ باطل ہوا
 تیرے گورے رخ کا جوں کافور اڑ جاتا ہے رنگ
 خال ہے بہر حفاظت دائہ قفل ہوا
 دیکھتا کب ہے وہ اس کشتہ کی صید افکن ٹرپ
 جس کے آگے روزِ رقص طائر بسل ہوا
 ہم نہ کہتے تھے دلا چین جیسی آس کی نہ دیکھو
 تجھ پہ قہر آسانی عاقبت لازل ہوا
 قصدِ تسخیرِ ہری رویاں تھا گر تجھ کو نصیر
 تو، کو بڑھ کر سورۃ جَن اب نہ کیوں عامل ہوا

ہوش و صبر اس مالک میں کیا کھوئے ، غارت دل ہوا
وہ مسافر لے گیا جو راہ میں غافل ہوا

سب یہ روشن ہے کہ ماہِ نو عمر اے دل ہوا
چشمِ عالم میں جو ناقص ہے وہی کامل ہوا
سینہ چاک اے واے اپنا مثلِ گندم دل ہوا
جائے خرمن مزرعِ دنیا سے یہ حاصل ہوا

دشتِ مجنوں کا بنے لیلیٰ جو غمگین دل ہوا
بہرِ تسکین بہرِ ہگولہ گنبدِ عمل ہوا
وائے لاکھس ہوا زہرِ غمِ ہجران سے کام
وہ لبِ شکرِ لُشان ہوئے کے جب قابل ہوا

خاک بھی بے قسمت اہلِ فیض سے ملتا نہیں
آبِ دریا سے نہ ہرگز تر لبِ ساحل ہوا
سربلندی موجبِ ہستی یہاں ہے ، دھکے لو
کوہ کا آخر کو افتادہ زمیں پر ظل ہوا

ذکرِ منصور اب تلک ہے گا زبانِ دار پر
مردِ حق کو تھا سخنِ اس کا نہیں باطل ہوا
غنچہ ہے تیرا دہن یا دُرِ گوبر بول آئے
اس گرہ کا کھولنا ہم کو بہت مشکل ہوا

کلجھڑی تارِ نفس کی ہمدرد کھلتی نہیں
ناخنِ شمشیر سے عقدہ کشا قاتل ہوا

گل ہے زخمی ، چورِ شبِ دشمنِ جانی نہ ہو
 اُس کو ہانی کوئی بھی دیتا ہے جو گھائل ہوا
 ہمسری کرنا تھا تیری تیغِ ابرو سے ہلال
 دیکھتے ہی صاف دل میں کٹ گیا ، قائل ہوا
 کوئی بھی صورت ٹھہرنے کی نہ تھی اُس شوخ کے
 منتِ زاری سے تیری ہاں نہ کچھ اے دل ہوا
 ابرِ مڑکاں کا میں اپنے کیوں نہ ہوں احسان مند
 اس طرح برسا کہ دریا راہ میں حائل ہوا
 گو سب تو نے بنائے خاک پر اے کوزہ گرا
 تجھ سے مطلب تو پہارا پر نہ کچھ حاصل ہوا
 تھی تمنا بوسہ لب کی سو دل میں رہ گئی
 بعدِ مردن بھی غبار اپنا نہ جامِ گل ہوا
 اے دلِ حدِ چاک کیا کہے کہ شامت ہے تری
 تجھ کو اُس سے یک سر مو بھی نہ کچھ حاصل ہوا
 اور (دیکھ) اس سلسلے میں زلف کے ہو کر مرید
 سو زباں سے شانہ ذکرِ ارہ کا شاغل ہوا
 قصدِ تسخیرِ پری رویاں تھا گر تجھ کو نصیر
 سورہٴ جن کا نہ کیوں اے یار تو عامل ہوا

لکھنا بہت ہے مشکل اس پیچ دار خط کا
 کاتب ہے قیرے رخ کے پروردگار خط کا
 تم بھیجنا نہ چھوڑو لیل و نہار خط کا
 بندہ رہے ہے صاحبِ امیدوار خط کا

”سہرِ لغافہ آما دن رات چشم وا ہے
 پاں تک مجھے تمہارے ہے انتظار خط کا
 آنے میں خط کے مشفق لکھنے لگا جو غوطہ
 شاید ہوا ہے لکھنا کچھ ہم کو عار خط کا
 خطِ غبار سے تم لکھ بھیجتے جو تھے خط
 مشتاق اس لیے ہے یہ خاکسار خط کا
 ہے تیز رو نہ قاصد، نے پیک ہی ملے ہے
 پہنچانے والا کوئی اشتر سوار خط کا
 لکھوں گوارے دل کا احوال بے قراری
 اڑ جائے صاف کاغذ سیاب وار خط کا
 اپنے کلمے کی خاطر اک بار ہے بنایا
 میں نے تمہارے اکلمے دو تین چار خط کا
 توڑو نہ پک فلم تم سرشتہ کتابت
 لازم ہے ہاندھنے پھر لکھ لکھ کے تار خط کا
 کہتا ہے کون تم سے بھیجوں نصیر کو کچھ
 ہوں میں تو صرف خالی امیدوار خط کا

۱۴۷

دیوانہ ترا بادیہ پیدا نہیں ہوتا
 غل خانہ زنجیر سے پیدا نہیں ہوتا
 تیرا سا کسی کا قدرِ رعنا نہیں ہوتا
 شمشاد چمن ہمسرِ طوٹی نہیں ہوتا

کیوں روکے سب اشک کا سڑکاں سے کہ غاشاک
 ستر رہ طغیان دریا نہیں ہوتا
 یہ چشم مری رشک صد آئینہ محل ہے
 اس گھر میں گزر کس لیے تیرا نہیں ہوتا
 دن رات یہاں پتلیوں کا ناچ رہے ہے
 حیرت ہے کہ تو عوِ تماشا نہیں ہوتا
 اُس کان کے جھمکے کی چمک دیکھ نہ زلف
 دل رات کو مشتاقِ تیرا نہیں ہوتا
 جینے کے لیے جنبشِ لب کا ترے کشتہ
 منت کشِ اعجازِ مسیحا نہیں ہوتا
 دل کیوں نہ بہم ہو ترے ابرو سے کہ عقدہ
 ناخن سے جدا ہو کے کبھی وا نہیں ہوتا
 بوسہ لبِ شیریں کا ترے جس نے لیا ہے
 کھانے کا اُسے قند کے لپکا نہیں ہوتا
 کیفیتِ چشمِ اُس کی نظر میں ہے جو ساق
 دل شیفہٴ نرگسِ شہلا نہیں ہوتا
 کاجل کے پنا گوشہٴ ابرو میں کوئی خال
 کیا ہاس میرِ نو کے ستارا نہیں ہوتا؟
 کیا باندھے خیال اس کی کمر کا دلِ صد چاک
 محبوسِ قفسِ سچ ہے کہ عنقا نہیں ہوتا
 زلفِ اُس کی یہ کہتی ہے کہ رکھ دل کو سرِ دست
 بن دیکھے کسی چیز کا سودا نہیں ہوتا

بھرتا ہے وہاں خاک بسر قوس کہ جس جا
نقشِ قدمِ نازمہ لیلیٰ نہیں ہوتا

قطعہ

اس واسطے اس دل کے سویدا کے مقابل
اے زہرہ جیہی تل ترے رخ کا نہیں ہوتا
یعنی کہ اے اخترِ تاباں سے ہے نسبت
یہ تخمِ محبت ہے کہ پیدا نہیں ہوتا
بھرتا ہے نصیرِ آس کا تصور ہی نظر میں
حائل تو کبھی چشم کا پردہ نہیں ہوتا

۱۲۸

ہائے عبتوں سے تو خونِ خار سے ہل ہل ٹپکا
ہر تری چشم سے آئسو نہ سلاسل ٹپکا
نیشِ زنِ کوخِج ہے بالے کی ترے جوں عترب
ہو کے زہراب جو ہلکوں سے سرا دل ٹپکا
ناوک انداز وہ ہے تیری سپاہِ مژگان
جو ہوا اس کے سری جانِ مقابل ، ٹپکا
شدتِ بارشِ گریہ سے ہر اک غلِ مڑہ
کیا عجب ہے اگر اے عاشقِ بے دل ٹپکا
مشتِ خار نہ کھینچوں اگر اے ہمسفران
بھوٹ کر آہا یا بر سرِ منزل ٹپکا
کدوں نہ بن جائے زیبی چرخِ ہر الجھ کہ ورق
ترے رخ سے بتِ رشکِ سرِ کامل ٹپکا

بادِ مہی خالِ رخِ یار کی رویا جو میں آہ
 ان کے ہر آنکِ سرا صورتِ فلفل ٹپکا
 وائے ابرِ مژدہ قیس کہ لیلیٰ یہ کہے
 بھیک کر بھی نہ کبھو پردہِ محفل ٹپکا
 لغتِ دل کیونکہ ٹھہرتا سرِ شاخِ مژگان
 کہ ٹکر تھا یہ ٹپکنے ہی کے قابل ، ٹپکا
 کاسبابِ ایک ہی اوسے سے ہوا میں ناکام
 شہد لب سے جو ترے حورِ شائل ٹپکا
 فیضِ دریا ہو تک مایہ سے کیوں کر جاری
 قطرہ کب آبِ گُہر سے لبِ ساحل ٹپکا
 دل میں رکھنا ہوں خطِ سبزہ کا اُس کے جو خیال
 ہر اُنزِ موعے سے مرے زہرِ ہلاہل ٹپکا
 غزل اس بحر میں کیا تم نے لکھی ہے یہ نصیر
 جس سے ہے رنگِ کُگلِ معنیِ مُشکل ٹپکا

۱۴۹

سرو کا کر نہیں گلشن میں شجر ہے لیجا
 ہر ترے قد سے میانِ تا بہ کمر ہے لیجا
 گردشِ چرخ نہیں کم بھی ہنڈولے سے کہ مہر
 شام کو ماہ سے اونچا ہے ، سحر ہے لیجا
 تو نے شبِ کوہے کیوں سر پہ چڑھایا اے کُگل
 کان کا لالہ " تُو خوں کے گُہر ہے لیجا
 رتبہ " اہلِ صفا عرش سے کیوں ہو نہ بلند
 آبِ دریا میں فلک آٹھ چہر ہے لیجا

اپنی تو خالہ خرابی کے نہ آثار کو دیکھ
 پھاند جا دل نہ جھجھک یار کا گھر ہے نیچا
 کر کے بند آنکھ عدم کو چلے جاتے ہیں لوگ
 نہ یہ رستہ ادھر اونچا نہ ادھر ہے نیچا
 جائے عبرت ہے نہ تمل ہاؤں سے اس کو غافل
 دیکھ ہر مور زمیں گیر کا گھر ہے نیچا
 کرجہ ہم چشمی کا دعویٰ ہے بشر کو لیکن
 سامنے کدو کے آتا وہ نظر ہے نیچا
 آگے اس چشم مفتن کے چمن میں نورس
 شرم کے مارے ترا دیدہ تر ہے نیچا
 اپنا سر پھیرتے ہیں اہل تواضع کس سے
 شاخ پر لخل کو رکھتا ہی ٹہر ہے نیچا
 میرے خورشید کا بھر کیوں نہ ہوا غی یہ سلام
 رقبہ حسن میں وہ چند قمر ہے نیچا
 کب سزاوار ہے بندے کو انا الحق کہنا
 مجھ سے گرو چھو تو رقبے میں بشر ہے نیچا
 دار پر چڑھ کے کہے کیوں کہ نہ منصور نصیر
 حق ہے یہ بات ، بڑے بول کا سر ہے نیچا

بارشِ گریہ کی میری دیکھ طغیانی گھٹا
 ہو گئی دوشِ ہوا پر شرم سے پانی گھٹا
 ہونہ زلفِ یار سے روکش بہ زادانی گھٹا
 کھینچے ہے شامت کی ماری کیوں پریشانی گھٹا

اے بری رو حیف تو نے یہ نہ پہچانی گھٹا
 چشمِ دریا بارِ مبری ہے سلطانی گھٹا
 بوجھ مت بنتا ہے کیوں کر بلبلا پانی گھٹا
 صانعِ قدرت کی مشکل بات ہے پانی گھٹا
 اپنے رونے کی دکھاتی کیا ہے طغیانی گھٹا
 رو برو اس چشمِ تر کے بھرتی ہے پانی گھٹا
 مے کشو چھوڑے ہے بیہم نارِ بارش کی خدنگ
 لو سپر ساغر کی کرتی ہے ستم دانی گھٹا
 یہ نہیں قوسِ قزح رکھتی ہے دیکھو شکلی لیل
 رنگِ سرخ و سبز کی جدول یہ پیشانی گھٹا
 ابرِ مژگل سے مرے کیا تجھ کو ہم چشمِ ہوا خاک
 یہ گہر باری کرے تو قطرہ افشانی گھٹا
 دور کر خطِ رخ سے تو اپنے کہ تا چمکے دو چند
 یعنی ہوتی ہے نقابِ مہرِ رخشانی گھٹا
 باغِ حسنِ گلِ رخاں کی دیکھنا ساقِ ہمار
 کیا سوادِ خط سے ہے یک رنگِ ریحانی گھٹا
 خالِ رخ سے تیرے ٹپکی کیا عرق کی بوند حیف
 حسن کے دریا کا تیرے ایک تلِ پانی گھٹا
 کیوں نہ یہ ہاندھے ہوا اس کا فلک ہر ہے دماغ
 کیا عروج اپنا یہ دکھلاتی ہے طغیانی گھٹا
 دیکھ اے ساقِ نشانِ برق و کوس و وعد سے
 پاس اپنے رکھتی ہے سامانِ سلطانی گھٹا

قطعہ

بھول جائے گی لگانا تازیانہ برق کا
 روبرو اس کے پورے کی دیکھ تو ہانی گھٹا
 وہ سمندرِ لاز کر دے گا تری تری تمام
 مت دکھا رخسارِ ہوا کی اپنے جولانی گھٹا
 گولیوں کی طرح برساتی تو ہے تو اب تکرر
 دیکھنا کھینچے گی ہر کیسی ہشیانی گھٹا
 یعنی اپنے کھیت میں وہ کھیت رکھے گا تجھے
 ہر میں اس دھماکا پسر کے ہے قبا دھانی گھٹا
 چھوٹے کرتی ہے بلبل دیکھ تو کس رنگ سے
 سرخ ہے دامنِ گل کی سر بہ بارانی ، گھٹا
 جھومتی آتی ہے ہو کر ہائے در زنجیر برق
 ہو گئی ہے ماقیہ شاید کہ دیوانی گھٹا
 اس کے لب ہر دیکھ کر رنگِ سسی حیران ہوں
 منہ سے آکلیے ہے پڑی لعلِ ہندخانی گھٹا
 یہ دلِ بُرداغِ نالان کیوں نہ ہو اس زلف میں
 دیکھ کر بولے ہے طاؤسِ گلستانی گھٹا
 وہ نہ آیا ڈر کے مارے دیکھ تو اے روسیہ
 آج ہی کیا برق تھی تجھ کو یہ چمکانی گھٹا
 درخشاں اس غزل میں تو نے وہ کی ہے نصیر
 آج کس منہ سے کرے تیری ثنا خوانی گھٹا

حسن آس کا غضب ابرو سے چمکا
 ہاتکا وہ مرا بار ہے ، تلوار سے چمکا
 گردوں نہیں عورشید پُر انوار سے چمکا
 شیشہ تھا یہ ساق مٹے گلزار سے چمکا
 آئینہ نہیں عکسِ رخِ بار سے چمکا
 جو وار تھا شعلہ سو وہی بار سے چمکا
 داغِ اشکوں سے عصیاں کا لہ چھوٹا مرے دل سے
 یہ آئینہ خاکِ قدمِ بار سے چمکا
 خواہاں ہوئی زلف اس کی تو دل کا مرا سودا
 بازارِ محبت میں خریدار سے چمکا
 فرہاد کا کل تھا جو چراغِ سرِ ثروت
 داغِ جگرِ لالہ کھسار سے چمکا
 سچ کہیے کیا قتل ہے کس تفتہ جگر نے
 جو شعلہ برقِ آب کی تلوار سے چمکا
 وہ مائلِ نظارۂ آئینہ نہ کیوں ہو
 تھا یہ قمرِ ہر نورِ رخسار سے چمکا
 رنگِ مٹی و ہان بھی جوں شعلہ پُر دود
 عکسِ افکنی نعلِ شکرِ بار سے چمکا
 خالِ رخِ جانان نہیں جوں کرمکِ شبِ تاب
 شب کو شکن گیسو سے خم دار سے چمکا

ہاتھ اس کو نہ اے دل! صفتِ شانہ لگانا
 وہ من ہے لکل کردہنِ مار سے چمکا
 شب کوند گئی دیدہ صیاد میں بجلی
 نالہ جو دلِ سرخ گرفتار سے چمکا
 ہر آج تلک بلیلِ آتشِ نفس ایسا
 شعلہ نہ توڑے نالہ منقار سے چمکا
 اللہ رے شرارت تری اے نالہ مجنوں
 اک شعلہ بیاباں کے خس و خار سے چمکا
 برقِ ابر کے پردے میں لگی بھرنے دمِ سرد
 تومن جو ترا گرمی رفتار سے چمکا
 شب اپنی لکھوں سے کرا شجرہ پرویں
 سینہ جو ترا موتیوں کے ہار سے چمکا
 یہ بزمِ سخنِ داں ہے نصیرِ ایک غزل اور
 صد چند فزوں مطلعِ انوار سے چمکا

کیا خوب غزل تو نے کہی ہے یہ نصیر اب
 ہر شعر فزوں مطلعِ انوار سے چمکا

۱۵۲

بس میں کر ان انگلیوں کے تو نہ پوروں کو حنا
 ہاتھ لک جائے تو دوں میں تجھ کو چوروں کو حنا
 اہل دنیا کے کب آیا رنگِ درویشی کا ہاتھ
 کیا لگانا چاہیے ہاتھوں میں گوروں کو حنا

اے صبا! کیا منہ ہے جو دعوایہ ہم رنگی کرے
دیکھ کر گلشن میں پھولوں کے کٹوروں کو حنا

سرخ رو سہندی لگا کر کیا ہو معشوقِ حبش
جب لگانے بیٹھے تو ہاتھوں میں گوروں کو حنا
در پہ لگواتا ہے کر اپنے شہیدوں کی سبیل
تو پھر اے قاتل لگا تو آبِ خوروں کو حنا

ناخنِ انگشتِ دستِ مہ و شاں کو کر کے سرخ
مثلِ اخگر کر دکھاتی ہے چکوروں کو حنا
اُس کفِ دستِ حنا بستہ کے جو کُشتے ہیں آہ
ہاتھ ملتے ہیں پڑے دیکھ اُن کے پوروں کو حنا

رکھ دلِ پُر داغِ مت اُس کا خیالِ خطِ سبز
ہاؤں سے ملتے نہیں دیکھا ہے سوروں کو حنا
دل سے تو بس جانے سر سے قصدِ ہابوسی کرے
گر ترے آنکھوں کے دیکھے سرخ ڈوروں کو حنا

مت ملا مہ طلعتوں سے ہاتھ کیوں تڑوائے ہے
پنچہ خورشید سے بوجھ اُن کے زوروں کو حنا
جونِ رگِ برگِ گلِ احمر بنا دے ہے یہاں
دو گھڑی میں اُس کے ہر ناخن کی کوروں کو حنا

مہر و مہ رنگِ شفق سے سرخ ہیں بہ صبح و شام
ملتے ہیں خونِ جگر دیکھ اُن سکوروں کو حنا
دزدیِ رنگِ حنائی جو کرے ہیں اے نصیر
دے ہے ہاتھوں ہاتھ بندھوا ایسے چوروں کو حنا

گل فرکس کے خریدار ہے کیا باروں کا
 کس علاج اپنی ذرا چشم کے بیماروں کا
 راستی ہے جو گزر ہو ترے مے غاروں کا
 کام ہر سرو گلستان کرے فتواروں کا
 چادر گل ترے دل سوز کے مرقد ہم نہیں
 نظر آتا ہے مجھے ڈھیر اک انکاروں کا
 وہ مہ و مہر کو سمجھے جو ترے گل تکھے
 جس نے دیکھا ہے یہ عالم ترے رخساروں کا
 اس کی فوجِ مزہ و چشم سے کر خوف اے دل
 لشکر آتلا لبِ دریا ہم ہے ہنڈاروں کا
 ہوسہ لینے سے ترے خال لبِ شیریں کے
 بھول جاتا ہے مزہ مجھ کو شکرہاروں کا
 عکس افکن وہ بھولیں کیوں نہ ہوں دل پر ہر دم
 سایہ ہوتا ہے سرِ مرد ہم تلواروں کا
 جہنم جی تو نظر آتا نہیں صیادِ اجل
 'جھوٹا دامِ محبت کے گرفتاروں کا

قطعہ

اس لیے زلف سے دکھتے ہیں تری سررشتہ
 کہ ارادہ بتِ عیار ہے ہم باروں کا
 حشر کو مگر کوئی پوچھے گا تو کہہ دیں گے ہم
 کہ ہے یہ نامہ اہل سید کاروں کا

طے کرے راہِ عدم کیونکہ نہ اک دم میں حباب
 قافلہ جلد پہنچتا ہے سبک ساروں کا
 اشک ہے کودکِ آرام طلب ، کیونکہ نہ لے
 کام ہر جنبشِ مژگان سے یہ گہواروں کا
 اس زمیں میں غزل اک اور سنا کہہ کے نصیر
 دل ہے مشتاق مضامین کے طلب گاروں کا

۱۵۲

سیرِ گلشن کو صبا دل جو ہو وہ پاروں کا
 نخلِ سیاب صفت روپ ہو تلواریں کا
 نہ دکھا حلقہٴ جوہر مجھے تلواروں کا
 طوقِ گردن ہے میاں یہ تو گنہگاروں کا
 فندقِ پا تری دیکھے دمِ رفتار جو کبک
 یاد آوے آوے کھانا وہیں انگاروں کا
 خانہٴ پردوش بکولے کی طرح بھرتے ہیں
 کچھ ٹھکانا ہی نہیں عشق کے آواروں کا
 یادِ دندانِ مسی زیب دلاتا ہے آہ
 ہم نشین شب کو چھٹکنا یہ مجھے تاروں کا
 کر نہ صیاد کل اندام کی مژگان کا خیال
 سرخِ دل حق میں ترے ہے وہ قفسِ خاروں کا
 آہیں یوں نکلیں ہیں گرم اپنے مشبکِ دل سے
 حال جون جنتری میں کھینچنے سے ہو تاروں کا
 باغِ دنیا بھی دلا ہے کوئی جائے عبرت
 جس میں ابتر ہے سدا حال نموداروں کا

دم بدم ساتھ ترقی کے تفتول ہے یہاں
 کیا دکھاؤں میں تماشا تجھے فتواروں کا
 یہ ترا کھیل ہے ہاتھ اس سے آنہا دیکھ نصیر
 عشق بازی نہیں کچھ شغل ہے بے کاروں کا

۱۵۵

داغِ سینہ جب مرا مہرِ درخشاں بن گیا
 صبحِ صادق کی طرح چاکِ گریباں بن گیا
 نالہٴ بلبل کی کیا تاثیر شور انگیز ہے
 قطرہٴ شبنم سے زخمِ گل نمکدان بن گیا
 سیر اے ابیرِ بہاری پھر تجھے دکھلائیں گے
 ہاٹ دریا کا اگر گریے سے دامن بن گیا
 شیشہٴ دل میں ہے بے ڈھب اس ہری رو کا خیال
 داغِ اس کے منہ پہ کیا مہرِ سلیمان بن گیا
 طالعِ برگشتہ کا کس سے کلا اپنے کروں
 دوست دار اپنا جو تھا سو دشمنِ جان بن گیا
 رنکِ دستِ آویزِ الفت دیکھ کہتی ہے حنا
 اب تو ہاتھوں ہاتھ سودا تجھ سے جانان بن گیا
 کیا ہوئے تشریف فرما حضرتِ عشق اے نصیر
 سینہ داغوں سے ترا رشکِ گلستان بن گیا

کب دیدہ خون بار سے طوفاں نظر آیا
 ہر تفتہ دامن جو گلستان نظر آیا
 شب ذکر ترے وصفِ دہن کا جو ہوا تھا
 غنچہ بھی سحر سر بہ گریبان نظر آیا
 رکھتا ہے خیال مژدہ یار کو جی میں
 یہ دل بھی کوئی شیر نیستان نظر آیا
 جمعیتِ خاطر وہ کہاں دل کو رہی ہے
 اُس زلف کے سودے میں ہریشان نظر آیا
 خالِ رخِ دلدار نے کافر ہے کیا شیخ
 ترسا بچہ غارت گرِ ایمان نظر آیا
 پاں سمجھے ہے ہر ایک بشر آپ کو بمرود
 جس مور کو دیکھا وہ سلیاں نظر آیا
 دالحوں سے سراپا ہوئی آرائشِ قامت
 عاشق بھی ترا سروِ چراغان نظر آیا
 مجنوں کے ہر اک خون کا ہے دشت میں نشہ
 برجی لے ہر خارِ مغیلاں نظر آیا
 ہے عالمِ بالا یہ نصیر اُس کی رسائی
 گر سرو چمن ہے سرو سامان نظر آیا

اشک کو آماں نہ تھا تارِ نظر سے باندھنا
 موتیوں کا ہار سیکھے چشمِ تر سے باندھنا
 اُس کے کوچے میں جی دو دو چہر تھا ہم کو کھیل
 نکشکی ہر رخسہ دہوار و در سے باندھنا

باغباں تن کر بنا ڈارِ رگِ گل کی کند
 چور بادی ہے صبا شاخِ شجر سے بالدھنا
 ہو کیا جس دن کسی کا جب کہ دامن گیرِ خون
 بھول جاوے گا میاں خنجرِ کمر سے بالدھنا
 لوگ مر جائیں گے تیرے ہنچہٴ مرجاں کو دیکھو
 شبِ ہنا کو ہاتھ میں سیکھا کدھر سے بالدھنا
 زلف کو رخ سے اٹھا دے اپنے اے آئینہ رو
 مت کہیں دامنِ شبِ جیبِ سحر سے بالدھنا
 مہ جیسی نکلا ہوا ہے رکھ کے سر پر کچ کلاہ
 چھوڑ دے دستار تو خورشیدِ سر سے بالدھنا
 قطرہٴ شبنم نہیں، گل نے چمن میں اے صبا
 ہم سے سیکھا ہے ہنک زخمِ جگر سے بالدھنا
 بل لکل جائے گا تیری اس جگر داری کا دل
 لاگ مت اُس کی کہیں تیغ و سپر سے بالدھنا
 نالہٴ پیچیدہ اپنا خود پری پرواز ہے
 اُس کو مرغِ نامہ پر کے کیا ہے پر سے بالدھنا
 جمع مت اسبابِ کمرِ بہرِ پریشانی نصیر
 کاٹھِ غنچہ کی طرح ہرگز نہ زر سے بالدھنا

۱۵۸

چشمکِ زدن میں سوئے عدم جا گزر کیا
 غیمہ اٹھا حباب نے دیکھو سفر کیا
 دل کو ہمارے بار نے آ جلوہ گر کیا
 ہر شکل سے اس آئینہٴ خالہ میں گہر کیا

نائنہ کو لاد جلدی ہے اے کاروانِ عشق
 یارانِ پیش رو نے تو کب کا سفر کیا
 رستہ ہم کیوں نہ ہو اسی دریا کے باٹ سے
 آنکھوں نے میری دامنِ صحرا کو تر کیا
 خالی نہیں کہاں چڑھاتا ہے چرخِ ہیر
 دیکھو ہلالِ عید نے اک شہر سر کیا
 مرگشتہ کشتیِ دلِ عاشق ہے تا بنور
 چینِ جبین کو یار نے موجِ خطر کیا
 جوشِ بہار سے رگِ گل بھی ہے خوں چکاں
 منقارِ عندلیب کو یاں لیشر کیا
 ابرِ سہ میں بادِ ہرستی کے رنگ دیکھ
 مینے سے کو ہم نے گلِ لہلہ فر کیا
 بجنوں کے دل سے کیا گئی لیلیٰ کی جستجو
 ہر نقشِ ہائے ناقد کو یاں راہِ ہر کیا
 کہہ اور اس زمین میں غزل ایک تو نصیر
 مستحکم آج رخنے کا ہم نے گھر کیا

۱۵۹

رتبہ گریہ عاشق جو تیر خاک چڑھا
 آبِ ثنوارہ مڑکے سوئے افلاک چڑھا
 عیب اے آئندہ رو تجھ میں ہے خود بینی کا
 منہ لگانے سے سرے ہار تو ست لاک چڑھا

ساقیا ! مول لے دریا پہ کوئی جامِ حباب
 آبِ گرداب نے رکھا ہے سدا چاک چڑھا
 خوف سے محسبِ دہر کے بے دخترِ رز
 شجرِ ناک پہ ساق بھی لکا لکا چڑھا
 واسطے تیرے تماشے کے نہیں اشکِ سرخ
 سر پہ رکھتی ہے مڑہ دیدہ غمناک چڑھا
 تار پر سیکھ کے یہ بھان متی کا سا کھیل
 دے ہے بٹھے کے تئیں مردمکِ خاک چڑھا (کذا)
 طفلِ اتر سے بساطی کے کہا شیخ نے یہ
 دیکھ اتنی تو دکان اپنی یہ ست لاک چڑھا
 معتقد پیر و جوان اپنے جہاں نذر طریق
 شانہ عاج چڑھا یا کوئی مسواک چڑھا
 لکھ غزل اور اسی بحر میں اکہ جلد نصیر
 سن کے کانوں سے سخن چین نہ لین ناک چڑھا

۱۶۰

تختِ دل لے کے نہ اے دیدہ غمناک چڑھا
 منہ پہ ہانی کے نہ دیکھا کوئی تیرا ک چڑھا
 سر بلندی ہے جہاں موجبِ ہستی منعم
 کہ ہٹولے کی طرح دے ہے یہ الالاک چڑھا
 گر کیا مہرِ درخشاں ابھی نظر سے ، جب وہ
 بام پر چن تماشے کی جو ہوشاک چڑھا
 نہ رہا تجھ کو بگولے سے گلہ دشت میں تیس
 صدقے ہوئے کو تری خاک ہر خاک چڑھا (کذا)

ساتیا! مول لے دریا پہ، کوئی جامِ حباب
 آبِ گرداب نے رکھا ہے سدا چاک چڑھا
 خوف سے محسبِ دہر کے بے دخترِ رز
 شجرِ ناک پہ ساق بھی لکا ناک چڑھا
 واسطے تیرے تماشے کے نہیں اشکِ سرخ
 سر پہ رکھتی ہے مڑہ دیدہ غمناک چڑھا
 تار پر سیکھ کے یہ بھان متی کا سا کھیل
 دے ہے بٹھے کے تئیں مردمگِ خاک چڑھا (کذا)
 طفلِ اتر سے بساطی کے کہا شیخ نے یہ
 دیکھ اتنی تو پدکان اپنی یہ ست لاک چڑھا
 معتد زیر و جوان اپنے جہاں نذر طریق
 شانہ عاج چڑھا یا کوئی مسواک چڑھا
 لکھ غزل اور اسی بحر میں اکہ جلد نصیر
 سن کے کانوں سے سخن چین نہ لیں ناک چڑھا

۱۶۰

نختِ دل لے کے نہ اے دیدہ غمناک چڑھا
 منہ پہ بانی کے نہ دیکھا کوئی تیرا ک چڑھا
 سرلندی ہے جہاں موجبِ ہستی منعم
 کہ ہنگولے کی طرح دے ہے یہ افلاک چڑھا
 گر کیا مہرِ درخشاں ابھی نظر سے ، جب وہ
 بام پر چن تماشے کی جو ہوشاک چڑھا
 نہ رہا تجھ کو ہنگولے سے گلہ دشت میں تیس
 صدقے ہوئے کو تری خاک ہر خاک چڑھا (کذا)

لشکرِ عشق و اندازِ وادا و غمزہ
 تجھ پہ اب لے کے وہ اے عاشقِ بیباک چڑھا
 آبِ گریہ سے پن تو بھی کہیں جوشِ موج
 جسم کے اور تو چلتے پہ تیرے خاک چڑھا
 آبرو دیدہ و دانستہ ہوئی مدِ نظر
 جب نظر میں یہ ترا روئے عرفناک چڑھا
 ہے چڑھاوا ترے فحیر کو یہ شادی کا
 کہ انگوٹھی کی طرح حلقہٴ فتراک چڑھا
 شمر کی کنہ بہاری کوئی کیا ہائے نصیر
 منہ پہ اپنے نہ کوئی صاحبِ ادراک چڑھا

۱۶۱

اُس تغافلِ پیشہ نے جب سمتِ میری رو کیا
 عارضِ اُس کے سے صبا نے پردہ تب یکسو کیا
 تیشہٴ فرہاد کی آواز آئی کان میں
 اس دلِ دیوانہ نے جس سنگ پر پہلو کیا
 واژگون بخت اپنے کیا کہے کہ جونِ نقشِ قدم
 پشت دی اس نے مجھے جس سمت میں نے رو کیا
 یہ دل صد چاک کیا کم تھا کہ تو نے واہ واہ
 چوب کو اے دستِ قدرتِ شانہٴ کیسو کیا
 اک قدم آیا نہ یاں وہ سروِ باغِ زندگی
 ہم نے اس گلشن میں جونِ قمری بہت کو کو کیا
 بے کسی چھٹ کون ہو بیمار کی بالیں پہ آہ
 دردِ دل ہی نے مجھے پہلو سے اس پہلو کیا

تنگ کیوں ہوتا ہے میری ہم نشینی سے بھلا
 خار گر مجھ کو بنایا، تجھ کو ہاں گل رو کیا
 کس کی چشمِ شوخ نے جادو کیا ہے اُس کو ہاں
 چین نے ہک لختِ دل سے جو رم آہو کیا
 ہم نے مرابِ دعا جانا اُسی کو اے نصیر
 اُس بتِ کافر نے جیدھر گوشہٴ ابرو کیا

۱۶۲

دل کیا ہاے مرا فوج کے دل میں مارا
 اس کی ہلکوں نے اسے ایک ہی ہل میں مارا
 عشق نے چھوڑ کے چاہِ ذلّ شیریں کو
 تجھ کو فرہاد عبثِ بخارِ جبل میں مارا
 تھر ہے یارِ شکر لبِ ترے ہالے کی یہ گونج
 جس نے لشرِ دلِ زنبورِ عسل میں مارا
 داغِ کو دل میں سرے دیکھ کے ہم چشمی کا
 کبھی بھونرے نے ذرا دم نہ کنول میں مارا
 کیا کہوں خالِ رخِ یار نے مجھ کو یارو
 سببِ انیون کھلا اپنے عمل میں مارا
 دل کو اُس مالک میں جانا ہی نہ تھا نصفِ الہیل
 حسنِ رہزن نے رہِ خوف و خلل میں مارا
 موئے سر کھول کے باندھا جو دمن نے 'جوڑا
 عشق نے تان کے 'مکا' دلِ فل میں مارا
 طفلِ صیّاد یہ تھا زبیرِ قفسِ طائرِ دل
 تو نے کیوں داب کے ظالم اسے گل میں مارا

ساقیا! ہم نے آج کل جو ہلانے کو شراب
 جام لے ہاتھ میں شیشے کو بفل میں مارا
 مٹے گل رنگ کا شیشے میں گیا دم ہی الٹ
 قہقہہ ہار نے جو رنگ محل میں مارا
 'دُرِ مضمون و معانی ہیں لکے ہاتھ نصیر
 میں نے غوطہ جو بحر فکر غزل میں مارا

۱۶۳

اپنے شاہینِ نظر سوئے عصابیر آڑا
 ہر نہ اس طائرِ دل پر بتِ بے پیر آڑا
 تو رقیبوں کو دلا چلے بہ تدبیر آڑا
 اُس سے بھر میل کے مزے جوں شکر و شیر آڑا
 خاکساری ہے فقیروں کا جہاں میں پیشہ
 دل سے ہم کیونکہ نہ دیں خواہشِ اکسیر آڑا
 اُس کہاں دار کے ہاتھوں کے نہ کیوں ہوں قرباں
 تھا نشانہ جو یہ دل، لکھے ہی اک تبر آڑا
 خونِ پروانہ ہے یارب! جو وہاں گردن
 اُس لیے دے ہے سرِ شمع کو گلِ گیر آڑا
 کاغذِ لالہ مرا کاغذِ بادی کی طرح
 اُس کے ملنے کی ہوا میں دمِ تحریر آڑا
 طاقت و صبر کو میں روؤں کہ دل کو رہشوں
 تھا رفیقِ ایک سو وہ بھی مری تقدیر آڑا
 برقِ کوندے ہے بڑی دعویٰ ہم چشمی سے
 تو بھی چمکا کے ذرا رخسِ ہواگیر آڑا

ساتیا بند تھی جو لال ہری شیشے میں
 لے گیا آج اے رندِ قدح گیر آڑا
 ہے کہاں موجِ ہوا یہ ترے دیوانے کا
 مے کے ساتھ اپنے بھار آج بہ زنجیر آڑا (کذا)
 جرمِ یک ہوسہ ابرو بہ لبوں کو تو کلٹ
 لکڑے ہر آن کے سرے لے کے نہ شمشیر آڑا
 نکل آیا وہ صبا چاند سا منہ بدلی سے
 تیرے جھونکے سے جو کیسوںے گرہ گیر آڑا
 کہہ رہا کھینچ کے نازاں نہ ہو تو ننکے کو
 جذبِ دل وہ ہے کہ لائے ابھی شہیر آڑا
 عارضی مال ہے ، دے روئے حبس کا ہوسہ
 گر سخن ہے تو اسے ہاں بنے شہیر آڑا
 وجہ رنگِ رخِ بہزاد کے اڑنے کی نہ ہوچہ
 چشم بہ دور تری دیکھ کے تصویر آڑا
 تو ہے وہ شعلہ زباں بزمِ سخنداں میں نصیر
 مثلِ سیلابِ عدو سنتے ہی تقریر آڑا

کام کیا گلشن میں تہہ بن عاشقِ دل گیر کا
 یعنی ہر غنچہ اے لگتا ہے پیکانِ قیر کا
 وادیِ مجنوں میں سنگِ ہر زبانِ غار سے (کذا)
 ذکر ہے باشندگانِ خالہ زنجیر کا

پنجمہ تقدیر نے کی غنڈہ دل کی کشود
 کیوں تو منت کش ہے غافل ناخنِ تقدیر کا
 حیرت افزاے جہاں ہے صفحہ پہلوے خاک
 نقشِ ہائے رفتگان گیردہ ہے اک تصویر کا
 ہے لبِ زخمِ چکر زہرِ کفنِ شکلِ ہلال
 کشتہ ہوں قاتل میں تیرے ابروے شمشیر کا
 قابلِ نظارہ بہرِ صید افکن کیوں نہ ہو
 آگنہ ہے اک نمونہ دیدہ نخبیر کا
 بیشِ خیمہ ہے ہوا کا اے لسیرِ صبح دم
 جوں حبابِ آبِ ہستی موجِ دامنِ گیر کا
 رشتہ ہستی سے ہر دم کیوں نہ دھوے شمع ہاتھ
 صورتِ مقراض 'لا' نقشہ ہے پاں کل گیر کا
 اس کے ابرو کا تصور کیوں نہ ہو دل میں نصیر
 حرزِ جان کے واسطے رکھتے ہیں ناخنِ شیر کا

۱۶۵

ترے ذہن سے جو پیدا بہت تپاک کیا
 نصیرِ صبح نے غنچے کا پیٹ چاک کیا
 غرض نہیں ہے تکلف سے صاف طینت کو
 کہ آئنے نے سدا گھر میں فرشِ خاک کیا
 چمن میں خوب فراغت سے پاؤں بھیلانے
 گزرِ جدھر کی طرف منہ ہسان تاک کیا
 .. کلا ہے طالعِ برگشتہ کا مجھے اپنے
 کہ میری خاک کو پھر روشناس چاک کیا

ہرنگِ آب ہمیشہ بہروں ہوں سرگرداں
 سلوکِ بحرِ محبت نے اپنے خاک کیا
 نہیں ہے بار کی رفتار سے تو کچھ شکوہ
 یہ رفتہ رفتہ ہمیں عشق نے ہلاک کیا
 ہسانِ شانہ رہا سرکشی سے زلفوں میں
 کبھو نہ اس دلِ صد چاک نے تپاک کیا
 غرض کہ جنبشِ ابرو تو تھی ہی اک بھونچال
 بوڑک نے بھر ترے لٹھنوں کی غولناک کیا
 نصیرِ ابرِ لدا مت بھی ابرِ رحمت ہے
 کہ جس نے دامنِ عصیاں کو قیرے پاک کیا

۱۶۶

ہے 'دُرِ معنی' کو ہاچشمِ صدفِ دل ڈھونڈتا
 موجِ آما میں بہروں بہر کیوں نہ ساحل ڈھونڈتا
 دالہ' تسبیح کی مانند ہر ہر گام پر
 دل بھرے ہے رشتہ' آفت کی منزل ڈھونڈتا
 شورِ وحشت سے مرے وعشہ ہے فنِ ہر موج کے
 تو عبث بھرتا ہے اے دریا سلاسل ڈھونڈتا
 غنچہ ساں خونِ جگر سے گوزیاں ہر ہے ولے
 تشکی سے ہوں میں آبِ تیغِ قاتل ڈھونڈتا
 دفترِ دل ہائے عاشقان ہے قیرے تخت میں
 آئنے کی تو عبث ہے لردِ باطل ڈھونڈتا
 چرخ بھرتا ہے سدا دربوڑۂ دیدار کو
 کاسہ' خورشید لے کر مثلِ سائل ڈھونڈتا

ہے دلِ عاشق کو یعت سلسلے میں زلف کے
 ناصحا! تو بھی کوئی ہاں پھرِ کامل ڈھونڈنا
 میں ہی پروا نہ نہیں سرِ رشتہ الفت کے ساتھ
 ایک عالم ہے تجھے اے شمعِ محفل ڈھونڈنا
 شیخ مسجد میں دیا روشن نہ کرنا اے نصیر!
 گوشہٴ ابرو کا آس کے گر کوئی تل ڈھونڈنا

۱۶۷

کلامِ اللہ کی سوگند ہے ایمانِ عاشق کا
 یہ تیرا مصحفِ رو ہے میانِ قرآنِ عاشق کا
 بھرے کعبہ سے حاجی بت کدے سے برہمن بھر جائے
 ترے در سے جدا سر ہوئے کیا امکانِ عاشق کا
 زرِ کل دیکھ بلبل جس سے اپنے جی کو دیتا ہے
 سپاہی کا سا فرقہ ہووے مایلِ جانِ عاشق کا
 زکوةٴ حسن ہے اک بوسہ دے نامِ خدا اے بت
 سدا رہوے گا تیرا نام کہنا مانِ عاشق کا
 رقیبِ روسیہ ہے زاغ بھی ہوں عندلیب اے گل
 یہ ہے آوازِ بلبل سن دلِ نالانِ عاشق کا
 رخِ زرد، آہِ سرد اور چشمِ تر آثارِ عاشق کا
 اگر معشوق ہے تو جان، منہ پہچانِ عاشق کا
 نصیر آس کو یہ کہہ کر دید سے ہے نامِ الفت کا (کذا)
 کسی عنوانِ دل لے ہاتھ میں اے جانِ عاشق کا

۱۶۸

کل اُس کے دل میں جو سرسری کچھ خیالِ عزمِ شکوہ آیا
 ہوا کے گھوڑے پر آج وہ کل چمن میں ہو کر سوار آیا
 شراب لاؤ، کباب لاؤ، ہمارے دل کو نہ اب گھٹاؤ
 شروعِ دورِ قدح ہو جلدی کہ سر پہ ابرِ بہار آیا
 عجب جو صنعتِ گرفتار کی مصوری کا بنا ہے نقشہ
 نظر جو تصویر کا ورق سا ہر ایک لوحِ مزار آیا
 مدد کر اس ابر میں تو ساق کہ پاس شیشہ ہے اب نہ دارو
 ہوا کی چھاتی پہ ہال کا سرخ کھینچتا ہیں کٹار آیا
 گھٹا نہ کچھ اوج بعد جنوں یہ عشق اس تیری سلطنت کا
 علم لیے ہی نظر میں اپنی ہر ایک جنگل میں خار آیا
 بڑا ہو کیا غلِّ آہِ سوزاں ہزار چشموں سے ہائی دیئے
 کبھو شکوفہ نہ اس شجر میں کبھو نہ پھل ایک ہار آیا
 غرض نہ فرقت میں کفر سے تھی، نہ کامِ اسلام سے رہا تھا
 خیالِ زلفِ بتاں ہی ہر دم ہمیں تو لیل و نہار آیا
 لٹی روش ہے عجب ادا ہے لک اپنے عاشق کی سیر دیکھو
 کہ دستِ گلِ خورده سے گلے میں چن کے پھولوں کا ہار آیا
 نصیر مت ہوچھ کچھ حقیقت کہ رات کیوں کر کئی کہوں کیا
 قرار آیا نہ صبر آیا، نہ نیند آئی، نہ بار آیا

۱۶۹

زلف کا تار جو لیے دل کو دوبارا ٹوٹا
 وہیں بولا وہ کہ بھر شب کو یہ تارا ٹوٹا
 فائدہ دوش پہ غنچے کے سبو رکھنے سے
 ساغرِ کل تو نظر آنے ہے سارا ٹوٹا

کفِ افسوس لگا ملنے جراثیمِ دل کا
 یار کے ہاتھ کا تھکا چو دو دھارا ٹوٹا
 خاک میں مل گئی سب بادہ کشی اے ساق
 طاق سے شیشہ سے جوں ہی دو دھارا ٹوٹا
 وا شدہ عقدہ دل پہنچہ تقدیر ہوا
 جانِ من بندِ قبا جب کہ سمھارا ٹوٹا
 کارِ غواصی دریائے تفکر مت کر
 آشنا کون ہے جب دم کا سہارا ٹوٹا
 دام میں خط کے گرفتار ہوا خال کو دیکھ
 سرخ دانے پہ یہ کیا بھوک کا مارا ٹوٹا
 تیرے بیمار کا جوں شمعِ سحر رشتہ عمر
 اٹھ کے بالیں سے جو تو گھر کو سدھارا ٹوٹا
 دل گر اک بوئے کی قیمت پہ وہ لیتا ہے نصیر
 جنس پر دیکھ خریدار بھی وارا ٹوٹا

۱۷۰

ترے ہے زلف و رخ کی دید صبح و شام عاشق کا
 یہی ہے کفر عاشق کا ، یہی اسلام عاشق کا
 پیارے قدحِ لبریز دے اے ساقِ مستان
 تجی تجھ دور میں افسوس رہوے جامِ عاشق کا
 ہر اک پاں منزلِ مقصود کو پہنچے ہے تجھ سے ہی
 مگر اک خلق میں فرق ہے سونا کامِ عاشق کا
 کبھی معشوق کو مرنے نہ دیکھا در پہ عاشق کے
 یہی باقی ہے سرِ معشوق کے الزامِ عاشق کا

ہوا ہے خط نصیر آغاز آس مہ رو کے چہرے پر
 دو چند اب یہ نظر آتا ہے کچھ انجام عاشق کا

۱۷۱

یارو نہیں اتنا مجھے قاتل نے ستایا
 جتنا کہ مرے دشمنِ جاں دل نے ستایا
 کچھ سزلشِ کار کا شاکی وہ نہیں ہے
 مجنوں کو تو ہے صاحبِ محل نے ستایا
 غنچہ کہوں یا 'درج' گھر تیرے دہن کو
 کھلتا نہیں ، اس عقدہ مشکل نے ستایا
 آرام سے سویا نہ کمر کا تری کشہ
 مرقد میں بھی مورانِ تیرِ گل نے ستایا
 اس کا مجھے شب یاد دلایا رخِ پُر نور
 شکل اپنی دکھا کر میرِ کاسل نے ستایا
 میرا دل سودا زدہ کرتا نہ کبھی 'غزل'
 آس کا گلِ پہچان کے سلاسل نے ستایا
 انہوں کی کسی روز میں کہا جاؤں کا گولی
 بے وجہ رخِ یار کے گرِ تل نے ستایا
 جب بوسہ میں مانگوں ہوں تو کیا کہتے ہو منہ بھیر
 ایسا تو کسی بھی نہیں سائل نے ستایا
 ہر جا متجلی ہے وہ بے پردہ ولیکن
 غفلت کے مجھے پردہ حایل نے ستایا
 تھا ایک تو ، صیادا گرفتار قفس میں
 اور دوسرے آوازِ عنادل نے ستایا

اے ہم سفران ہوش روی کی نہیں طاقت
 کیا کیجے ہمیں دوری منزل نے ستایا
 پہلو میں نصیر آہ نہیں ہے دل مضطر
 اس شعر غم آلودہ ہے دل نے ستایا

۱۷۲

مزار عاشقان ہر جب بتِ بدست کو پہنچا
 کوئی پیالہ لے آیا، کوئی لے کر سبو پہنچا
 سحر پیالہ کھل لے کے اے ساقی جو تو پہنچا
 بگل میں رکھ کے بھر غنچہ بھی گلشن میں سبو پہنچا
 گریبان چاک کر ڈالا چمن میں وشک سے گل نے
 ترے دامن تلک اپنا جو دستِ آرزو پہنچا
 نہیں لکلا ہے خط، دیکھ آئنے میں گرد عارض کے
 خضر یہ چشمہ حیوان پہ اے خورشید رو پہنچا
 رگ کل ہائے بلبل میں ہے کیا زنجیر اے قمری
 تجھے بھی عشق کی دولت سے اک طوقِ گلو پہنچا
 تیسم خاک سے کر لے صبا تو بھی کہ ہر گل بھی
 مزارِ گلِ رخاں ہر کر کے شبنم سے وضو پہنچا
 نصیر اپنا ہوا جب دسترس مثلِ حنا تب وہ
 چڑھا کر لاک پہ بولا کہ چل میرا نہ چھو پہنچا

ترے جب ہاتھ کے ناخن کوئی حجام لیتا تھا
 میرے نو رشک کھا غصے سے تپ صمصام لیتا تھا
 اگرچہ کوہ کن شمعیں کا دل سے نام لیتا تھا
 زبانِ تیشہ سے ہر اور ہی کچھ کام لیتا تھا
 جہاں آس کی کوئی عاشق کشی کا نام لیتا تھا
 تو وہ واں معجزِ عیسیٰ کا لب سے کام لیتا تھا
 خبر کیا بوجھتا ہے تو مریضِ چشم کی اپنے
 کہ وہ عطّار سے کل روغنِ بادام لیتا تھا
 نفس میں مجھ کو رکھا ہے جدا کیوں ہم صفیروں سے
 بھلا صیاد کیا تیرا میں زہرِ دام لیتا تھا
 سو ہر دوش آنے تھے نظرِ غنچے گلستان میں
 مٹے گل رنگ کا جب ہاتھ میں وہ جام لیتا تھا
 میں حیرا ہوں کہ نرگس چھوڑ کر بیدار چشم اس کا
 دکانِ گل فروشاں سے گلِ بادام لیتا تھا
 ملا وہ خاکہ میں ہیبت گیر کر طفلِ اشک اپنا
 جسے میں پنچہ مڑگاں سے یا رب تھام لیتا تھا
 نہ نکلا آخر کار اپنی وہ تو بات کا لہکا
 بلائیں آس کی میں کیوں اے خیالِ خام لیتا تھا
 خیالِ زلف و رخ آس کا نہیں گر دل کو تو مت ہو
 کبھی تو یہ خراجِ ملکِ روم و شام لیتا تھا

ترے آغازِ مے خواری کو اے سرِ حلقہٴ مستان
 دمِ آلتے شیشے سے میں یاد کر انجام لیتا تھا (کذا)
 نہ ہوچھ احوالِ اشک اے سایہٴ ابرِ مژہ مجھ سے
 مسافر تھک گیا تھا، دمِ بٹے آرام لیتا تھا
 نہ تھا شبِ بسترِ گل لوٹتا تھا فرشِ اخگر پر
 ترے رین کروئیں خاک اے بتِ گلغام لیتا تھا
 نہیں اس کے سوا اس سے مجھے کچھ اور تھا مطلب
 لبِ ناکام سے اپنے یہ شب کو کام لیتا تھا
 لبِ شیرینِ رشکِ یوسفِ مصری کے ہوئے، میں
 عزیزو جہرِ دفعِ تلخیِ دشتام لیتا تھا
 نصیرِ افتادگی کا جب خیال آتا تھا مستی میں
 تو وہ دے کر بغل میں ہاتھ مجھ کو تھام لیتا تھا

۱۷۴

خالِ رخ ہے یہ ترا حافظِ قرآن لیا
 یا ہڈا ہے کوئی ہندو یہ مسلمان لیا
 دل سے اپنے نہیں جاتا یہ خیالِ خوباں
 روز اس کھر میں کوئی رہتا ہے سہان لیا
 لوگ مر جائیں گے دکھلا نہ حنائی پنچہ
 کہ یہ قائل ہے ترا پنچہٴ مرجان لیا
 ہر قدم پر یہ الجھتا ہے کہاں سے لاؤں
 خارِ صحرائے جنوں کے لیے دامان لیا

دل نہیں سینہ پر رخنہ میں ناوک خوردہ
 بند ہنجرے میں یہ ہے شیرِ نیستان نیا
 سبز رنگ آج نہ کڑوائے دمِ ہوس کیوں
 تلخ ہوتا ہے بلا شبہ و شک جامِ نیا
 اس کی زلفوں کا جو رہتا ہے شب و روز خیال
 دیکھتا شب کوہوں میں خوابِ پریشان نیا
 اشک رخ پر سے ڈھلک کیوں نہ ہوسنے پہ رواں
 طفلِ اتر ہے اے چاہے میدانِ نیا
 کب کہا میں نے کہ سرمہ نہ لگا آنکھوں میں
 توٹیا مجھ پہ تو پاندھے ہے مری جان نیا
 عاقبت خانہ بنا رکھتے ہیں اس واسطے لوگ
 عاقبت مرا کے مکان بدلے ہے السان نیا
 کر نہ مہرِ شفق آلودہ کو اے صبح جدا
 ہے ترا لکھنے یاقوتِ گریبان نیا
 بیش کشِ آس کی کرے دل کو نہ کیوں سرخِ چمن
 ناوکِ شاخ میں ہے غنچے کا پیکان نیا
 کیا عجب ہے جو کرے وہ سرِ قاصد کو قلم
 خط کے لکھنے کا دلا آس کے ہے عنوان نیا
 تنِ کل خوردہ مرا دیکھ کے وہ کہتے ہیں
 اپنی محفل بھی یہ ہے سرورِ چراغان نیا
 دیدہ آئندہ حیراں نہ ہو کیوں سیمِ تنوا
 کہ دکھائے آئے تم روپ ہو ہر آن نیا

ترے آغازِ مے خواری کو اے سرِ حلقہٴ مستان
 دمِ آٹھے شیشے سے میں یاد کر انجام لیتا تھا (کذا)
 نہ ہوچھ احوالِ اشک اے سایہٴ ابرِ مژہ مجھ سے
 مسافر تھک گیا تھا، دمِ ہنرے آرام لیتا تھا
 نہ تھا شبِ بسترِ گل لوٹتا تھا فرشِ اخگر پر
 ترے بنِ کروٹیں خاک اے بتِ کلفام لیتا تھا
 نہیں اس کے سوا اس سے مجھے کچھ اور تھا مطلب
 لبِ ناکام سے اپنے یہ شب کو کام لیتا تھا
 لبِ شیریں رشکِ بوسفِ مصری کے بوسے، میں
 عزیزو چہرِ دفعِ تلخیِ دشنام لیتا تھا
 نصیرِ آندگی کا جب خیال آتا تھا مستی میں
 تو وہ دے کر بغل میں ہاتھ مجھ کو تھام لیتا تھا

۱۷۴

خالِ رخ ہے یہ ترا حافظِ قرآن نیا
 یا ہوا ہے کوئی ہندو یہ مسلمان نیا
 دل سے اہنے نہیں جاتا یہ خیالِ خوبان
 روز اس گھر میں کوئی رہتا ہے مہمان نیا
 لوگ مر جائیں گے دکھلا نہ خنای پنچہ
 کہ یہ قاتل ہے ترا پنچہٴ مرجان نیا
 ہر قدم پر یہ الجھتا ہے کہاں سے لاؤں
 خارِ صحرائے جنوں کے لیے دامن نیا

دل نہیں سینہ، پُر رخنہ میں ناوک خوردہ
 ہند ہنجرے میں یہ ہے شیرِ نیستان لیا
 سبزہ رنگ آج نہ کڑوائے دمِ ہوسہ کیوں
 تلخ ہوتا ہے بلا شبہ و شک جام لیا
 اس کی زلفوں کا جو رہتا ہے شب و روز خیال
 دیکھتا شب کوہوں میں خوابِ پریشان لیا
 اشک رخ پر سے ڈھلک کیوں نہ ہوسینے پہ روان
 طفلِ ابتر ہے اسے چاہیے میدان لیا
 کب کہا میں نے کہ سرمہ نہ لگا آنکھوں میں
 توتیا مجھ پہ تو باندھے ہے مری جان لیا
 عاقبت خاتمہ بنا رکھتے ہیں اس واسطے لوگ
 عاقبت مرا کے مکان بدلے ہے انسان لیا
 کر نہ سہرِ شفق آلودہ کو اے صبح جدا
 ہے ترا تکمہ، باقوت گریبان لیا
 پیش کش آس کی کرے دل کو نہ کیوں مرغِ چمن
 ناوکِ شاخ میں ہے لہجے کا پیکان لیا
 کیا عجب ہے جو کرے وہ سرِ قاصد کو قلم
 خط کے لکھنے کا دلا آس کے ہے عنوان لیا
 تنِ گل خوردہ مرا دیکھ کے وہ کہتے ہیں
 اپنی محفل بھی یہ ہے سرورِ چراغان لیا
 دیدہ، آئندہ حیران نہ ہو کیوں سیم تنو !
 کہ دکھانے آئے تم روپ ہو پر آن لیا

کر یہ ہی گریہ ہے دن رات تو اے ہم چشم
چشم تر لائے گی سر ہر سرے طوفان لیا
کیا ہی جھومر ہے طلائق قری پوشانی پر
ایسا طغریٰ نہیں دیکھا سر فرمان لیا
صبح کیوں باغ صبا کھولے نہ سیارہ گل
طفل غنچہ کے یہ بڑھنے کو ہے قرآن لیا
قطعہ

گل ہے کیا جام بکف غنچہ سو ہے ہر دوش
مے پرستی کا گلستان میں ہے سامان لیا
چرخ مینائی کی تو ہے یہ ہرانی سبک (کذا)
خیمہ اے ابر ہمار اُس کے لیے تان لیا
قطعہ

سرو اک مصرع موزوں ہے ، مضامین ہیں گل
اس روش کا نہیں دیکھا ہے گلستان لیا
اس زمانے میں سخن دان کہیں ہیں جو نصیر
وہ یہ کہتے ہیں ترا دیکھ کے دیوان لیا

۱۷۵

گر تصور کسر ہار کا باندھا ہوتا
ایضہ چشم سے پیدا مرے عنقا ہوتا
کاش قاتل کی سروہی میں نہ ڈورا ہوتا
رگ گردن سے آجھ کر تو نہ پھندا ہوتا

گرتے عشق میں ، یہی سوکھ کے کاٹا ہوتا
 اشکِ گلِ چشمِ رقیبان میں کھٹکتا ہوتا
 ہمسری کا جو قدِ ہار سے سروا ہوتا
 سرو کے حق میں ہرِ فاختہ ارا ہوتا
 چھوڑتا رخ پہ نہ تو زلفِ تواچھا ہوتا
 وصل کے دن شبِ ہجران کا نہ دھوکا ہوتا
 گر سرے حلقہٴ آغوش کا ہالا ہوتا
 جودھویں رات کا تو چاند ، نگارا ہوتا
 دل تجھے ہار کی کیوں زلف کا سودا ہوتا
 تو اگر آج کو سیکھا کوئی لٹکا ہوتا
 گر تو قلبان کی طرح منہ نہ لگاتا ہوتا
 بوسہٴ لب کا نہ ہر دم مجھے لپکا ہوتا
 قیس آوارہ بیابان میں نہ بھرتا ہوتا
 گنبدِ محلِ لیائی جو بگولا ہوتا
 تم نے تلِ چشم پہ کاجل کا بتایا ہوتا
 زاغ بیمار کے سر پر سے اڑایا ہوتا
 شبِ رخِ ہار کے تو آگے قمر کیا ہوتا
 ناک ہوتی ترے منہ پر تو ارادا ہوتا
 کیوں نہ رشک آئے کہ تنہا تجھے دیکھا ہوتا
 کاش سایہ بھی سرے ساتھ نہ میرا ہوتا
 روزِ عشر سے بھی ہوتی جو شبِ وصل دراز
 شبِ ہجران کا نہ یارب مجھے دھوکا ہوتا
 شمعِ روداغ اگر دل پہ نہ کھاتا اپنے
 گلِ لہا اور ترے عشق نے کترا ہوتا

میری بیٹائی، دل تب تجھے ہوتا۔ معلوم
 کبھو تیرا بھی کسو سے جو دل اٹکا ہوتا
 تابِ نظارہ کسے ہے تری اے سہرِ لقا
 دیکھتا گر تجھے آئینہ تو اندھا ہوتا
 کیا کروں، موتیوں کا ہار تری کرتا نذر
 تار گر اشکِ مسلسل کا نہ ٹوٹا ہوتا
 گر نہ کرتا دہنِ یار سے تو ہم چشمی
 تنگ کیوں غنچہ گلِ قافیہ تیرا ہوتا
 سرو گر مرہ نہ قمری کو ہٹاتا اپنے
 رتبہ معشوق سے عاشق کا نہ ہالا ہوتا
 شکلِ فتوارہ دکھاتا میں تماشا تجھ کو
 مجھ کو دریاں نے جو گھر میں ترے چھوڑا ہوتا
 دل میں کرتا کوئی سوراخ تو گر ناوکِ عشق
 آمد و آمد کے لیے یار کی رستا ہوتا
 تنِ لاغر مرا اے تارِ نفس جوں سوزن
 تو نہ ہوتا توبہ ڈھونڈا بھی نا پایا ہوتا
 جھک کے پیری میں کہاں قد نہ ہوا ورنہ فلک
 ناوکِ آہ کا میرے نو نشانا ہوتا
 کیوں نہ رخ پر سے ترے زلف صبا سرکاتی
 شب کو خورشید نکلتا تو اچنبھا ہوتا

قطعہ

گو سیہ بخت ہوں پر سرمہ بیٹائی ہوں
 اس سے کیا اور زیادہ مرا رتبہ ہوتا

جس کے باعث ہے بتاں کا ہوں میں منظور نظر
ورنہ آنکھوں سے مجھے کون لگاتا ہوتا

قطعہ

چشم و لب ہوں ترے جب اے صنم اعجازِ بنا
کیونکہ پھر تجھ کو خدائی کا نہ دعوا ہوتا
کام کرتی ہے قضا کا یہ وہ عیسیٰ نفسی
اُس سے مر جائے ہے اور اس سے ہے زندا ہوتا

قطعہ

کیا کہوں میں ، مری آنکھوں کی اگر کیفیت
ہوتی معلوم تو ان میں ترا رہتا ہوتا
ہر طرف موج زن آتا ہے نظر اک دریا
ابر مڑکاں بھی مری جان پرستا ہوتا
سو جھتا اور نہ کچھ تجھ کو بجز بادہ کشی
روبرو تیرے دھرا ساغر و مینا ہوتا
صبح سے شام تلک پہنچوں کا رہتا ناچ
عالمِ نشہ میں تو محوِ تماشا ہوتا

قطعہ

غم نہیں کچھ مجھے دن رات اگر ہے تو یہ ہے
سرمد چشم نہ دل دار کا بھلا ہوتا
توتیا دیدہ و دانستہ نہ بندھتا مجھ پر
اگر اے ہم نفساں لیل نہ پگڑا ہوتا

ہند میں تجھ کو سلامت رکھے اللہ نصیر
ہے ترے دم سے سخن گوئی کا چرچا ہوتا

۱۷۶

ہن ترے گل بہ ستم میری رگِ جان ہر کیا
باغ میں ہر برگِ گل نے کارِ مدد نشتر کیا
اٹنے کو خالی رخ تم نے دکھا ششدر کیا
چشمہ خور میں عجب پیدا یہ لیلوفر کیا
کالیاب اپنے لبِ شیریں سے اے دلبر کیا
شکر لو نے آج منہ میرا ہر از شکر کیا
قدرتِ حق ہے کہ خطرِ ہشتِ لعلِ ہار ہر
سبزۂ نوخیز کو ہم پہلوئے اخگر کیا
ماجرائے گریہ میرا لکھنے کو امواج نے
صفحہ مسطر کشیدہ ہر کو بکسر کیا
برقِ نیری تیغِ ابرو سے نہ کیوں مانگے پناہ
جس نے اک دم میں صدفِ عشاق کو جوہر کیا
چشمہ فیضِ تنک مایہ کبھو جاری نہ ہو
کس نے آبِ گوہرِ شہوار سے لب تر کیا
کیوں نہ اے خالہ لثینی میں ترا ممنون ہوں
چوں لکینِ خاتمِ زر مجھ کو نام آور کیا
مر گیا تیشے کو سر ہر مار کر قرباد آہ
مر دیا لیکن مُہتممِ عاشقی کو سر کیا

لالتہ کہسار کو صد آفریں جس نے نصیر
سہر ہائے داغ سے سینے کو جوں محضر کیا

۱۷۷

کرے دھوور دل کو کیوں نہ چشمِ یار کا سایا
وہ کیا اچھا رہے جس پر پڑے بیمار کا سایا
قصورِ فہم ہے سمجھے آئے گر خار کا سایا
پڑا لیلٰی ترے عینوں کے جسمِ زار کا سایا
دلا سروِ چمن کیا ہے قدِ دلدار کا سایا
کہ سنبل بھی ہے اس کی زلفِ عنبرِ یار کا سایا
مزارِ کوہ کن پر شامیانے کی ہے کیا حاجت
سدا رہتا ہے اس پر دامنِ کہسار کا سایا
کروں میں کہوں نہ اے دل سورۃ جن پڑھے دمِ تجھ پر
کہ تجھ کو ہو گیا ہے اس پری رخسار کا سایا
سید کاروں پہ ہے نازل ہمیشہ رحمتِ باری
بفرقِ مے کشاں ہے ابرِ دریا بار کا سایا
سمجھ کر سائبِ اس کو وہ گلے سے میرے آ لپٹا
جو شبِ بستر پہ دیکھا گلِ بدن نے ہار کا سایا
ہوس خیمہ نشینی کی نہیں ہم خاکساروں کو
ترے اے چرخِ بس ہے گنبدِ دوآر کا سایا
نہ جانا سرِ زنبینِ زلف سے تو مالک میں اے دل
نہ اس رستے میں پائی ہے نہ ہے اشجار کا سایا
نصیرِ خستہ جاں جنت سے اس کوچے کو کب بدلے
ہے از ظلِ ہا ہے ہار کی دیوار کا سایا

برگشتگیِ بخت سے تو کیا نہیں آتا
 آغوش میں سایہ بھی بہارا نہیں آتا
 بادل کی طرح کیونکہ لڑنا نہیں آتا
 ہر دیکھنے کو تو ہی تماشا نہیں آتا
 غیرت نہیں آتی تجھے کچھ اے کشتِ عشق
 مجنوں کی طرف ناقہ لہلا نہیں آتا
 آلودہ مٹی سے ہے تو کیوں اے لبِ دل دار
 ظلمات میں جز خضر مسیحا نہیں آتا
 خنداں صفتِ برق ہوں، جون ابر ہوں گریاں
 انصاف تو کر مجھ کو بیلا کیا نہیں آتا
 یہ دہدہ تر وہ ہے کہ اے ابرِ بہاری
 کیا چیز ہے تو، سامنے دریا نہیں آتا
 مدفن ہے تری چشم کے کشتے کا جہاں آہ
 کس روز وہاں آہوے صحرا نہیں آتا
 یہ جنسِ گراں مایہ دل چھوڑ نہ اے زلف
 میں کیا کروں سودا تجھے لینا نہیں آتا
 میں جوں کلِ تصویر ہوں اے شبِ گریاں
 ہنسنے کے سوا مجھ کو تو رونا نہیں آتا
 لمے جاؤں کدھر اس دلِ محزون کو الٹی
 مجھ کو کوئی دینے کو دلاسا نہیں آتا
 میں کیا کروں شبِ گم سدا جوں کلِ تصویر
 ہنسنے کے سوا مجھ کو تو رونا نہیں آتا

باز آتو کہیں سگ صفتی سے نفسِ شوم
 گھر میں سرے رحمت کا فرشتہ نہیں آتا
 آلودہ دنیا ہوں نصیر اس قدر افسوس
 اندیشہ زادِ روِ عطیٰ نہیں آتا

۱۷۹

زبانِ شمع سے بھرتا نہیں کچھ دود سا لپٹا
 کہیں یہ جھوٹ بولے ہے جو منہ سے اڑدیا لپٹا
 ہر بلبل نہیں دامنِ گل میں اے صبا لپٹا
 رکھے ہے باغیاں گل چیں کی خاطر لیمچا لپٹا
 تصورِ چشمِ عاشق میں ہے یوں چشمِ ہری رو کا
 کہ جونِ بادام سے بادام ہووے ایک جا لپٹا
 گریبان گیر تھی افتادگی کیا دشتِ غربت میں
 کبھی ٹھوکر لگے ، گلے یہ دامنِ گِردِ پا لپٹا
 لبِ ساحر سے تھا شب کو ہلالِ عید ہم پہلو
 سحر جس کی تمنا میں گلے سے یار آ لپٹا
 چمن میں غنچہ منہ کھولے ہے جب کچھ دل کی کہنے کو
 نسیم صبح بھر رکھتی ہے باتوں میں لکا لپٹا
 خللِ زلفِ سیاہ کے عکس سے کیا آنے کو ہے
 دھواں دریا کے منہ سے صبح رہتا ہے سدا لپٹا
 یہ جسمِ زار ہم پہلو نہیں اے سنگِ دل تجھ سے
 ہرنگِ چشمِ سوزن دیکھ مقناطیس آ لپٹا

عبت کا کوئی سر نہ ہے ہو ہے سلسلہ ہر ہم
مزارِ قیس ہے اک بیدِ محنوں ہی رہا لپٹا
نصیر اک خلقِ اُس کے ہاتھ سے الجوع کہتی ہے
رہے ہے سفرۂ گردوں میں گردہ ماہ کا لپٹا

۱۸۰

عبثِ خالیِ دہانِ یار کو نقطہ یہاں باندھا
اُسے مہرِ خموشی تم نے کیوں اے لکھتے دان باندھا
کمر کا جب تصورِ تیری ہم نے اے میاں باندھا
ارادہ مرغِ جاں نے بھی یہ سیرِ لامکاں باندھا
شتر پر حملِ لیلیٰ جو تو نے ساریاں باندھا
دلِ محنوں نے مائدِ جرس تارِ افغان باندھا
کمر کو جب کہ قاتل نے بقتلِ عاشقان باندھا
خمرِ شمشیر سے ہل ہر سرِ خونِ روان باندھا
لبِ شیریں سے اُس کے قصدِ ہم چشمی یہاں باندھا
گرہ میں نیشکر تو نے سخنِ میرا نہ پاں باندھا
نہ تھا یہ ہالِ باندھا چور تو نے کس کے کہنے سے
کمندِ زلف سے دل کو سرے اے دلِ ستان باندھا
نظر آتی ہے چشمِ یارِ بحرِ حسن کی کشتی
بجا سرمے کے دہالے کو ہم نے بادیاں باندھا
بلندی پر چڑھا کر خلق کو ہٹکے ہے ہستی میں
ہڈولا ہے سببِ تجھ کو نہیں اے آسماں باندھا

بھراتی یہ تلاشِ رزق میں قسمت کی گردش ہے
 کہ ہو بیدار نہ چکتر آسیا نے ہر زمان باندھا
 جنابِ بحر کو پایا جو کم فرصت تو پھر یارو
 طلسمِ ہستی فانی کو ہم نے بے نشان باندھا
 مرا دل صیدِ ناوک خوردہ آہو لگا ہاں ہے
 نہیں بے وجہ میں نے اس کو شیرِ لیستان باندھا
 گریبانِ صحرے حشر تک سورج نہ نکلے گا
 گلے سے لکھمہ زر تو نے کیوں اے میری جان باندھا
 گزر دل کا ہو کس صورت سے اس کی مانگ میں یارب
 کہ مارِ زلف رہزن کے ہے رستے ہر جہاں باندھا
 عجب مڑکاں سے کیفیت ہے چشمِ یار کی ساق
 کہ سو میکش نے حلقہ گرد یک ساغر ہے پاں باندھا

قطعہ

چمن میں جب کہ بوجھا عندلیبِ زار و بے پر نے
 گلے میں تو نے کیا ہے قمری نالہ کتنا باندھا
 تو یہ بولی مریضِ عشقِ سروِ بوستان ہوں میں
 نہیں طوقِ گلو گنڈا ہے لیلا میں نے ہاں باندھا
 نصیرِ اس کی کمر کا کچھ سراغ اب تک نہیں ملتا
 خدا جانے کہ عنقا نے کہاں ہے آشیان باندھا

۱۸۱

تصور تیرے زلف و رخ کا جب ہم نے میان باندھا
 تو نسبتِ رخ کو دی شعلے سے زلفوں کو دھواں باندھا
 خیال اس کی کمر کا دل نے ایسا ہر زمان باندھا
 کہ سوے لا مکاں مانندِ عنقا آشیان باندھا

ہزار افسوس بچنوں نے یہاں لیلیٰ کے محل سے
 دلِ نالوں نہ مالتدِ درائے کاروانِ باندھا
 آؤ کر لے گئی اوپر سے اوپر ہی زرِ گل کو
 صبا اک چورِ بادی ہے نہ تو نے باغیاں باندھا
 کفِ افسوس حسرت سے لگا ملنے دلِ پُر خون
 لگا کر ہاتھ میں مہندی جو تو نے برگِ پاں باندھا
 چمن میں شاخِ گل پر قطرۂ شبم نہ ٹھہری آگے
 نہ تو نے نورتن بیروں کا بازو پر میاں باندھا
 گلِ صد برگ لوٹا ہنستے ہنستے صحنِ گلشن میں
 یہ پھینکا سر پہ تم نے زعفرانی گلِ رخاں باندھا
 برنگِ غنچہ جو آیا نصیر اس باغِ ہستی میں
 عدم کو رختِ ہستی دوش پر اپنے میاں باندھا

۱۸۲

اشک کا دیدۂ تر سے ہے جہانا اچھا
 طفلِ اہتر کو ہے رستے سے لگانا اچھا
 چشم میں گرچہ ہے سرمے کا لگانا اچھا
 خاک میں ہر نہیں عاشق کا ملانا اچھا
 آہ مت کہہنا کہ بھرتا ہوں دمِ سرد دلا
 دیکھ آتش کا ہے آندھی میں دہانا اچھا
 تو زباں بزم میں کٹوا کے رہے گی اے شمع
 کہ شراوت کا نہیں حرف ہے لانا اچھا

اپنے ابرو سے نہ کر دیکھ مرے دل کو جدا
 گوشت کا ہے نہیں ناخن سے چھڑانا اچھا
 اٹھنے آس کوچے سے جوں لاش قدم دیجو نہ ضعف
 ہے یہ قسمت سے لگا ہاتھ ٹھکانا اچھا
 موسمِ گل ہے جنوں خیز ابھی اے ناصح
 ہے نہیں چاک گریباں کا سلاسا اچھا
 شانہ ساں اے دلِ صد چاک نہ آس زلف کو چھیڑ
 کہ نہیں ہاتھ میں کالے کا کھلانا اچھا
 قطعہ

شب کو کہتا ہوں اگر اپنی کہانی تو مجھے
 کیا وہ کہتے ہیں کہ ہے دن کا سنانا اچھا
 اور جو دن کو سناتا ہوں تو فرماتے ہیں
 کہ مسافر کا نہیں راہ بھلانا اچھا
 دوستوا کیا کہوں دن رات کے ہوں قصے میں
 ایسے قصے سے تو ہے زہر کا کھانا اچھا
 عشق بازی کا ہڑا ہے تجھے لہکا بے ڈھب
 تو ہنا تیر ملامت کا نشانا اچھا
 نہ برا مان کہ ہے کام کی یہ بات نصیر
 ہر کسی سے ہے نہیں دل کا لگانا اچھا

۱۸۳

منیل کو میں آس زلف کے ہمسر نہیں پاتا
 شمشاد کو قامت کے برابر نہیں پاتا
 یوں تجھ میں دل اے زلف معبر نہیں پاتا
 جوں چیز کوئی رات کو دھر کر نہیں پاتا

جز دیر و حرم کوئی ترا کھر نہیں پاتا
 میں خالہ دل سے تجھے باہر نہیں پاتا
 جوں نے ہے سرا ناک میں دم اے دلِ نادان
 فرصت ترے ہاتھوں سے میں دم بھر نہیں پاتا
 کیونکر تجھے دن رات میں آنکھوں میں نہ رکھوں
 کولین میں تجھ سے کوئی بہتر نہیں پاتا
 بتلا یہ تری مانگ ہے یا راہِ عدم ہے
 کھوج اس دلِ کم گشتہ کا دلیر نہیں پاتا
 مجھ کو بھی اسیرانِ قفس پاس بٹھا لو
 خالی میں جگہ ہمارے قفس پر نہیں پاتا
 ہو راہِ تما جلد کہیں خضرِ تصور
 رستہ نہ ہو جب تک کوئی رہبر نہیں پاتا
 جس روز کہ تجھ سے یہ مری آنکھ لڑی تھی
 کم بخت میں اُس دن کو ستم گر نہیں پاتا
 اب کیا ہو ترے صاف نظر آگئے جوہر
 جب دیکھے ہے تو مجھ کو تو خنجر نہیں پاتا
 کیوں متصلِ شمع صبا آج نہیں گل
 پہلو میں گلابی کے میں ساغر نہیں پاتا
 دل صاف نصیر اس قدر اپنا ہے کہ اُس کو
 جوں آئینہ گلے بھی مکدر نہیں پاتا

آستین کو نہ فقط موجہ طوفان کیا
 یاں تلک روئے کہ گردابِ یابان کیا

جنگ کا عشق نے پروانے سے سامان کیا
 شمع کو تیر کیا ، شعلے کو پیکان کیا
 وصل میں عشق نے بلبل کو یہ حیران کیا
 ہر رگِ گل کو رگِ خوابِ ہریشان کیا
 یک قلم جا کرے تیروں سے نہیں پہلو میں
 ہم نے اس دل کو بھی اب شیرِ نیستان کیا
 چہرہٴ بار سے وابستہ کیا زلف کا تار
 دل نے اس رشتے کو شیرازۂ قرآن کیا
 قطعہ

تجھ سے کیا چشم رکھے کوئی پہلا بعد از مرگ
 فائدہ کو بھی گزر آہ نہ اک آن کیا
 چادرِ گل تو کہاں ہو کہ برسوں دن بھی
 لاکے دو بھول نہ شرمندہٴ احسان کیا
 حضرتِ عشق کے صدقے میں کہ جس کی دولت
 عرس کا آپ ہی عاشق نے یہ سامان کیا
 یعنی تبخالہٴ سینہ کو بنا کر فالوس
 آس میں سوزش کو وہیں شمعِ شبستان کیا
 گردِ بادانہ غبارِ اپنے کا بالدھا کتبہ
 شہ سوارانہ یہ خیمہ سرِ میدان کیا
 حسرت و درد و فراق و الم و حسرت و یاس
 رونق افزا جو ہو وہ بزم کا سامان کیا

ختم کرنے کے لیے مجلسوں کا اپنے آج
 دل سے سیارے کو سیارۂ قرآن کیا
 عوضِ عود اگر سوزِ میانِ محفل
 داغ سے دل کو ہر آرزِ ہجر و لوہان کیا
 گل کی جا لغتِ جگر نفل کی جا قطرۂ اشک
 فائدہِ خوافی پہ دستِ صفِ مژگان کیا
 گنبدِ آہِ شرر بار کو بالینِ مزار
 راتِ قل کی جو ہوئی سروِ چراغان کیا
 ہم وہ باہمتِ عالی ہیں اب اس فن میں نصیر
 کہ ہر اک ادنیٰ کو پاں صاحبِ دیوان کیا

۱۸۵

وہ ہے روعِ عرقِ افشانِ نمولہ برق و باران کا
 نہیں دیکھا تو دیکھ اے دل تماشا برق و باران کا
 دلِ یتاب و چشمِ تر کے ہاتھوں سے بھون کیوں کر
 جلانا کام ہے اور غرق کرنا برق و باران کا
 ہنسے ہے لہلیٰ محملِ نشیں گرے پہ بھنوں کے
 عجب صورت سے دیکھا ربطِ یکجا برق و باران کا
 تھا کے قابِ رخ دکھلاؤ زلفِ قطرہ افشان میں
 کہ تا ہو مایلِ نظارہ دریا برق و باران کا

۱۸۶

سینے میں جب کہ تیرا تیرا نگاہِ بیٹھا
 بس ووں ہی کھینچ کر میں اک دل سے آہِ بیٹھا
 یا بوتراب! کیجے اس وقت دستِ گیری
 بے ڈھب یہ کچھ غریبِ بحرِ گناہِ بیٹھا

اختر سپند آیا لہے مجھ فلک میں
 شب بام پر جو آکر وہ رشکِ ماہِ بیشا
 کس وجہ آئند ماں پتھرا نہ جائیں آنکھیں
 اک سنگِ دل کی کب سے ٹکنا ہوں راہِ بیشا
 گل تیغ لے کے آیا محفل میں کیا ستم گر
 ہر ایک مانگتا تھا اس سے پناہِ بیشا
 کوئی یہ اس سے کہہ دو، چاہے ہے دادِ تجھ سے
 مدت سے تیرے در پر اک دادِ خواہِ بیشا
 آندو اے نہ سمجھو اے سردماں رکھوں ہوں
 اس فوجِ غم کی خاطر میں بھی سپاہِ بیشا (کذا)
 فرہاد بے ستوں سے واں جوئے شیر لایا
 لوگوں میں تو جتنا ہے یوں ہی چاہِ بیشا
 اٹھ چشمِ خونِ فشاں سے دریاے خون لے چل
 کب تک رہے گا اب یاں اے روسیاءِ بیشا
 سینے پہ اپنے تو بھی رکھ اے نصیرِ پتھر
 کیوں سنگِ دل کے غم میں کرتا ہے آہِ بیشا

۱۸۷

ادھر ابر لے چشمِ نم کو چلا
 ادھر ساقیا! میں بھی یم کو چلا
 مبارک ہو کعبہ تمہیں شیخِ جبر!

یہ بندہ تو بیتِ الصنم کو چلا

سرِ رہ گزر آہ اے بے نشان
 کدھر چھوڑ نقشِ قدم کو چلا
 جواہر کا ٹکڑا ہے یہ لختِ دل
 تو اے اشک لے اس رقم کو چلا

قطعہ

ترا مائلِ حسن اے سرو قد!
 سنا ہے کہ ملکِ عدم کو چلا
 حجابِ لبِ 'جو کی مانند آہ
 خبر جلد لے کوئی دم کو چلا
 ترے عشق میں ساتھ اپنے نصیب
 لیے حسرت و درد و غم کو چلا

۱۸۸

ایک ہاں قسمت کا اپنے گنجِ تنہائی ملا
 دوسرے جو بار تھا - وہ بھی ہرجائی ملا
 دیکھیے کیوں کر ہو اس سے دوستو صحبت پر آر
 ہم تو دہرائے ہی تھے ہر دل بھی - ودائی ملا
 بعد محبتوں کیوں نہ ہوں میں کارفرمائے جنوں
 عشق کی سرکار سے ملبوسِ رسوائی ملا
 جل گیا پروانہ جس دم شعلہ رو آیا بہیزم
 خاک میں شبِ شمع نے دی محفلِ آرائی ملا

طالعِ بیدار کی بہت اٹھائی تھی ولے (کذا)
 اُس سے شب ہم کو کتنا خواب میں لائی ملا
 اپنی قسمت میں ازل سے تھی لکھی سرگشتگی
 گردباد آسا جو کار دشت بیانی ملا

قطعہ

واہ وا رحمت ہے تجھ کو اور اُس کو آفریں
 راہ میں بن کر عصا جو خارِ صحرائی ملا
 دست گیری ہی نہ کی تو نے کہ جوں نقشِ قدم
 خاک میں تیرے لیے میں اے توانائی ملا
 خوب ما سیدھا بنے کا سرو کشن اے نصیر
 اُس کی رعنائی سے گر دے گا یہ زیبائی ملا

۱۸۹

شب ہم آغوش جو تو بسترِ گل پر نہ ہوا
 صبح کب بسترِ گل تودہ اخگر نہ ہوا
 لکھے ہی تیر دلِ زار تو جاں پر نہ ہوا
 قاللوا مور کا کب دشمنِ جاں پر نہ ہوا
 کون کہتا ہے ہلالِ ابرو سے دل پر نہ ہوا
 کون ما شہر ہے اس تیغ سے جو سر نہ ہوا
 ہم سری ما کو رخِ بار سے ہرچند تھی پر
 اپنی آنکھوں کی وہ میزان میں برابر نہ ہوا

تو نے ہر چند کہا لا مجھے گھر سے باہر
 صورتِ نقطہ پرکار میں باہر نہ ہوا
 اس تڑپنے کا تماشا تجھے دکھلانے برق
 کیا کہیں ہو میں ہمارے دلِ مضطر نہ ہوا
 این ترے اے بتِ خود کام دمِ بادہ کشی
 تیغِ کب حق میں ہمارے لبِ ساغر نہ ہوا
 وہ صنم گرچہ ہوا رام ہر آس کے دل میں
 آہِ جونِ رشتہ تسبیحِ مرا گھر نہ ہوا
 کیوں نہ حسرت ہو مجھے دیکھ کے گل ہر شب
 کہ مرا اشکِ ترے کان کا گوہر نہ ہوا
 جلوۂ قد سے ترے آج چمن میں رہا
 سر پہ کب سرو کے ہنگامہ ہشر نہ ہوا
 سامنے جس کے سدا دعویٰ ہم چشمی تھا
 آبِ حیاں نہ ہوا چشمہ کوثر نہ ہوا
 قطعہ

رو کے جب تربتِ مجنوں پہ کہا آہو نے
 کوئی جاروب کش اس ڈھیر پہ آکر نہ ہوا
 تھا ہوا خواہ بگولا سو وہ پہ آئد بولا
 کہ پہ کب بندۂ درگاہِ مجاور نہ ہوا

قطعہ

منزلِ عشقِ نہایت ہے کڑی کہا کہجے
 آج تک آس میں کسی کا کوئی رہبر نہ ہوا

کیا کرے پیرویِ قافلہٗ اشکِ روان
منتظر اپنے رفیقوں کا وہ دم بھر نہ ہوا

قطعہ

پارہٴ دل کو گیا لختِ جگر آخر چھوڑ
چشمِ تر اپنے بھی نزدیک یہ بہتر نہ ہوا
دیکھے کب ہو ملاقات اب ان دونوں کی
وخصت اے وائے برادر سے برادر نہ ہوا

قطعہ

وائے لاکامیِ دل ، ہائے تمنائے وصال
ایک بوسہ کبھی آسِ لب کا میسر نہ ہوا
دل سرِ شام سے بھٹکے تھا تری مالک میں آہ
خضر بھی اس رہِ ظلمات میں رہبر نہ ہوا
تیرِ ابروئے بتان دیکھ کے ڈرتا ہوں نصیر
کون سا صاحبِ جوہر ہے کہ جوہر نہ ہوا

۱۹۰

آسِ واحدِ عجب کو تفصیل تک دیکھا
بے مثل کو ہر صورتِ تمثیل تک دیکھا

شب کیوں نہ ترے رخ سے روشن ہو چراغِ مہ
اس شعلے کو گردوں کی قندیل تک دیکھا

جب مصحفِ رخ تیرا نسخ ہو ہر صورت
 آوریٰ کو کب ہم نے الجھیل تلک دیکھا
 کیسو کی وہ لٹ لٹکا آئینہ ہم یہ بولے
 آج ابرِ سیہ چھایا کیا جھیل تلک دیکھا
 زاہد کا نہ کیوں رتبہ حالت میں دوایا ہو
 مجلس میں اچھلتی ہے مندہل تلک دیکھا
 اُس رخ پہ پسینے سے کاجل کا جا جب تل
 عالم میں بگڑتے ہی پھر نیل تلک دیکھا
 اے طفلِ دبستان اب سیارہ نہ کیوں دل ہو
 آنے کو ترے روزِ تعطیل تلک دیکھا
 کس وجہ نہ چشم اُس کی ہاں فائلِ مردم ہو
 بھالا نئے سرمہ کی ہر میل تلک دیکھا
 قرباں ہو (ن) نصیر اپنے میں ختمِ رسالت کی
 مشتاقِ لقا جس کا جبریل تلک دیکھا

۱۹۱

چھوڑا نہ تجھے ، نے رام کیا ، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 ہم سے تو بتِ کافر یہ خدا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 انسوسِ عدم سے آگے کیا ، کیا ہم نے گلشنِ ہستی میں
 جوں شبم و گلِ رویا نہ بنسا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 اُس آنندِ رو کے وصل میں بھی مشتاقِ ہوس و کنار رہے
 اے عالمِ حیرت تیرے سوا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 دل کوئے بتاں میں جا بیٹھا دمِ خانہٴ تن کو چھوڑ گیا
 حیف آخر کار رفیقِ اپنا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

یا پھر طوافِ کعبہ کئے یا مستکفِ بت خانہ ہوئے
 کیا شیخ و برہمن ہم نے کیا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 اے قاصدِ اشک و ہیک صبا اس تک نہ پیام و خط پہنچا
 تم کیا کرو ہاں قسمت کا لکھا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 کھینچ اس کو نہ لایا جذبہٴ دلِ تاثیر نہ کچھ لالے ہی نے کی
 میں دولوں کا شاکی ہی رہا ، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 اس لب کا لیا ہوسہ نہ کبھو ، بیہات نہ لپٹا پاؤں سے
 دل تجھ سے برنگِ پان و حنا ، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 بجنوں تو بھرا جنگلِ جنگل ، فریاد نے چیرا کوہِ دلا
 میں آہ رہا بے دست و پا ، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 دن کو بھی نہ دیکھا ہم نے آسے شبِ خواب میں بھی یاروں ملا
 اس طالعِ خفتہ کا ہووے برا ، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا
 نزدیکِ نصیر اپنے آساں فرمایش تھی گویا یہ غزل
 کچھ اس کا بھی کہنا مشکل تھا ، یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

۱۹۲

خالِ رخ جب کہ پسینے میں سمھارا ڈوبا
 جوشِ بارش ہو نہ کس وجہ کہ تارا ڈوبا
 بھر گرا چاہِ ذقن میں گرہِ زلف سے چھوٹ
 آشنا ایک جو تھا دل ، سو دوبارہ ڈوبا
 اس سے بازی نہ بدیں گے یہ قبارِ آفت
 کہ نقدِ دل و جاں جو کوئی ہارا ڈوبا
 قلمِ اشک سے لکلا نہ مرا لغتِ جگر
 تشنگی کا یہ مسافر تھا جو مارا ڈوبا

پاؤں میں بسملِ بیتاب کوئی تڑپا تھا
 خوں میں یک دست جو دامن یہ سمھارا ڈوبا
 تھی صف آرا جو وہ برگشتہ سپاہِ مڑکان
 آس میں یہ رستمِ دل ، جانِ ہارا ڈوبا
 غرقِ دریاے محبت دلِ بیتاب ہوا
 آج تک یہ نہ سنا تھا کہیں ہارا ڈوبا
 اس صفائی سے کل ایرو کا سمھارے نیچا
 دلِ عشاق میں کرتے ہی اشارا ، ڈوبا
 ہر مڑے سے مری قنوارۂ خوں یہ چھوٹا
 آبِ خجلت میں جسے دیکھ ہزارا ڈوبا
 جستجو میں 'درِ مقصود کی انوس نصیر
 بحرِ الفت میں ملا جب نہ کنارا ، ڈوبا

۱۹۳

دم کہاں ہو گیا شبمِ بدنِ گل ٹھنڈا
 پانی زخمی کو نہیں دیتے ہیں بالکل ٹھنڈا
 صبح دمِ باغ میں گل توڑ کے گلچیں نے صبا
 کر دیا آہ چراغِ دلِ ہلبل ٹھنڈا
 کیا دکھاتا ہے فلک گرم توانِ خورشید
 کھانا کھاتے ہیں سدا اہلِ توکل ٹھنڈا
 دل یہ بھڑکا تھا بہت نصیب میں وہ شعلہٴ حسن
 عرقِ رخ نے کیا ہر تہِ کاکل ٹھنڈا

تجھ کو کیا ، گرم ، نہیں ہیں جو بتانِ کشمیر
 حسنِ قبرا بھی تو ہے لولیٰ کابل ٹھنڈا
 تجھ میں ساقی نے بھری ہے یہ مٹے آتش رنگ
 لمے کے کیا خاکِ کلیجا ہو بطرِ مُل ٹھنڈا
 اے دلِ انسان کو یہ لازم ہے کہ جس وقتِ مسود
 آگ ہو تو بنے کر کے تحمل ٹھنڈا
 شعلہٴ شمع سے ہو چھو کہ یہ کیوں کانٹے ہے
 تن تو دکھتی نہیں فانوس کی قرعہ ٹھنڈا
 پیرنِ اولیٰ کی بولٹی کا پن گرمی میں
 جسمِ نازک رہے تا جس سے ترا کل ٹھنڈا
 یعنی یہ بات ہے مشہور کہ کاٹے ہے سدا
 آہنِ گرم کو آہن بہ تامل ٹھنڈا
 پڑھ نصیر اور غزلِ گرم اب ایسی کہ لگے
 سن کے دل کو سخنِ طالبِ آمل ٹھنڈا

۱۹۴

دام میں رکھے ہے کب دوریٰ ہر 'کل ٹھنڈا
 نالہٴ گرم سے کیا ہو دلِ بلبل ٹھنڈا
 عرقِ آس جاوِ زلفداں میں ہے بالکل ٹھنڈا
 ہانی ڈہکی کا دلا ہے بہ تامل ٹھنڈا
 شمع روگھر میں جو آیا مرے شب کو تو چراغ
 کر دیا رشک سے پروانوں نے مل 'جل ٹھنڈا
 ہے بقیں بھوکو گریں گریہ مرے گرم سرشک
 آبِ دریا نہ ہو جاری بھی تیر 'ہل ٹھنڈا

کب ہوں سرد مزاجوں کی مُبتدل تاثیر
 دیکھ اولے کوکہ وہ لگتا ہے "کھل کھل ٹھنڈا
 طفلِ غنچہ کو نہ شبہم دے سرِ کوزۂ برف
 اُس کا ہو جائے گا منہ وقتِ تناول ٹھنڈا
 دے صراحی کوئی شورے میں لگا کر ساق
 تاکہ ہووے جگرِ جرعه کثرِ مُل ٹھنڈا
 ہلے گرمی، تبِ عشق کہ مجنوں کا ترے
 بارہا آیا عرقِ تن نہ ہوا مُل ٹھنڈا
 اور کچھ راس نہ آئے گی دوا اے لیلیٰ
 شبرۂ خارِ خشک دے کہ ہو بالکل ٹھنڈا
 ماتمِ آلِ نبی جب کہ یہ ہو عالم میں
 اشکِ لکھے تری خاکِ آنکھ سے دلدل ٹھنڈا
 لہریں دریا کی نہیں تیغ لیے گردِ حباب
 تعزہ کرنے چلے ہیں یہ تبصّل ٹھنڈا
 شکلِ فتوارہ تو اک دم کی ترقی یہ نہ بھول
 دل کو کر دے گا نصیر آہ تنزل ٹھنڈا

۱۹۵

شب تری چنِ جبین نے کیا بتایا مالینا
 کہکشاں کو آ گیا سیدھا فلک کا مالینا
 کب ہے الیمِ عدم کا سہل رستہ مالینا
 اے میاں اپنی کمر کو لے کے ڈورا مالینا

زلفِ افعیٰ و شر کا مشکل ہے کھلانا مانہنا
 سہل ہے بارو عصائے موسوی کا مانہنا
 ٹکڑے کرنے دے جنوں کی جیب کے خیاطِ عقل
 ہم نے یہ کام آس کو سونپا ، تجھ کو سونپا مانہنا
 زور ہے نا ظلم ، کوتاہی ہے اپنی عقل کی
 تو زمیں کس سے فلک یہ کہہ کہہ سیکھا مانہنا
 بن گیا ہے سوکھ کر کانٹا یہ تیرے ہجر میں
 فاستِ مجنوں کو لیائی لے کے تنکا مانہنا
 کہہ دو اس طفلِ فرنگی سے کہ تیرا رخسارِ ناز
 مالک کا پورا ہے ، لاحاصل ہے آس کا مانہنا
 ہمہری کرتی ہے یہ ساقی کی گردن سے مدام
 گردنِ مینا کو ولدِ بادہ پہا مانہنا
 جامہ چینوں نے سدا باندھی کمر اس بات پر
 گھیر دامن کا ترے لیکن نہ آیا مانہنا
 عشق نے تیرے تو کی پردہ دری/ ہر می کے تو
 چاکِ ایران کو یوسف کے زلیخا مانہنا
 دیکھے ہشتاق کو تیری گر ریاضی داں کوئی
 بھول جاوے عرض و طولِ چرخِ خضرا مانہنا
 داسِ ابرو سے کرے گا وہ درو اس دل کا کھیت
 پہلے تو لے کر جراب اے زلف سارا مانہنا
 کس کا دم ہے جو کوئی مالے ترے جامے کا بند
 ناگ بہن ہے ، کس سے ہو سکتا ہے آس کا مانہنا

قطعہ

کب کہا تھا قیس تیرے کان میں یہ عشق نے
 ہوں گریباں بھاڑ کر دامنِ صحرا مانہنا
 قہجہ کو ہمراہِ سنگِ لیلیٰ سدا اے ہرزہ گرد
 کوچہٗ لیلیٰ کا رستہ چاہے تھا مانہنا
 عاشقِ رسوا ترا اک بہرین کے واسطے
 قہجہ سے چاہے ہے کہ تنِ زیب اور خاصا مانہنا
 جامہٗ عریاں تنی سے اُس کے تن کی زیب ہے
 قطع کہتے ہیں کسی ، ہوتا ہے کیسا مانہنا
 آشنائی رکھتے ہیں خضرِ تصور سے نصیر
 خوب آتا ہے سخن کا ہم کو دریا مانہنا

۱۹۶

بار بنا ان پارۂ دل کا ، مانک نہ گجرا بھولوں کا
 اور کہاں سے عاشقِ مفلس لائے یہ کہنا بھولوں کا
 دیکھیے ہے وہ صحنِ چمن میں جا کے تماشا بھولوں کا
 داغوں سے بن جائے یہ سینہ کاش کہ تختا بھولوں کا
 کاش دلِ صد چاک یہ بن کر بیجنے والا بھولوں کا
 کوئے بتاں میں جا کے ہکڑے لو کوئی گجرا بھولوں کا
 حرف نہیں ہے دیدہ تر ، تکرڑوں سے جگر کے لائق ہر
 سیلِ اشک کو دریا سمجھو ، اُس کو نوازا بھولوں کا

صبح نہیں بے وجہ جلانے لالے نے گلشن میں چراغ
 دیکھو رخ گلزارِ صنم لکلا ہے وہ لالہ پھولوں کا
 مجھ کو نہ لے چل بادِ بہاری رنگِ چمن ہے وحشت خیز
 جب سے لے کر دامن تک سو لکڑے کُرتا پھولوں کا
 تو نے لٹایا انگاروں پر صبح تلک اے وعدہ خلاف
 تیری خاطر ہم نے کیا تھا شب کو بھونکا پھولوں کا
 سلکِ سرشکِ سرخِ زمیں تک تجھ کو دکھاوے سڑکاں سے
 بھلجھڑی ایسی چھوڑ کوئی ہوں میں بھی لچھا پھولوں کا
 کان سے تیرے جھک جھک کر یہ لیتا ہے بو سے عارض کے
 یا تو ہمارے ٹکرے کر یا توڑ یا بالہ پھولوں کا
 دھوپ میں آس کا ہائے ففس صیادِ ستم ایجاد رکھے
 رہتا تھا جس مرغِ چمن کے سر پر سایا پھولوں کا
 جہل کھائے اخیار نہ کیوں کر، کلِ چلون سے بات نکال
 مارا تھا آس بردہ نشی نے مجھ کو ہنکھا پھولوں کا
 عشق میں تیرے گل کھا کر جاں اپنی دی ہے نصیر نے آہ
 آس کے سرِ مرقہ پر گل رو لا کوئی دونا پھولوں کا

۱۹۷

تمہارا خالِ رخ زلفوں میں کیا اے سیمِ تن دیکھا
 تعجب ہے کہ دو مارِ سیم میں ایک من دیکھا
 آسے کیوں چھوڑ کر آنکھوں کو تیری جانِ من دیکھا
 جہت ہم نے خطا کی اب جو آہوے سخن دیکھا

کوئی باغِ جہاں میں وحدتِ حق کا ہو کیا منکر
 کہ انگشتِ شہادتِ سا کھڑا سروِ چمن دیکھا
 ہوا ہے زلفِ اڑ کر جا پڑی کیا مالک میں تیری
 کہ اس رستے میں گویا ہم نے مارِ راہزن دیکھا
 لبِ نازکِ ترا وہ ہے کہ جس کے سامنے ہم نے
 غجالتِ کش چمن میں آج برگِ نسترن دیکھا
 نہ کہتے تھے تھے مت بے ستوں میں جانِ شیریں دے
 مزا کچھ تیشہ رانی کا نہ تو نے کوہِ کن دیکھا
 فراقِ بارِ میں اے چشمِ طوفانِ زا تری دولت
 ہرنگِ موجِ دریا آستین کا ہر شکن دیکھا
 سبک تنِ جوں حبابِ ایسا نصیرِ ناتواں ہوں میں
 کہ اک بارِ گراں آبِ رواں کا پیریں دیکھا

۱۹۸

ترے ذاتِ سارے سفید ہیں، بٹے زیبِ ہان سے مل کر آ
 نہیں دیکھے آج تک ابر میں، مجھے اب دکھانے کو اختر آ
 شبِ وعدہ تو اگر آئے ہے تو دونگ کیا ہے مرے گھر آ
 کہ یہ آنکھیں لگ رہی در سے ہیں شبِ رشکِ مہِ بخدا در آ (کذا)
 مرے سر پہ ہر گھڑی فاختہ کرے کام کیونکہ نہ آئے کا
 قدرِ دل رہا کے حضور تو نہ چمن میں بن کے صنوبر آ
 مرے تن سے سر کو جدا کر اب، نہیں خونِ بہا کی مجھے طلب
 کہ یہ تن یہ بارِ گراں ہے اس، کہیں تیغِ لیے کے مستحکم آ
 یہ مکاں ہیں دونوں ترے لیے، نہیں غیر کا ہے یہاں گزر
 جو تو چشم میں نہیں آئے ہے، مرے دل میں بارِ سخنور آ

تری راہ دیکھوں میں تا کجا ، کہوں کس سے یہ کہ خبر ہی لا
مرا اُس سے لے کے جوابِ خط ، کہیں جلد آؤ کے کیوتر آ
ہیز ابر دے بتِ بادہ کش ، نہیں دل کے واسطے جائے خوش
کہ یہ شیشہ اور وہ طاق ہے ، تو نصیر جا کے اے دھرا

۱۹۹

کر گئی جانِ حزاں تن سے سفر اچھا ہوا
تھی امانت جس کی پہنچی اس کے گھر اچھا ہوا
لے کے اب آگے سے آیا اشکِ تر اچھا ہوا
یہ شکوں اے دل تجھے وقتِ سفر اچھا ہوا
ہو گئے سینے کے دو ٹکڑے سپر اچھا ہوا
تیرے قائل تجھ سے بھی شقِ القمر اچھا ہوا
سنگِ طفلان سے تو چھوٹے عمر بھر اچھا ہوا
گو رہے ہم بے عمر جون سرو پر اچھا ہوا
گوشِ مہوش تک تو پہنچا تو ، رہے طالعِ قرے
شکر کر رقی تری چمکی گھر اچھا ہوا

قطعہ

خط کے رکھنے سے ہوں 'دونی بہارِ حسنِ سبز
دیکھ تو اب یہ ہر آیا عشوہ گر اچھا ہوا (کذا)
بے نمود اُس کے کہاں تھی اس قدر کی سہر بہر
اب تو کہہ منہ سے ملے مجھ کو خضر اچھا ہوا
رشک آتا تھا کہ یار آنکھیں لڑائے غیر سے
ہو گیا آئینہ منظورِ نظر اچھا ہوا

عشق میں سر کا کٹانا سود ہے اے شمع دیکھ
 اور سر نکلا ترے حق میں ضرر اچھا ہوا
 اُس کے مضمونِ کمر کی فکر میں عطا کی طرح
 دل ہوا گو بے نشان پر نامور اچھا ہوا
 روز کی جان کاہی و محنت کشی سے چھٹ گیا
 مر گیا فرہاد تیشہ مار کر اچھا ہوا
 تجھ کو آن آنکھوں سے ہم چشمی نہ کرنی تھی صدف
 تھی اسی قابل، ترا جیرا جگر اچھا ہوا
 سامنے آنکھیں نہ کر سر در گریباں ہو نصیر
 تجھ سے کیا دنیا میں کام اے بے ہنر اچھا ہوا

۲۰۰

نو رتن بازو بہ جب وہ باندھ مہ پیکر آٹھا
 لیلیٰ شب نے رکھا پرویں کا پھر جھومر آٹھا
 دیکھنے کو تو نہ آئندہ بت کافر آٹھا
 درمیاں چہر خدا مت ستر اسکندر آٹھا
 قدرِ موزوں جب کہ دکھلانے مرا دل پر آٹھا
 صاحبِ تکبیر ”قد قامت“ ہی پھر کہہ کر آٹھا
 چشمِ نم اور خشک لب میں ساتھ کیا لے کر آٹھا
 آج کوچے سے ترے سلطانِ بحر و بر آٹھا
 چشمِ مستِ یار کو ڈرتا ہوں دل دیتے ہوئے
 ہے یہ شیشہ پھینک دے اس کو نہ پتھر پر آٹھا
 ہے لکونساری بھی ساتھ اے مردمِ دنیاے دوں
 شکلِ فنوارہ نہ اہنے اوج پر تو سر آٹھا

رات دن تیرا تصور تھا الہیں اے خارِ چشم (کذا)
 کیا کتہ آنکھیں مری تلووں سے کیوں مل کر آٹھا
 دیکھے کیا سر پہ ہو آسودگانِ خاک کے
 آج بھر وہ فتنہ برپا کنِ محشر آٹھا (کذا)
 میرے ہونے غیر کی جانب ترے ابرو ہلے
 دوستی بالائے طاق اپنی رکھ اے دلبر آٹھا
 ایک شب تو بیٹھ میرے حلقہٴ آغوش میں
 یارِ مہ پیکرِ قدمِ ہالے سے مت باہر آٹھا
 گر یہی تیری 'نہیں' ہے جانِ من تو ہم نہیں
 ہاں بھی کر، حرفِ 'نہیں' لب سے سخن پرور آٹھا
 اپنے کُشتی کو جلاہا تو نے اک ٹھوکر سے جب
 چرخِ چارم کو مسیحا چھوڑا، یہ سن کر آٹھا
 عاقبت ہوتا ہے رقبہٴ مردِ حق گو کا بلند
 دارِ ہر ہی چڑھ کے ہاں منصور بالآخر آٹھا
 ہوں مریضِ چشمِ اُس کا اس سے ہے تسکینِ دل
 باغبانِ مت سامنے سے دستہٴ عیبر آٹھا

قطعہ

بعدِ مدت کے جو یارو وہ مرے مدفن پہ آج
 اپنے توسن کو لگانے جب کہ کاؤں پر آٹھا
 گردبادِ آسا غبارِ اپنا بھی بھر کاؤں کے وقت
 گردِ قرباں ہو کے اُس کے باندھتا چکر آٹھا

شیشہ سے ساتھ لایا وہ لبِ دریا جو آج
 ساقیا! ہر بلبل لیتے ہی پھر ساغر اٹھا
 بدنام ہو جانے ہے کہنے سے خوبی ماہ کی
 اے قمر طلعت تجھے کیا چاہیے زبور اٹھا
 شق کیا ہے نہ کو انگشتِ نبیؐ نے اے صنم
 کہینچ کر قشقہ نہیں تو اپنے ماتھے پر اٹھا
 خندہ دندانِ تما سے تیرے یارِ برق و ش
 کر کے دامنِ ابر گریاں سے ہر از گوہر اٹھا
 آج اے دکھلا تماشا اور رجھا اے چشمِ تر
 پھر نہ آئے گا کبھی وہ بیٹھ کر اب گر اٹھا
 قارِ مژگاں پر نہ کر بیہم گرہ اے طفلِ اشک
 ہاتھ مت انکار سے کانوں پہ بازی گر اٹھا
 اس زمیں میں اور بھی لکھ کر غزل پڑھ اے نصیر
 ہاتھ مت تحریر سے اے یارِ دانش ور! اٹھا

۲۰۱

خواب میں مجھ سے جو وہ شب ہو کے ہم بستر اٹھا
 وائے بیداری کہ میں سونے سے گھبرا کر اٹھا
 وقتِ خمیازہ لیے ہاتھ اُس نے کیا سر پر اٹھا
 آج وہ دو شہیروں سے ہے ہری پہکر اٹھا
 کب ترے پہلو سے خالی جو نکلیں دل پر اٹھا
 صفحہٴ دل پر ترے اک نقشِ ہٹھلا کر اٹھا
 شب جو وہ ہرکالمہ آتشِ غضب ہو کر اٹھا
 شعلہٴ شمعِ شبستان کانتا تھر تھر اٹھا

چشمِ تر رکھِ اشک سے لختِ دلِ تفتہ کو دور
 طفلِ اہتر ہے مبادا لے کہیں اگھر آٹھا
 دل مرا اور چشمِ تیری دیکھے گر ساقی کہیں
 سنگِ خارا ہر پتک دے شیشہ و ساغر آٹھا

قطعہ

شعہٴ پرِ فلک کا تھا تو دلوں پر گان
 وقتِ تمزیر ایک برے پر عیاں ہو کر آٹھا
 دزدیِ 'در ہائے اختر صبح پر ثابت ہوئی
 آتشِ گولا جو نکلا سہر پنجے پر آٹھا
 تیغِ رکھ دے ہاتھ سے نازک کلائی ہے تری
 ہے یہ بھاری ذبح کرنے کو سرے خنجر آٹھا
 کیوں نہ حیراں ہوں کمر پر اس کی چوٹی دیکھ کر
 سر پہ مورِ ناتوان نے ہے لیا اُردر آٹھا
 کوئی دم تو اور سیرِ بحرِ ہستی کر حباب
 کوچ کا ساتھ اپنے کیوں خیمہ ہے تو لے کر آٹھا
 کیا تماشا ہے سدا میں موردِ رخِ اہلِ فیض
 مارتے ہیں ہارور ہر نخل کو پتھر آٹھا
 بوسہٴ لب دے مجھے اے رشکِ حورانِ بہشت
 دل سے تو میرے خیالِ چشمہٴ کوثر آٹھا
 اس روش سے تن کے آیا وہ سہی قد باغ میں
 سرو پر قمری نے رکھا آؤ شہر آٹھا
 شیشہٴ بشکستہ دل ہے مجھ سے سر کر بنا
 تو آئے اے سنگِ دل کیوں مار کر ٹھوکر آٹھا

موجبِ نامِ آوری ہے زاہدِ گوشہ نشین
 پاؤں اپنا جون نکلیں گھر سے نہ تو باہر آٹھا
 کیوں نہ لکھوں حالِ ضعف اپنا کہ نقشِ بوریا
 صفحہٴ چلو میں میرے جون خطرِ مسطر آٹھا
 اُس کی میں یادِ کمر میں ہو گیا ہوں یہ خیف
 مورِ لاغر بھرتی ہے میرا تنِ لاغر آٹھا
 ہوکا برباد آبلوں سے ملکِ دل سلطانِ عشق
 اپنے تو یہ خیمہ ہائے فوجِ غارت گر آٹھا
 راہ و رسمِ آشتی یہ بھی ہے کوئی حیلہٴ جو
 بیٹھنے ہی دفعۃً چلو سے تو دل ہر آٹھا
 اتفاقِ شیشہٴ ساعت یہ وشک آئے نہ کیوں
 ایک سے ہو کر جداتب دوسرا دم بھر آٹھا
 اُس کو یک جان و دو قالب کہتے ہیں آنکھوں سے دیکھ
 ساتھ ہی بیٹھا جو آٹھا ساتھ ہی مل کر آٹھا
 رولقِ بزمِ سخنِ بان ہے ترے دم سے نصیر
 مرجھا تو دوسری بھی کیا غزل پڑھ کر آٹھا

۲۰۲

ہے ذوقِ سافیا بطرِ مے کے شکار کا
 بھندا بناؤں کیونکہ نہ بارش کے تار کا
 دیکھو ہنرِ مری مژدہٴ اشکِ بار کا
 کرتی ہے کام یہ رگِ ابرِ چار کا

میں ہوں شہید آہوے چشمِ نگار کا
 ہوسہ نہ کیونکہ شیر لے میرے مزار کا
 کشتہ میں کیونکہ ہوں نہ دولب ہائے یار کا
 جنبش جنہوں کی کام کرے ذوالفقار کا
 عالم تو دیکھو بکھری ہوئی زلفِ یار کا
 رکھتا ہے لطفِ ابر سے پڑنا بہسوار کا
 قبضے میں خال کے خطِ رخ ہے نگار کا
 شاہِ حبش نے ملک لیا سبزوار کا
 قامت نظر پڑا ہے دو..... بار کا
 حیراں ہوں دیکھ سرو میں پیوند انار کا
 کیا کوئی سر بلند کرے دعویٰ عروج
 سایا ہے ہائیکمال خدا کوہسار کا
 اس چشمِ سرمہ سا کا ہوں کشتہ میں اے کلل
 آہو بٹالیو مری خاکِ مزار کا
 مجنوں کو ہے جو لائق لیلیٰ سے دوستی
 دشمن ہے اس لیے وہ بیابان میں خار کا
 گر کچھ تری گرہ میں ہے تو زلفِ یار کھول
 سودا متاعِ دل کا نہیں ہے آدھار کا
 چمکا ترے بلاق کا موقی یہ رات کو
 دم ناک میں ہے اخترِ دنبالہ دار کا
 قالب نہ کیونکہ ماہی بونس تھی کرے
 ہے کام کنفی ہا یہ تری ٹھنھری تار کا
 چکڑ میں عقل کیونکہ نہ ہو گردباد کی
 کاؤں یہ آج رخش ہے اس شہسوار کا

اے گلِ رخ جو میرے یہ گلِ خورده ہاتھ ہیں
 رکھتا ہوں میں خزاں میں بھی عالمِ بہار کا
 سرِ سر کے تو چاڑھے لایا ہے جوئے شیر
 قائل ہوں کوہِ کن ترے تیشے کی دھار کا
 آہ ہے کم یہ آمد و رفتِ نفس نہیں
 دشمن ہے لُحْلُ بستیِ ناہائیدار کا
 حق ہے یہ عقدہ حلِ سرِ منصور سے ہوا
 دیکھا کسی نے تھا نہ تیرے لُحْلُ دار کا
 شکلِ حبابِ حبسِ نفسِ کر گیا تو کیا
 ہر دم مجھے خیال ہے دم کے شہار کا
 مجھ کو جھڑایا آہِ ہانی کے رنج سے
 احسان ہے یہ سرِ زلفِ نوکِ خار کا
 آج اُس نے تارِ زلف میں موقِ پروٹے ہیں
 مریونِ لطف کیوں نہ ہوں ساقِ میں یار کا
 پی کر مٹے دو آتشہ اہرِ بہار میں
 بگلوں کی دیکھتا ہوں ہماشا قطار کا

قطعہ

خالِ رخِ نگار یہ . . . خورده . . . میں
 کیا اعتبارِ زندگیِ مستعار کا
 کرتا ہوں دوستو یہ وصیت کہ بعدِ مرگ
 کتبہ مرے مزار یہ ہو کوکھار کا

قطعہ

تجہ ما بھی کوئی عاشقِ لاغر نہ ہوگا آہ
عالم دکھاؤں اپنے کسی جسمِ زار کا
حلقے میں ہوں کمر کے میں لکتا ہوں ناتواں
نقشہ ہے جیسے دیدہ سوزن میں تار کا
مہ شب کو عنکبوت کا جالا لگے نصیر
تجہ کو دکھاؤں گر رخِ پُر نور یار کا

۲۰۳

سبزہ خط سے ترے لشہُ رنگ آ ہی کیا
کیوں نہ یہ چشمِ گلابی ہو کہ رنگ آ ہی کیا
دل سرا دل سے ترے ہر سرِ جنگ آ ہی کیا
یہ وہ شیشہ ہے کہ ہاں دو کہ رنگ آ ہی کیا
اُس کہاں دار کے ہاتھوں سے نہ کیوں دل سے
لے کے پیغامِ اجلِ پیکِ خدنگ آ ہی کیا
دل نے پرچند یہ چاہا نہ خلش ہو باہم
بتِ بدکیش و لے ہر سرِ جنگ آ ہی کیا
کیونکہ پھٹائیں نہ ہم لے کے ترا ہوسہُ زلف
آبِ حیوان کو خضر لے کے بتنگ آ ہی کیا
گھر گیا خالِ رخِ اے وائے تری زلفوں میں
قید میں شام کے والیِ فرنگ آ ہی کیا
سرخرو کیا ہے تری چشم کے آگے ترکس
غنچہ گل بھی وہیں دیکھ کے رنگ آ ہی کیا
ہم ترے معتقد اے جذبہُ دل کیونکہ نہ ہوں
جو سدا آنے میں کرتا تھا درنگ آ ہی کیا

ہے ادھر سے نگرِ قنبر ادھر سے نالے
 درمیاں معرکہ تیر و تفنگ آ ہی گیا
 جوں نگین گھر میں قدم گاڑ کے بیٹھے تھے نصیر
 شہرتِ نام سے لیکن ہیں ننگ آ ہی گیا

۲۰۴

صفحہ خورشیدِ تاباں فردِ باطل ہوئے گا
 چہرہ روشن سے تیرے جب مقابل ہوئے گا
 جنبشِ سبزہ کفِ افسوس کی صورت ہے دیکھ
 مزرعہ دلیا سے دہقان خاک حاصل ہوئے گا
 دستِ طفلان سے کدھر کو جائے دیوانہ ترا
 ہر رگِ تنکِ ملامت پاں سلاسل ہوئے گا
 بیضہ بستی سے باہر رکھ قدم الہی حباب
 موج آسا ہال زن جب سوئے ساحل ہوئے گا
 دردِ سر کو قیس کے تعویذ کیا درکار ہے
 کوئی صحرا ہی میں نقشِ بائے محمل ہوئے گا
 غنچہ نشگفتہ کو جا کر شکفتہ کر صبا
 قہجہ سے واشد صرصری کب عقدہ دل ہوئے گا
 رہنما انگشت ہے خارِ بیابانِ وفا
 آب چشمِ آبلہ قطعِ منازل ہوئے گا
 ہے گلے میں گلبدن کے ہار بھولوں کا نصیر
 یہ مرا دستِ شکستہ اب حائل ہوئے گا

اشعار

ڈوبے ہے میرے دبدبہ 'پریم کے شور سے
 قلزم ہوا ، ہرات ہوا ، انبر تر ہوا
 ان میں سے میرے در پئے آزار ہے ہر ایک
 ناصح ہوا ، رقیب ہوا ، چارہ گر ہوا

(رضا)

لردیات

دل آس کے خندہ دندان کے مول بکا
 ہزار شکر کہ یہ سوتیوں کی قول بکا

شب دیکھ کہکشاں کو جی میں خیال آیا
 کیا کاسہ" فلک میں افسوس بال آیا

جوں اشک زمیں پر ہیں کہ منزل پہ پہنچ کر
 جوں قافلہ" ریک روان آٹھ نہیں سکتا

باز آ کہیں اب سگِ نفسی سے نفسِ شوم
گھر میں مرے رحمت کا فرشتہ نہیں آتا

دل ہے اس زلفِ عرقِ انشاں میں اپنی مات کا
کیا کوئی اس کو ہنساوے جو ہو رقی رات کا

☆ ☆ ☆

ردیف ب

۱

سینہ لپٹے ہی چلا ساقی! کلفام! شراب
 آب ہے، کفری ہے آتش کا ولے کام شراب
 دے لگا کر مجھے ہونٹوں سے دل آرام شراب
 تا یہ سمجھوں میں کہ ہے ہوسہ یہ پیغام شراب
 مجھ کو بارش سے چمن میں نہیں کچھ کام شراب
 تو ہی بارش ہے گر آئٹوں میں ترا لام شراب
 طائر رنگ رخسار کو رکھتا ہے اسیر
 قصد پرواز آئے کیا ہو کہ ہے دام شراب
 شور مے خانے میں اس بات کا کل برہا تھا
 ہم دسو آس نے جو پی صبح سے تا شام شراب
 آفتاب اس میں آتارا ہے فلک سے تو نے
 با ہے شیشے میں ترے یار مے آشام شراب
 ساقیا! منہ سے خم بادہ لگا دے میرے
 لاقی کم ظرف کو ہے بر سر دشنام شراب
 ایک ہی جرعه نے تیرے مجھے مدمہوش کیا
 دیکھیے کیا ہو اس آغاز کا انجام شراب

اس سے تو عالمِ مستی میں نہ ڈر ، سائب نہیں
 موج زن ہے یہ بگردابِ بطِ جامِ شراب
 زخمِ گل سوزنِ مژگان سے نہ سی بلیل ابھی
 پہلے تو اس کو ہلا عاشقِ لاکامِ شراب
 واعظا ! ہند و نصیحت یہ نہ کر دیکھ مدام
 دائم الخمر نہ ہو کرتی ہے بدنامِ شراب
 کعبہ رخ کا طواف اس کے نہ کیونکر ہو نصیب
 بیتے ہیں عشق کی ہم باندہ کے احرامِ شراب
 گرد لب سیرۂ خط رہنے دے کیفیت ہے
 ہنک آمیختہ ہے یارِ گلِ الدامِ شراب
 چشمِ میگونِ بناں آئے ہے جب یاد مجھے
 بھر کے پیتا ہوں یہ جامِ گلِ بادمِ شراب
 زاہدا ! غفورِ جرایم کی خدا سے ہے امید
 ناک کر کیوں نہ پشیں گوشہ آرامِ شراب
 اس نے بوسے لبِ میکوں کے دے وعدے ہر
 مژدہ اے ہادہ کشاں بکنے لگی وامِ شراب
 چشمِ بر آبِ ربوں کیوں کہ نہ سالھر کی طرح
 نہنے دیتی ہی نہیں گردشِ ایامِ شراب
 شورِ عالم میں نہ کیوں ہو زنج و لب کا آئے
 یہ نمکدانِ گزک ، وہ بتِ خود کامِ شراب
 کیوں دماغ اس کا فلک ہر نہ ہو پیتا ہے وہ شوخ
 جامِ خورشید میں ساقی یہ لبِ بامِ شراب
 قاضیِ شہر ابھی پی جائے مثل ہے مشہور
 مفت ہاتھ آئے اگر بے درم و دامِ شراب

نظم

فردِ خشتِ درِ مے خاقانہ بہ ساقِ نامہ
 دل میں آتا ہے کروں تجھ سے میں ارقامِ شراب
 خطِ ساغر کی طرح تاکہ پس از مردن بھی
 رہے اس دورِ حریفان میں مرا نامِ شراب
 حق میں میرے دلِ دیوانہ کے تو ہے زنجیر
 کام یہ کرتی ہے اے زلفِ سیہ قامِ شراب
 چشمِ غمور کسی شخص کی دیکھی ہے نصیر
 کیوں کہ نرگس کی نہ کھینچوں سحر و شامِ شراب

۲

ہم نہیں بجنوں جو ہو بتائیں ہاموں نصیب
 یہ زمیں کا تابنا تجھ کو ہی ہو گردوں نصیب
 گل کی کیا تقصیر ہے جو ساقِ روزِ ازل
 جامِ صہبا کے عوض ہے ساغرِ پُر خون نصیب
 سرو کے سر پر قیامت کس روش برپا نہ ہو
 راستی ہے جب تجھے ہو یہ قدِ موزوں نصیب
 ہے مے ابرِ مژہ کے دل سے تو اکرا ہوا
 گو چڑھاتے ہیں تجھے اک ہل میں اے جیہوں نصیب
 بعدِ مردن بھی ہوا باندھے ہے تیری گردباد
 خوش نصیبی کیا کہوں یہ بھی ترے بجنوں نصیب
 کڑ گیا زیرِ زمیں آخر تو جس کے بار سے
 ہو نہ تیری سی کسی کو دولت اے قاروں نصیب

باغ میں رکھتا نہیں لالہ ہی کچھ یہ آرزو
 یعنی ہو اُس لب سے جامِ بادۂ گلگوں نصیب
 چشم رکھتی ہے جی لوگس کہ ہو کاش اے صبا
 چشمِ جادو گر سے اُس کی سیکھنا افسوں نصیب
 خاک ایسی تمکنت پر منہ سے جو لکھے نہ بات
 اپنے کس ہنہر سے ہووڑے اے دلِ محزون نصیب
 اس زمین میں لکھ غزل اک اور بھی ایسی نصیب
 خوب چلتا ہے کسبتِ خامہ واژوں نصیب

۳

کس کو ہے اس دور میں ساقی مٹے گلگوں نصیب
 اور جو ہے بھی تو جامِ دیدۂ ہر خوں نصیب
 کیا ہوا گر لب ہیں تیرے غیرتِ لعلِ یمن
 یاں بھی چشمِ تر کی دولت ہیں درِ مکتوں نصیب
 بادہ جو افیون کی پہنچوں میں کیفیت کے ساتھ (کذا)
 گر ہو تیرا بوسہ خالِ لب سے گون نصیب
 جوں نکلیں پیدا کریں گے صفحہ کئی یہ نام
 ہو گئے سیدھے ہمارے گر کبھو واژوں نصیب
 شمع کیا روشن ہو تجھ سے ہے ازل سے رشکِ سہر
 اُس کو چلتا اور تجھ کو حسنِ روزِ افزوں نصیب
 وہ کہاں ابرو کشیدہ آہ جو ہونے لگا
 پھر گئے شاید ہمارے اے دلِ محزون نصیب
 باغ میں کس منہ سے ہو تیرے دہن کے سامنے
 غنچہ لالہ کو کھاتی کیوں نہ ہو افیون نصیب

قطعہ

کیا ہوا گر تجھ کو عجز و تمکنت کے ساتھ ہے
 لشکرِ طفلان سے سیرِ دامنِ ہاسوں نصیب
 اپنی وحشت کا تماشا ہم بھی دکھلا دیں گے پھر
 گر کسی لپائی منش سے لڑ گئے مجنوں نصیب
 لکھ غزل ، پھر اور بدل کر قافیے کو بھی نصیب
 پھر مضمون سے ہوں تجھ کو گوہرِ مضمون نصیب
 کیوں نہ ہو ہر شعر تیرا سلکِ گوہر اے نصیب
 پھر معنی سے ہے تجھ کو گوہرِ مضمون نصیب

۴

ہو نہ اس دور میں منت کشر گردابِ حباب
 ہے ترا عقدہ کشا اور سرِ آبِ حباب
 توشہٴ راہِ عدم کی نہ کر اتنی تدبیر
 آب و دانہ کا ترے ساتھ ہے اسبابِ حباب
 کلسہٴ سر کو ترے دم میں فلک توڑ گیا
 کیوں ابھرتا ہے تو جوں رستم و سہرابِ حباب
 گرم اشکوں کی مرے دبکھنا باروِ تاثیر
 ہیں بھبھولے ، یہ نہیں روکشیِ سیلابِ حباب
 دم کی اس آمد و شد کا ہے بھروسہ کس کو
 اپنی ہستی کو سمجھتا ہے چاں خوابِ حباب
 ٹک مرے دیدہ تر سے جو کرے ہم چشمی
 طرفۃ العین میں خجالت سے ہو غرقابِ حباب

ساقیا دیکھ تو کیا عالمِ کیفیت ہے
 جامِ گرداب ہے ، میٹھے مٹے نابِ حباب
 ہلک تھی ہوش ہے ایسا کہ نہیں رکھتا ہے
 خواہشِ پیرہنِ قائم و منجابِ حباب
 غور سے ہم نے جو دیکھا تو سدا دریا میں
 روکشی کی نہیں رکھتا ہے ذرا تابِ حباب
 چشمِ اختر سے گیا صاف لڑانے آنکھیں
 تیرے جلوے سے شب اے غیرتِ مہتابِ حباب
 یوں ہیں ہانی پہ یہ موتِ نری چوداقی کے
 جلوہ گر ہوتے ہیں جیسے سرِ گردابِ حباب
 آشنائی تجھے دریائے سخن سے ہے نصیر
 لکھ کے پڑھ اور غزل ہیں نہیں کم یابِ حباب

۵

گر کبھی دیکھے ہمارا دلِ بیتابِ حباب
 بن کے اڑ جائے کہیں قطرۂ سیابِ حباب
 آنکھ در پردہ لگی ہے جو کسی مہوش سے
 خاک پھر دامنِ ساحل میں کرے خوابِ حباب
 چشمِ دل وا ہے جنہوں کی وہ بجا کہتے ہیں
 تارِ ہر موج پہ ہے صورتِ مضربِ حباب
 ہم نے اس بات کو اثبات کیا موج سے یوں
 دمِ پدم ذکرِ نفی میں ہے یہ مہرابِ حباب

خمر ابرو ہے غضب ، تہر ہے وہ گردشِ چشم
 کائناتِ موج لکے ، لا نہ سکے تابِ حباب
 مردمان کیا کہوں جو دیدہ تر کو میرے
 سطر پر موج پہ لکھتا ہے یہ القابِ حباب
 گر یہ طغیانی پہ آوے جو شبِ ہجر مرا
 بارو ہالہ بنے گرداب تو مہتابِ حباب
 خون مضمون کرے لاکھ طرح سے لیکن
 تو بھی اس رنگ سے بٹھلانے نہ تصابِ حباب
 ساقیا ! جلد پہنچ شیشہ دارو لے کر
 صرف رکھتا ہیں نہیں اشک کا اسبابِ حباب
 موج کرف ہے یہ بل اپنی زرہ پوشی پر
 سر پہ رکھ خود کو بھرتا ہے سر آبِ حباب
 تیسری بھی غزل اس بحر میں لکھ جلد نصیر
 جا سکیں قلمز معنی سے نہ نایابِ حباب

۶

لا سکے تیر لکھ کی تری کیا تابِ حباب
 بیہشک دے اپنی سپر دم میں سر آبِ حباب
 دیکھ کر تکمہ الہاس گریباں تیرا
 ہو کیا شرم سے گرداب میں غرقابِ حباب
 غل چکر میں نہ کیوں دیکھ کے ہو عاشق کی
 ہیں کُچیں یا کہ ہیں یہ صاف بہ گردابِ حباب
 چوم کر سر کو لگا اپنے تو اس کو نک دیکھ
 تیغ ہے موج نہ پاؤں کے تلے تابِ حباب

یہ بھی عاشق ہے کسی پر جو دل اُس کا ہے گداز
 چشم رکھتا ہے سدا دیکھ تو 'ہر آبِ حباب'
 اس کو تو گیند سمجھ ہاتھ نہ دوڑا اے موج
 کفرِ دریا یہ ہے یہ بیضہ سرخابِ حباب
 دیکھ اشکوں کو مری چشم میں وہ کہتا ہے
 چشمِ بد دور ہیں کیا رونقِ قلابِ حباب
 کوئی دم سیر کر اے ماہِ لقا دریا کی
 شبِ مہتاب میں رکھتا ہے عجب تابِ حباب
 بیچوان موجِ بنی ہے تری خاطر لیچہ
 اور 'حقم' بھی ہے شیشے کا سرِ آبِ حباب
 بات پانی ہے یہ مشکل، کوئی کیا سمجھے نصیر
 زندگی ایسی ہے جس طرح سرِ آبِ حباب
 عالمِ آب ہے عالمِ ترے گرے سے نصیر
 بحر ہے اشکِ رواں دیدہ پر آبِ حباب

۷

بیرونِ چشم دیکھے جو اس دل کا اضطراب
 بھولے تو ماہی لبِ ساحل کا اضطراب
 پہنچا کب اُس کو طائرِ بسمل کا اضطراب
 استادِ برق ہے یہ مرے دل کا اضطراب
 اُڑ جائیں مرغِ قبلہ نما کے بھی سن کے ہوش
 کیجیے اگر ایانِ ترے مائل کا اضطراب
 صد چاک کیوں نہ دیکھ کے ہو سینہٴ قفس
 صیادِ بہر گل ہے عنادل کا اضطراب

موج صبا کہاں ہے یہ لصلِ چار میں
 مجنوں کے واسطے ہے سلاسل کا اضطراب
 بھڑکے ہے صبحِ شام ہٹے قتلِ عاشقان
 بے وجہ کب ہے دہدہ قاتل کا اضطراب
 کھاتا نہیں ہوا ہے لیلیٰ یہ بیچ و تاب
 ہے چہرِ قیس پردہِ محمل کا اضطراب
 گرداب میں قرار ہو اے مردمان کسے
 گردش سے چشم کی ہے عیاں تل کا اضطراب
 وہ جنبشِ مژہ ہے رکِ جان یہ اس طرح
 جونِ تارِ چنگ پر ہو انامل کا اضطراب
 منہ دیکھ سہو قد کا یہ گرداب آب جو
 دکھلایا ہالہٴ میرِ کامل کا اضطراب
 اب بھی سوالِ بوسہ نہ مانو تو حیف ہے
 جنبش سے ہے عیاں لبِ سائل کا اضطراب
 آس کے حضور جنبشِ سیلاب گرد ہے
 تجھ سے نصیر کیا کہوں میں دل کا اضطراب

۸

چینِ ابرو کے نہ آس عکس سے زنجیر ہو آب
 موجِ زن بھر میں جونِ جوہر شمشیر ہو آب
 کس طرح لکھے شناور کوئی گرداب سے آہ
 چپ کہ مانند گریبان کے کلوگیر ہو آب

مردمان کیا ہے خطر گرے کی طغیانی سے
 خانہ چشم کی جب پانی بہ تعبیر ہو ، آب
 چہرہ یار کے گر عکس کی پڑ جائے جھلک
 منہل ہو پس آئینہ بھی تصویر ہو آب
 پسری کا کرے گر ابر سے دعویٰ دریا
 کیوں نہ بہر برے ہوا پر وہیں جون تیر ہو آب
 ہم گردن زنی عشق میں کیا چاہیے اب
 زہر شمع عجب ہے نہ گل گیر ہو آب
 سے لکے اپنے سے تو سینہ ہے کباب اے ساق
 آتش سوختہ کی کیوں کہ نہ تاثیر ہو آب
 گنبد چرخ ہو بر روئے زمیں مثل حباب
 گرچہ طغیانی گرہ سے جہاں گیر ہو آب
 دیکھ حسن نمکیں یار کا ایسا ہے نصیر
 شرم سے صورت معشوقہ کشمیر ہو آب

۹

اشک ہوں کیوں نہ روان آہ دل زار شتاب
 یعنی منزل کو پہنچتا ہے سبکسار شتاب
 غیر وحشت بہ نہیں چاک گریبان بلبل
 لک رگ گل بہ لگا نشتر منقار شتاب
 حرف انکار سے تو روز یہ لب ملتے ہیں
 کلبے گردن بھی ہلا پر سر اقرار شتاب
 وان تو عارض بہ کھلی زلف سید قام ، بہاں
 چھا گیا ابر مرے منہ بہ دھواں دار شتاب

لیج ایرو کو تری دیکھ وہ مطلع سوچھا
 کٹ گیا پڑھ کے ہلالی جسے اک بار شتاب
 پھر بندھا مجھ سے جو مضمون ریاضِ گردن
 سنتے ہی لوٹ گیا قاسمِ انوارِ شتاب
 آہ بے وجہ رکے ہے قرعے سینے میں نصیر
 کاش مٹ جائے یہ دل سے خلشِ خارِ شتاب

۱۰

ظاہرِ وحشت نہیں اے خضرِ مانوسِ حباب
 موجِ دریا جوں سلاسل کیوں ہے ماہوسِ حباب
 بختِ واڑوں سے نہ ہم نے اُس کو دیکھا سربلند
 تاجِ شاہی بن گیا ہے جامِ معکوسِ حباب
 تم نے کیا صورت دکھائی اے بتاں ہنگامِ قتل
 شورِ دریا ہے کہاں ہے بانگِ ناقوسِ حباب
 بحرِ ہستی میں نہ ابھرو اس قدر اے غافلوا!
 دم میں ہو جاتی ہوا ہے جانِ ماہوسِ حباب
 اُس کی عمرِ پرہیز کی لٹکیاں کیا سبز ہیں
 عکسِ جن کا چشمِ عاشق میں (ہے) طاؤسِ حباب
 قصدِ ہم چشمی جو اُس کو تھا تمھاری چشم سے
 اس لیے بھوڑے ہے دریا چشمِ منحوسِ حباب
 تنگ ظریفِ موجبِ شہرت بھلا ہو کس طرح
 آج تک جتنے سنا ہے کس نے یہ کوسِ حباب
 یار کے رخ کا تصور چشم میں رکھتا ہوں میں
 مردمان بے اُس کے کب ہے شعرِ فالوسِ حباب

موج دریا میں کہاں ظالم ترے ہستان کو دیکھ
 سینہ دریا پہ ہے یہ دستِ الموسِ حباب
 کیونکہ محتاجِ کفنِ اہلِ فنا ہوں اے نصیر
 عاقبت جاتا ہے دم کے ساتھ ملیوسِ حباب

۱۱

ہاتھ تک اس کے ہے گو دسترسِ جامِ شراب
 جب ملے لب سے تو لکھے ہوسِ جامِ شراب
 کوچ اس دور میں ہے فافلہ رندان کا
 قلقلِ شیشہ ہے بالکِ جرسِ جامِ شراب
 صحبتِ آہل و داغرِ جگر کیونکہ نہ ہو
 کوئی جز شیشہ نہیں ہم نفسِ جامِ شراب
 حلقہ دور سے کیوں کر نہ لگاوے کاوے
 دیکھ تو ہے کفِ ساقِ فرسِ جامِ شراب
 بادۂ عشق سے لہریز ہے بانِ ساغرِ دل
 تو سو بیدا کو کہے ہے مگسِ جامِ شراب
 ساتیا یوں ہیں ہم دل سے مرے تبخالے
 جیسے شیشے ہوں دھڑے ہش و بسِ جامِ شراب
 مڑے سے ہے تری کیفیتِ چشمِ میگوں
 ورنہ لکھے ہیں برے خار و خسِ جامِ شراب
 ہوسہ لب تو لیا خط کا بھی اک ہوسہ دے
 خواہشِ بنگ بھی ہے مجھ کو پسِ جامِ شراب

آشتابی کہ نہیں مے سے یہ ظالم لبریز
 بن کرے لب یہ یہاں ہے نفسِ جامِ شراب
 طائرِ معنی و مضمون نہ لگا ہاتھ نصیر
 اس لیے ہم نے نہ باندھا نفسِ جامِ شراب

۱۲

ہو نہ کس وجہ ترا حسن خط و خال سے خوب
 زیبِ طاؤسِ چمن ہووے پرو بال سے خوب
 یک قلم کبکِ دری نے بھی بہ اندازِ دگر
 مشقِ رفتارِ آڑاں ہے تری چال سے خوب
 جی کو اپنے دل پر داغ سے پھلاتا ہوں
 یہ کبوتر مجھے لگتا ہے گلے خال سے خوب
 لنگِ چشمی ہے یہ منعم سببِ گردشِ آہ
 ہم نے دیکھا جویاں دیدہ غربال سے خوب
 دل کو ہے بوسہ خال لبِ شیریں کی ہوس
 یعنی ہوتے ہیں مزے میں شکری فالسے خوب
 تیغِ ابرو سے مقابل ہے کہاں داغِ جگر
 چوٹِ عاشق نے ترے روکی ہے کیا ڈھال سے خوب
 حسن بے پردہ کی قیمت نہیں جز شوخیِ چشم
 جنسِ بازار میں بکتی ہے تو دلال سے خوب
 مقصدِ دل ہے ہر آیا الف بینی دیکھ (کذا)
 خوش ہوئے مصحفِ رو کے ترے ہم خال سے خوب

چاہیے ہے مجھے گر لکڑی مکانات نصیر
واقف اس اپنے ہو تو نامہ اعمال سے خوب

۱۳

تارِ زلفِ آس کے نہ کیوں چہرے پہ ہل کھائے قریب
دولتِ حسنِ خدا داد کو جب ہائے قریب
جب کہ حقِ آپ کو شہِ رگ سے بھی فرمائے قریب
پھر وہ اندھا ہے یہاں جو نہ آئے قریب
پے بہ پے تیر جو اس دل کے کوئی کھائے قریب
اے کہاں دارا ترے کیوں نہ وہ چلائے قریب
دوریں پہنچے ہے چشمِ دلِ آگاہ کو کیا
ہار سو کوس پہ گر ہو تو نظر آئے قریب
جس کو جوں نقشِ قدم خواہشِ بابوسی ہو
رفتہ رفتہ وہ کرے ہاؤں کے جم جائے قریب
اے دلِ آس سے یہ نہیں دور کہ ہکانے کو
گھر بھی گر دور ہو اس کا تو وہ بنلانے قریب
گرچہ تھا کوہِ وہ اے کاہِ رہا جوں ہر کاہ
کششِ دل سے آئے کھینچ کے ہم لائے قریب
خالِ ابرو جو قرا شام کو دیکھے اختر
تو چمک اپنی میرِ نو کے نہ دکھلائے قریب
کارِ پروانہ مگس سے کہیں ہو سکتا ہے
آس کا کیا منہ ہے جو یہ شمع کے شب جائے قریب

افربا رکھنے ہیں سب اس کے خواصِ غریب
 پاس ان کا ہے مجھے کیونکہ وہ بٹھلانے قریب
 تب ملاقات کا نقشہ ہے جو میری تصویر
 اس کی تصویر کے بارو کوئی کھجوائے قریب
 ایک صورت کے ہیں دو حرف قریب اور قریب
 کوئی لکھ رہے ہیں آئے بیٹھ کے سمجھائے قریب
 مرغِ دانا ہی قریب آ کے سدا کھاتا ہے
 دانے صیاد یہ کیوں دام کے پھیلانے قریب
 قرب اپنا نظرِ غیر میں ہو خاکِ نصیر
 بار آنے نہیں دیتا ہمیں اے والے قریب

۱۲

ساقِ بنا شراب کو آتش کہوں کہ آب
 حیران ہوں آفتاب کو آتش کہوں کہ آب
 ہیں اس میں اشک و لختِ جگر، لالہ و شرر
 میں دیدہ پُر آب کو آتش کہوں کہ آب
 وہ بحرِ حسنِ ابدہ دل کو میرے دیکھ
 کہتا ہے اس حباب کو آتش کہوں کہ آب
 جلتا ہے کوئی اور کوئی غرق ہے نصیر
 گردوں کے انقلاب کو آتش کہوں کہ آب

رخ ہے وہ آٹھا زلف دکھاوے شبِ مہتاب
 یا رب شبِ تاریک میں آوے شبِ مہتاب
 سرِ رشتہ الفت نہ رکھ اس رشکِ نعر ہے
 ٹکڑے نہ کتاں تیرے آڑا وے شبِ مہتاب
 اے ساقِ کفام جو تو ہو تو چمن میں
 پھر اخگرِ گل پر نہ لٹاوے شبِ مہتاب
 رشکِ گلِ مہتاب جو گلشن میں تو آوے
 چادر یہ سفید اپنی بچھاوے شبِ مہتاب
 گو سامنے آوے ترے اے غیرتِ خورشید
 کوڑھی کی طرح منہ کو چھپاوے شبِ مہتاب
 شہسے کا وہ حقہ تو نکال اب کہیں نہ دوش
 لا اینڈوی ہالے کی بناوے شبِ مہتاب
 دکھلا دے نصیر اب وہ اگر جلوۂ قامت
 اک شورِ نیامت یہ الٹاوے شبِ مہتاب

غمِ سرکش وہ زلفِ یار ہے اب
 ہر طرف دل کو مار مار ہے اب
 رشکِ گلِ دستہ جس کو کہتے ہیں
 سو مرا دستِ داغدار ہے اب

کھیل ڈھٹ بند کا ہے یا داؤ
 چشمِ سوزن میں دیکھو تار ہے اب
 ساغرِ لعل میں جڑے ہیں گہر
 گل سے شبنم نہ ہم کنار ہے اب
 طرفۃ العین کا یہ وقفہ ہے
 زلذکائی حجاب وار ہے اب
 آمدِ خط سے کھل گیا عقدہ
 دل میں آئینے کے غبار ہے اب
 کس کے شاہینِ چشمِ میگوں کا
 طائرِ دل مرا شکار ہے اب
 ہے سر کار نوح کا طوفان
 لوکِ مژگاں جو اشک بار ہے اب
 چشمِ وا ہے مثالِ حلقہٴ در
 کس کے آنے کا انتظار ہے اب
 موسمِ گل ہے حرفِ ترکِ خزاں
 نعرہ زن ہر طرف ہزار ہے اب

قطعہ

بتِ گلِ بیرہن ہے زبِ کنار
 سایا ! موسمِ بہار ہے اب
 بد بلا ہے فراقِ لالہ عذار
 اشک میرے گلے کا بار ہے اب

دل ہے پہلو میں دشمنِ جانی
 کوئی اپنا نہ دوستدار ہے اب
 حیف ہے اس پتنگ کے ناحق
 شمعِ محفل بھی شکلِ دار ہے اب
 سرِ مڑکن پہ دیکھنا مردم !
 اشک کیا طفلِ نے سوار ہے اب
 داغِ سینہ ہے سین داغوں میں
 کہ جگر جس کا پیشِ کار ہے اب
 نالہ ڈلکے کی چوٹ کہتا ہے
 کوئی بچہ ما نہ شہسوار ہے اب
 شعلہٴ دل بھی میرِ آتش ہے
 آہِ سوزاں جو بانِ دار ہے اب
 دولتِ عشق سے نصیر کے ساتھ
 یعنی کیشوں کا کاروبار ہے اب

۱۷

تک کان دھر کے سن لے بہاری صدا گلاب
 بالدی ہے تو بہار تری اور صدا گلاب (کذا)
 اپنی بلا سے فتنہٴ نرگس اگر کھیلا
 اک یوں چمن میں ہم بھی ترے آشنا گلاب
 یہ رنگ و بو تو آج کسی گل میں بھی نہیں
 بوٹا سا قد یہ دیکھو قیامت ہے کیا گلاب
 غونِ جگر ہے گلِ اورنگِ رشک سے
 دیکھے جو تیری نقدِ انکشتِ پا گلاب

اتنا تو بد دماغ نہ ہو ورنہ بھول بیٹھ
 بولیں گے تجھ سے بھر نہ کہہو ہم بھلا گلاب
 گریاں ہرنگِ ابرِ پہاڑی ہوں دیکھ کر
 ہنستا ہے اس روش سے تو اب کھلکھلا گلاب
 لرکس میں شاخ کیا ہے جو ہم چشمِ تجھ سے ہو
 رکھتی ہے یک قلم تو یہ طرزِ ادا گلاب
 ابر و ہوا و مطرب و مینا و بادہ ہے
 ساغر تو اپنے ہاتھ سے بھر کر پلا گلاب
 بولا طیب دیکھ مری لبّس کو نصیر
 اس دردِ دل کی تیرے لکھی ہے دوا گلاب

۱۸

ہے گرہ میں اپنی زر رکھتا ہر اے عندلیب
 کیوں نہ دے یک مشت غنچہ خون چاہے عندلیب
 ہے فقس تن کا یہ آباد اپنے دم سے ، ورنہ پھر
 آشیانِ سونا ہے اور خالی ہے جاے عندلیب
 چھپھا کر یہ سمرے ، وہ یوں جلے درِ عینِ وصل
 آفریں ہروانہ ! رحمت پر وفاے عندلیب !
 ہم نے دیکھا تجھ بن اس گلشن کو بھی ماتم کدہ
 نالہ قمری سنا یا ہاے ہاے عندلیب
 قطعہ

عاشق و معشوق میں یہ چاہیے الفت نصیر
 یوں تو دیکھے ہیں ہزاروں ہر ورانے عندلیب (کذا)

کل خزاں میں ماجراے طوفان دیکھا ، باغ میں
ہائے کل بلبل بڑی اور کل ہائے عندلیب

۱۹

خوش نہیں آتی ترے آگے صدائے عندلیب
پڑھ کہیں اب تو ہی شعر اپنے بجائے عندلیب
کج جو مت برہم صبا سیارۂ کل کے ورق
قاعدہ دان کون ہے ان کا سوائے عندلیب
داغ سینے میں مرے باقی رہا ، دل اڑ گیا
آشیاں میں زاغ رہتا ہے بجائے عندلیب
باغ زندان ہے جو قمری کے گلے میں طوق ہے
اور رگِ کل ہے لہٹ زنجیرِ ہائے عندلیب
تُو نے اے بادِ صبا ایسی لکائی اب نہیں
آتشِ کل تیز ہے کیوں کر بجھائے عندلیب
کار بستہ آن میں ہوتے ہیں جس سے وا ہزار
جلوہ گر ہے صد روش سے اک ادائے عندلیب
باغ میں کس کلبدن کی ہوئے عصمت سے نسیم
چاک ہے پیراہنِ کل اور قبائے عندلیب
بھول بھولے ہیں چمن میں کیا ہزاروں رنگ سے
برکِ گل ناخن ہے ہاں عقدہ کشائے عندلیب
ہے طراوت بخش اس کو خشک ہو جس کا دماغ
کان دھر کر جب سنے ہے کل صدائے عندلیب

قطرہ

روغنِ گل دے ہیں دردِ گوش کو سن اے نصیر
 ہر دفعِ گفتِ دل یہ ہے صدائے عندلیب
 قطرہ شبنم نہیں لایا چھڑک کر باغبان
 جام میں گل کے طباشیر از براۓ عندلیب

۲۰

کہہ کے اُس شوخ نے یہ کھول دیے باتِ شباب
 طائرِ رنگِ حنا اڑ گیا ہیاتِ شباب
 ساغرِ مُل میں مٹے سرخ دے بھر کر ساق
 کہیں جاتا نہ رہے موسمِ برساتِ شباب
 دہنِ یار کا کیا ذکر چلا گلشنِ میں
 منہ سے غنچے کے نہ کچھ نکلی دلا باتِ شباب
 دیکھ کر اشک تھمے اس کو کہ جوں شبنم کے
 سامنے مہر کے اڑ جاتے ہیں قطراتِ شباب
 کیا کہا کان میں اُس زہرہ جیہی کے جو وہ
 آٹھ گیا رولہ کے چلو سے سرے راتِ شباب
 کھوج شانے سے جو ہوجھا میں سحر کو اس کا
 رکھ گیا مصحفِ رخ پر وہ وہیں باتِ شباب
 بے سبب کچھ نہیں بازو یہ بھڑکتا ہے نصیر
 آج اُس شوخ سے ہووے گی ملاقاتِ شباب

رات اس بت کا ہوا بوسہٴ رخسار نصیب
 جھوٹ بولوں تو خدا کا نہ ہو دیدار نصیب
 عشق آن کا ہے ، جنہیں اشکِ مسلسل سے سدا
 سلکِ عشاق میں ہے موتیوں کا ہار نصیب
 مر گئے عکسِ خطِ ہار کی الفت میں ، ولے
 زخمِ دل کو نہ ہوا مرہمِ زنگار نصیب
 آب و دائنہ کی خبر لے ہے قفس میں صیاد
 یہ بھی تیرے ہیں اب اے مرغِ گرفتار نصیب
 روسایوں کو نہیں ہے شبِ بہتا سے کام
 وصلِ مہوش ہوا بھی تا بہ شبِ تار نصیب
 کفر و اسلام میں رشتہ ہے ازل سے اے شیخ !
 تارِ تسبیح تجھے ہے ، مجھے زنار نصیب
 جانِ شیریں سرِ کہسار دی ارہاد نے آہ
 نہ ہوا ہر کفنِ دامنِ کہسار نصیب
 ترکِ چشم اپنے سے کہتا ہے وہ ابرو کو دیکھ
 ہاندھنی ہو تجھے دن رات یہ تلوار نصیب
 مرضِ عشق سے تک ہم کو بچانا یارب !
 ہو نہ دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نصیب
 سرِ برہنہ ہی سدا مہر کو دیکھا ہم نے
 نہ ہوئی دستِ فلک سے کبھو دستار نصیب
 چشمِ دل ہے کہ اُسے کحلِ بصر کیجئے نصیب
 ہو اگر خاکِ درِ حیدرِ کتار نصیب

بادہ و لب کو ترے کہتے ہیں ہم آتش و آب
 ساقیا ! رکھتے ہیں کیا ربطِ ہم آتش و آب
 دل و دہدہ کے کوئی بات سے اب جائے کدھر
 سر پہ لائے ہیں یہ طوفانِ ستم آتش و آب
 غصہ و مسہر ترے دل میں سے ہوں ہے سرزد
 جس طرح سنگ سے لیتے ہیں جنم آتش و آب
 یہ حنا اُس کے اگر دھوقی نہیں ہے پاؤں
 شعلہ رو کے سرے چومیں ہیں قدم آتش و آب
 آتش و آب میں رشتہ ہے جو ہنستی ہے شمع
 ورنہ پھر شمع کہاں جب ہوں عدم آتش و آب
 طالبِ حقہ تشنہ لبی سے ہو ہلاک
 کہ مسافر کو ملے جب کوئی دم آتش و آب
 جلنے اور ڈوبنے سے اُس کو نہیں ہے خطرہ
 چوبِ کشتی پہ اثر کرتے ہیں کم آتش و آب
 خال اُس آتشیں و خسار پہ ہے چشم کے پاس
 کیوں نہ ہو جسے کہ ہے ہندو کا دھرم آتش و آب
 آہ اور اشک نکلتے جو نہیں اب کہ کوئی
 مصحفِ رو کو ترے دیکھے ہم آتش و آب
 عارضِ گل پہ نہیں قطرۂ شبم یہ نصیر
 آج یک جا ہیں ترے سر کی قسم ! آتش و آب

پہلو میں شب کو ہو وہ بتِ شوخ و شنگ و خواب
 تو خوش لگے یہ بسترِ غفل کا رنگ و خواب
 تڑپے ہے دل بغل میں یہ ممکن نہیں ، کرے
 مانندِ مرغِ قبلہ نما جائے تنگ و خواب
 گو وصل بار سے ہو تو ہے لطفِ زندگی
 عاشق کو ورنہ ہجر میں کیسا ہلنگ و خواب
 بلتا نہیں صبا سے سحر مہرِ شاخِ گل
 کرتا ہے طفلِ لہجہ چمن میں شلنگ و خواب
 دن تو پیامِ صلح میں جوں توں کٹے ہے ہر
 ہے رات کو خیالِ بتِ خانہ جنگ و خواب
 نالے وہ کیسا سنے کسی شبِ زائدہ دار کے
 ہے جس کے گوش و چشم میں آوازِ چنگ و خواب
 آتی ہے نشہ منے گل گون میں مجھ کو لہند
 مشکل ہے یہ سواریِ اسپرِ سرنک و خواب
 زخمی تری نگاہ کا کس طرح سونے کا
 حیران ہوں میں کہ دردِ نگاہِ خدنگ و خواب
 ساقِ تصور آں کے جو خط کا ہے چشم میں
 کچھ ہم کو۔ وجہتا نہیں جز جامِ ہنگ و خواب
 مسند پہ بیٹھتے تھے جو تکیہ لگا کے آہ
 ہے فرشِ خاک پر تہِ سر آن کے سنگ و خواب
 دنیا مقامِ رنج ہے بیدار ہو نصیر
 غافل ذرا تو سوچ کہ قیدِ فرنگ و خواب

جگر میں شمع کے آتش ، ہے شمع در تیرِ آب
(ثانی)

نہ خط ہے زیرِ آب آس کے یہ سبزِ قلم دلا
لباس سبزِ خضر پر میں ہے ، خضر تیرِ آب
خطرے تیرے اے صیاد ! دیکھ دریا میں (کذا)
مگر کے سینے میں ہے خار ، ہے مگر تیرِ آب
غلط کہیں ہیں کہ جاری ہے صرف چشمہ کوہ
شر ہے سنگ میں ، ہے سنگ کر نظر تیرِ آب
مقامِ مردمِ دیدہ کو چشمِ تر میں ہے
کہ گھر میں صاحب خانہ رہے ، ہے گھر تیرِ آب
کہے ہے دیکھ کے صورت کو اپنی آنکھ میں
نمک ہے حسن میں اور حسن جلوہ گر تیرِ آب
نہیں یہ چمکے ہے عارضِ ترا عرقِ آلود
قمر میں نور چمکتا ہے ، اور قمر تیرِ آب
ہے لختِ دل مڑہ پر اور مڑہ ہے تر ز سرشک
نمِ شجر میں لکے ہیں ، یہ ہے شجر تیرِ آب
لصیر ہم میں وہ شامل ہے یوں اور اس میں ہم
گھر میں آب ہے جس طرح اور گھر تیرِ آب

ردیف پ

۱

بلا ہے ناوکِ مژگانِ نازنین کا سائب
 کہ سہتا ہے لیستان کی سرزمین کا سائب
 غضب ہے اس تری انکھا پہ گوکھرو کی لہر
 کہ پھر گیا مری چھاتی پہ پاسبین کا سائب
 عمل کیے ہیں خدا جانے شیخ کیا تو نے
 کہ حق میں تیرے ہر اک موہے ہوسٹیں کا سائب
 ڈھے نہ کیوں کہ یہ زلفِ بٹانِ ہند دلا
 کہ راہ زن ہے یہ بالشتیا ہیں کا سائب (کذا)
 بنا ہے عشق کے ہاتھوں یہ دل چراغِ طلسم
 لگے ہے تار ہر اک زلفِ مہ جبین کا سائب
 اجل نہ کیوں کہ ہو عاشق کی اب گریباں گیر
 بھرے ہے دل میں ترے چینِ آستیں کا سائب
 رکھے جو بوئے ریا اہنے دل میں کچھ درویش
 تو حق میں نقشِ حمیر اس کے ہو زمین کا سائب
 بجائے نالہ ہوئی اگر تو موجِ مرشد
 تو دل اپنے گا ان آنکھوں کی شہ نشیں کا سائب

کرے ہے افسیٰ گردوں پہ چوٹ اے ہمد
 سیاہ ہے سری آوِ دلِ حزین کا سانپ
 نصیر اور غزل لکھ کہ خالص دو زبان
 ضرور کانٹے کو منہ ہے لکتہ چیں کا سانپ

۲

ڈسے ہے اڑ کے کہاں زلفِ عنبریں کا سانپ
 مگر ہے موجِ نگہ چشمِ نازلیں کا سانپ
 ڈروں میں کیا کہ ہے ہانی کے سانپ کے مانند
 یہ تیرے جوہر شمشیرِ چشمِ کیں کا سانپ
 دہائی نامِ سلیاں کی وہ نہ کہوں مانے
 بندھا ہوا ہے سلیاں کی نگیں کا سانپ
 خیال میں نہ کر اس مالک کے تصور زلف
 دلا وہ اور ہے الفت کی سرزمین کا سانپ
 نہیں ہے ہالہ کہ مہتاب شبِ بمانشے کو
 گلے میں ڈالے یہ بھرتا ہے باسمیں کا سانپ
 پڑا لکیر کو پیٹ اب کہ ہاتھ سے تیرے
 نکل گیا ہے غرض جعدِ مہ جبین کا سانپ
 خیال و خواب میں سونے کے تیری چوڑی ہے
 لگے ہے رات کو ہیبتِ آستین کا سانپ
 نصیر تیسری بھی پڑا غزل کہ ہر مصرع
 زبانِ ملکِ سخن کے ہے سرزمین کا سانپ

لگے ہے جعد کو کب اس کی ہر کہیں کا سائب
 کہ ملکِ شام کی وہ دل ہے سرزمین کا سائب
 کھلائے کون بجز شائد اس کو ہاتھوں میں
 بری ہلا ہے دلا زلفِ مد جبین کا سائب
 زبانِ شعلہ صفت پیچ و تاب کھاتا ہے
 نکل کے دل سے مرے آہِ آستیں کا سائب
 نہیں بھرے ہے دلِ داغ دار میں میرے
 خیالِ کاگلِ بیجانِ نازلیں کا سائب
 مسی کی ہے ترے دائنوں میں کیا غضبِ تحریر
 کہ فیلوفر میں چھپا جا کے یاسمین کا سائب
 چراغِ چمائلے آتا ہے ہاں دوالی کا
 سوادِ ہند کی ہمد ہم سرزمین کا سائب
 زبان نکالے نہ کیوں کہکشاں سے عالم پر
 چاڑوا ہے یہ اس چرخِ چنبریں کا سائب
 نہ کاٹ کھائے کہیں ، اس سے شیخ کیجو حذر
 کہ راء زن ہے یہ دولت یہ اہلِ دیں کا سائب
 نصیر دیکھتے کیا ہو بقولِ سودا اب
 کہ موجِ اشک ہوں اپنی آستیں کا سائب

تم آئندہ بیٹھے ہوئے دیکھو ہو ادھر چپ
 حیرت سے ادھر ہم ہیں بائیں دگر چپ
 تقریر میں آتا نہیں کچھ رنگِ خموشی
 ہے غنچہ تصویر جو یاں آئے ہر چپ
 سوتا ہے انہی اے جرسِ محلِ لیلیٰ
 صحرا میں سرِ قیس یہ بس شور نہ کر ، چپ
 کیا جالیے کیا شمع شبستان یہ ہے روشن
 رکھتی ہے زبان ، تسپ ہے یہ خستہ جگر چپ
 ہے موسمِ برسات میں یہ وعدہ غروشاں
 کیوں کر دلِ نالان رہے (ہا) دہدہ تر چپ
 اک صورتِ اخلاص سے ہی فائدہ پڑا جا
 مت تربتِ عاشق یہ مری جان گزر چپ
 خالی ہے جو مضمونِ حقیقت سے سدا ہاں
 کب شکلِ ہم و زبر وہ رہتے ہیں بشر چپ (کذا)
 'ہر ہیں' 'در' معنی سے - و ان کی ہے یہ نوبت
 لب بستہ صدق کی سمٹ آتے ہیں نظر چپ
 غفل میں نصیر اس کی اہ کچھ ہوچھ کہ جون شمع
 سرگرمِ سخنِ شام کو ہوں ، وقتِ شعر چپ
 جوں خامہ قلم ہے یہ زبانِ سرِ تقریر
 ہے جائے سخن اس میں ہیں بیٹھوں ہوں اگر چپ

پھینک کر (برجھی) لگہ کی دل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 ماہی دریا نہیں ساحل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 نقشِ نورِ سہر ہے اختر جو اُس کے منہ چڑھے
 اس قدر دور آپ کو اک تل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 قابلِ صحبت کھارے اور ہیں بہات آپ
 ہاتھ کو میرے سرِ محفل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 دیکھو کوئے یار میں ست حضرتِ دل راہِ اشک
 انتظارِ قافلہ منزل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 خالہ تن میں مرے سہمی ہے جاں ابرو کہاں
 تیرے مڑگان دیکھ بھال اس دل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 ساراں ناقہ لیلٰی سے کیا کہتا ہے قیس
 آج ڈورے پردہ محفل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 کوئی دم دیا کی اُس کو اور کھانے دو ہوا
 تیغِ بسمِ اللہ کہہ بسمل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 نقشِ ہٹھلانا دلِ شیریں پہ تھا اے کوہ کن
 اُس کا نقشہ سنگ کی اس سل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 کوئی اُس کا ہو گریباں کیر پہ کہتا نہیں
 باغبان! دابان گل کو گل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ
 تم تو دانا ہو کہیں کیا اے نصیر اتنا یہ رخ
 مزرعہ دلیائے لاحاصل پہ کیوں کھینچے ہیں آپ

ردیف ت

۱

دکھے ہے جوں کل بازی جو راہ تیرے ہات
 کبھی لکھے ہے یہ دل میرے ، گاہ تیرے ہات
 کڑوں کی زور چمک سے ہیں واہ تیرے ہات
 نہ کیوں ہو ہالہ نشیں آج ماہ تیرے ہات
 جدا نہ دیدہ تر سے ہو آستیں یک ہل
 کہ آبرو کا ہے اس کی نباہ تیرے ہات
 سحر کو کھول کے خورشید چشم خواب آلود
 اٹھے ہے دیکھ کے اے رشک ماہ تیرے ہات
 بحال ناز سے کر یا کہ جور سے ہامال
 کہ سرگ و زیست ہے اپنی تو آہ تیرے ہات
 نہ چھوڑ مصحف رخ کو تو بے وضو شانہ
 قلم کرے گی وہ زلفِ سیاہ تیرے ہات
 خدا کے واسطے نک داد دے کہ جینے سے
 اٹھائے بھرتے ہیں سب داد خواہ تیرے ہات
 بھلا ہوا نہ گیا زلف کے تو کوچے میں
 جدا تھے شانے سے ورنہ ہنگام تیرے ہات

شب اس کی مانگ میں ظلمات کی دلا کر سیر
 لگے ہے روز کوئی شاہ راہ تیرے بات
 لکھے گا کیا کوئی ایسی غزل بھلا یکدست
 نصیر یعنی ہے یہ دست گاہ تیرے بات

۲

گہات چوری کی جولی تو نے اڑا ہاتھوں بات
 ہاندہ دے گا تجھے اے دزدِ حنا ہاتھوں بات
 تختِ دل لے کے روانِ اشک ہوا ہاتھوں بات
 خط اے ڈاک میں پہنچے ہے مرا ہاتھوں بات
 ساغرِ گل کو ہلک دے ہے چمن میں بلبل
 لیجو غنچے کی صراحی کو چھپا ہاتھوں بات
 شاہِ ساں اس دلِ صد چاک کو ہے ہاد بدست
 بار کی زلف سے سودا یہ بنا ہاتھوں بات
 قدرِ آئینہ نہیں خاک صفا کیشوں میں
 فردِ باطل ہو یہ بھرتا ہے سدا ہاتھوں بات
 دل سے ہم معتقدِ تیرے مغان ہیں اے شیخ
 بہتِ دستِ سیو کیجیے گا ہاتھوں بات
 کیا شہیدوں کا قرعے قل ہے چمن میں کہ نسیم
 لہکی سیمار گل کھولنے آ ہاتھوں بات
 گنجفی کا ہے ورقِ ہاسِ فلک کے خورشید
 اس سے بازی نہ کوئی جیت سکا ہاتھوں بات

دست گرداں نہیں (یہ) جنسِ گراں مایہ دل
 اس کا سودا کہیں ہو کیونکہ بھلا ہاتھوں ہات
 ہاتھ سے دستِ جنوں کے تو سدا ہم نے نصیر
 نہ گریبان کو بھات سیا ہاتھوں ہات

۳

کب اٹھاتا ہے وہ خوں سے عاشقِ بے دل کے ہات
 رشکِ شاخِ گل بنے ہیں پکِ قلم قاتل کے ہات
 دیکھ کر حالتِ مری سیاب کے اڑتے ہیں ہوش
 سخت ہے (جینی ہے) یارب اضطرابِ دل کے ہات
 چہرہ بردازی کرے آغاز یہ خط کی نمود
 آگہ ہو فردِ باطل اس سرِ کامل کے ہات
 خاک ہے اس دور میں کیفیتِ ساغر کشی
 آبرو ہے اپنی ساقِ ابر دریا دل کے ہات
 یعتِ دستِ مہو کیا کیجیے ہر مٹاں
 پک گئے ہیں ہم تو اب اس شاہدِ محفل کے ہات
 گر دکھا دیجیے کبھو طغیانیِ میلِ سرشک
 موجِ دریا بھول جائے مارا ہل ہل کے ہات
 بے تصور یار کے ہوں چشمِ لکٹی ہے نصیر
 کاسہ خالی ہو جیسے مردمِ سائل کے ہات

بندھا یہ اشکِ مسلسل کا تار ساری رات
 کہ مولیوں کا بتایا میں ہار ساری رات
 ہار خوب سرِ دست اے صبا سوئی
 حنا سے ہانده کے دستِ نگار ساری رات
 دیا لیا نہ کچھ آیا اس عشق میں آڑے
 جلا میں مثلِ چراغِ مزار ساری رات
 لغاں نہ کیونکہ کرے خال دیکھ زلف میں دل
 رہے ہے چور کے ڈر سے پکار ساری رات
 ترے شہیدوں کے مرقد پہ شمع رو رو کر
 پڑھا کی سورۃِ والیل بار ساری رات
 عجب بہارِ گلِ چاندنی ہے گلشن میں
 بغل میں 'کو ہو تو لوٹیں بہار ساری رات
 خیالِ خال ترا ہانده کر ہر اک اختر
 کنا کیا ہوں میں اے گلِ عذار ساری رات
 ہلک نہ دیدۂ محتابِ ماں لگے ہے نصیر
 رہا ہے اُس کا ہمیں انتظار ساری رات

اُس رشکِ گل کو دیکھ چمن میں سحرِ بہشت
 شبنم نہیں ، نثار کرے ہے گنہرِ بہشت
 'جوڑا پن کے زرد چمن میں سحرِ بہشت
 کیا شاخِ زعفران ہے انی سرسبز بہشت

ہولی تو اپنا رنگ دکھانے کی ، پر دلا !
 لائی ہے اک شگوفہ لیا بیشتر بہشت
 ایسا نہ ہو ، چمن میں ہو نرگس گلے کا پار
 ہنستی ہے تو صبا گلِ صد برگ پر بہشت
 خانہ خراب تو بھی تو تک جا کے در سے دیکھ
 بھرتی ہے جستجو میں تری در بدر بہشت
 سم پر ہلے ہے گردنِ طفلانِ شاخسار
 کاتا ہے جب چمن میں وہ مطرب ہنر بہشت
 دل ہائے عاشقان کو کرے کیوں نہ پائمال
 ہے گلِ رخاں کی رونقِ دستار سر بہشت
 اس زرد رو کی محو تماشا ہو کیوں نہ خلق
 اک تازہ گل کھلا ہے کہاں آن کر بہشت
 باغِ جہاں میں پھول نہ دو دن کے واسطے
 باندھے ہے شمعِ دوش پہ رختِ سفر بہشت
 گھر میں کرے ہے اس شہِ گل کے جو اہتمام
 اے عندلیب خواجہ سرا ہے مگر بہشت
 اے رشکِ ماہِ تیرے ہی کوٹھے پہ سیر ہے
 جاتا ہے دیکھنے کو سحر تو کدھر بہشت
 گڑوا بنا خطوطِ شعاعی سے مہر کا
 چرخِ کبود لایا ہے کیا طرفہ تر بہشت
 موجِ صبا بھی صورتِ زنجیر ہے نصیر
 کیا موسمِ بہار کی لائی خبر بہشت

مژدہ کل باغ میں اب دے ہے گو جا کر بست
 ہم اسیرانِ قفس کو کون دے لا کر بست
 زرد جوڑا پہن کر عالم کو زخمی کر دیا (کذا)
 رنگ ہولی کا بچایا اس نے دکھلا کر بست
 حیف عاشق ہی گلے کا ہو گیا اس کے نہ ہار
 طرہ دستارِ معشوقان ہوئی آ کر بست
 اس قدر مت بھول ، مانا ہے تو شاخِ زعفران
 ہنسنے ہنسنے تک ادھر ہی دیکھ تو آ کر بست
 جسمِ زار اپنا تو سب رشکِ ہر طاؤس ہے
 طرفہِ گلدستہ بنا ہوں میں بھی گل کھا کر بست
 اب کوئی ہولی سنا کر پہن بھی لے گا چھین
 شیخ کی دستار تو مطرب نے لی گا کر بست
 ہے بجا خدمتِ نظارت کی اگر لے باغ میں
 نام یان خواجہ سراؤں کا ما اب پا کر بست
 دیکھ اس بوٹے سے قد کو سرو بھی اب ہے غلام
 نو بہار اس کی کنیزک ، اور ہے چاکر بست
 کھیل گئی آنکھوں میں سرموں بھی نشے سے رنگ کے
 آج دیوانہ کیا ماتی نے دکھلا کر بست
 چاک ہر گل نے کیا گلشن میں پیراہن نصیر
 اس روش سے آئی اب انہی قبا وا کر بست

نہ رنگِ زرد ہے عاشق کے ہو دوچار ہست
جائے ہاتھ بہ سرسوں اگر ہزار ہست
گئے ہے آپ کو کیا شاخ زعفران دیکھو
شگوفہ اور ہی لائی ہے اب کی بار ہست

آتو کرے ہے بحر موجِ آب جوئے چمن
رکھے ہے تختہٴ رنگین جامہ وار ہست
ہلک لکے ہے نہ گلشن میں چشمِ فرکس کی
ہے یاں تلک تری آمد کا انتظار ہست

عجب ہے رنگِ قللمکارِ داسنِ صحرا
کہ ایک کل ہے یہ جس کا پُر از بہار ہست
چمن چمن ، اٹھے ہر بلبلِ غزلِ خواں ہے
بھرے ہے دوشِ صبا پر ہوئی سوار ہست

نہ کیونکہ لبوے عصا چویدار بن فرکس
کہ اہتمام شدہ گل کرے ہے بار ہست
جیا ہے باغ میں چنے اگر یہ خلعتِ زرد
رکھے ہے یعنی نظارت کا کاروبار ہست

عجب بہار ہے اے رشکِ گلِ گلستان میں
ترے شہید کی ہے رونقِ مزار ہست
لیے ہے دوش بہ اپنے ہر ایک گنچہ ہیں
کہ مل کے لائے ہیں اطفالِ شاخسار ہست

ہیں ہے کنجِ قفس آہ بیضہ فولاد
 بلا سے دے ہے اگر مژدہ بہارِ بخت
 نہیں ہے تارِ رگِ کل کہ گلے ہے ہلہل
 بجا کے لاشِ منقار سے متارِ بخت
 ہجومِ خلق ہے تو بھی پن کے جوڑا زرد
 خدا کے واسطے چل دیکھنے بہارِ بخت
 نصیر آہ جو ہوتی تھی آج سو ہولی
 لگے ہے یارِ بن آنکھوں میں اپنی خارِ بخت

۸

غیرِ شبیر سے رکھتی ہے رخِ زردِ بخت
 کیونکہ جبرے نہ کرے یادِ پُر دردِ بخت
 دیکھ کر باغِ نبوت کے خزاں دیدہ گل
 روقِ شبنم ہے تو بھرق ہے دمِ سردِ بخت
 مرقدِ شاہِ شہیداں یہ چڑھاتی ہے یہاں
 باغِ فردوس سے لا لا کے گلِ نوردِ بخت
 کربلا کے سرِ میدان نہ ہو کیوں خاکِ بسر
 اہلِ بیتِ لبوی دیکھ کے بے پردِ بخت
 شترِ خارِ الم سے چنرِ کیتی میں
 کرتی صد چاک ہے دل ہائے زن و مردِ بخت
 لالہ ہے داغِ بد دل آلِ نبیؐ کے غم میں
 تن کو اپنے نہ رکھے کیونکہ پُر از گردِ بخت

کرتی ہے عابدِ بیمار کا احوال رقم
 لیے کے لرگس کی قلم ، دل کی بنا دردِ بخت
 فتنہٴ دردِ چمنِ دہر میں ششدر ہو نہ کیوں
 سرِ شہیدوں کے لیے دیکھ کے جوں دردِ بخت
 سو ہر بشارتِ زینب پہ نظر کر اے وائے
 نخلِ ماتم شد و روئے (ہ) بختِ دردِ بخت
 سینہٴ کینہِ دروں پر ہے نکالے ناخن
 ماہِ نو دیکھ محرم کا جہاں گردِ بخت
 کھیت میں خنجرِ ہر نوک سے کرتی ہے نصیر
 چاکِ ہر اہلِ ستم کا دلِ پُر دردِ بخت

۹

عالم میں اُس کی کیوں نہ ہو مشہورِ پشتِ دست
 رکھتا ہے مثلِ آئینہٴ پُر نورِ پشتِ دست
 حسرت سے باغِ دہر میں ساقیِ ترے بغیر
 مارے ہے برگِ ریزیٰ انکورِ پشتِ دست
 ساقی کی مبرے دیکھو پہ مے خانے میں ادا
 سوتا ہے رکھ بہ دیدہٴ غمورِ پشتِ دست
 وابستہ جب کہ پا سے دلِ صورتِ حنا
 مارے نہ کیونکہ وہ بہ رخِ حورِ پشتِ دست
 مشتاق میں تو فندقِ انگشتِ ہار ہوں
 ہوگی کسی کی دیکھنی منظورِ پشتِ دست

سر لوٹنا پھرے ہے جو پاں زیرِ ہائے دار
 آٹھا جہاں سے مار کے منصورِ پشتِ دست
 اُس کلبِدن کے عشق میں کہتے ہیں ہم نصیر
 جوں برگِ لالہ داغ سے معمورِ پشتِ دست

۱۰

شانے کے نہیں زلفِ کرہ گیرِ سرِ دست
 ہے دزدِ سیہ کلر کی زنجیرِ سرِ دست
 برقع ہو تو اے رشکِ قمرِ منہ سے اٹھادے
 آگندہ بھی کھینچے تری تصویرِ سرِ دست
 چھپتائے کا گنچہ بھی یہاں کھول کے مٹھی
 کیا جائے کیا ہے خطِ تقدیرِ سرِ دست
 رکھ طائرِ دل کو مرے صیادِ نفس میں
 لہرے ہے کوئی مرغِ ہوا گیرِ سرِ دست
 سہتاب سے اس افعیٰ گردوں کے لیے رات
 لبریز رکھے ہے قدحِ شیرِ سرِ دست
 مڑکوں سے مجھے دل تو نکھ اُس کی نہ چھوڑے
 سو تیر ہیں ترکش میں تو اک تیرِ سرِ دست
 اک دم کی ہے بنیادِ حبابِ لبِ دریا
 ہیات کہ ہستی کی ہے تعمیرِ سرِ دست
 آغشتہ بخوں ہے رگِ برگِ کلِ رحاں
 شب دیکھ حنا کی تری تحریرِ سرِ دست

بہل ہم کو یہ قائل کی محبت سے ملا آہ
 ہاں سر ہے وہاں قبضہ شمشیر سر دست
 برباد نصیر اپنے نہ کر اشکِ مسلسل
 رکھ سجدہ یہ اے عاشقِ دل گیر سر دست

۱۱

کھلی غلط پر ترے کاکل کے طلسمات کی بات
 کس پہ روشن ہے سوا خضر کے ظلمات کی بات
 بارشِ گرہ سے کھیر بیٹھ گئے آنکھوں کے
 مردمِ خانہ نشین کیا کہیں برسات کی بات
 آٹھ کیا نامہ و پیغام تو آٹھ جانے دو
 کون سی آس کی بہاری ہے ملاقات کی بات

قطعہ

شمع پروانے سے کہتی تھی یہ انگشت آٹھا
 یعنی جلتی ہوں کھڑی جان اشارات کی بات
 دم غنیمت ہے تجھے مجھ سے جو سر رشتہ ہے
 صبح کو میں ہوں نہ تو یاد رہے رات کی بات
 ہم سے دشنام سوا بولتے کچھ اور نہیں
 غیر سے کرتے ہو ہر روز مدارات کی بات
 عمر خلقت میں عبث اپنی تو کھوتا ہے نصیر
 عملِ زشت کی ہوتی ہے مکافات کی بات

یک چند مہ کو دے ہے یہ کب ایک ناں درست
 دو ناں سے ہے نگاہ تری آسماں درست
 بعد از فنا ہو خاک پہ تن کا مکان درست
 رہتا ہے گھر تو صاحبِ خانہ سے یاں درست
 تاثیرِ آہ دل میں نہیں اے بتاں درست
 سروِ چمن میں پھل نہیں لگتا ہے ہاں درست
 تنگ اس لیے نہیں کہ قبائے برہنگی
 آئی ہے اپنے تن پہ اب اے دوستان درست
 گلشن میں دیکھ کر قدرِ موزوں کل رخاں
 سیدھا بنا ہے سرو بھی اے باغبان! درست
 بحرِ جہاں میں فرمتِ یک دم نہیں حباب
 دل کی شکستگی کا جو کیجے بیاں درست
 گر قصرِ چشم میں نہ رہے تو قصور ہے
 مڑگن سے اس مکان کا ہے سائباں درست
 کتنی زباں ہے صرف شراوت سے شمع کی
 نک اے زباں دراز! رکھ اپنی زباں درست
 ہوں کیوں نہ غرقِ بحرِ محبت کنارہ کش
 دیکھا نہ آشنا کوئی ہم نے یہاں درست
 خالِ دہانِ بار کا مضمون جو بندہ گیا
 کہتے ہیں میری بات کو سب لکھ دان درست

بے آہِ سینہ چشم سے کیونکر رواں ہو اشک
 چلتا ہے یعنی فوج کے آگے نشانِ درست
 تیغِ لنگہ کو جب کہ تو سرے سے ہاڑھ دے
 اوسانِ دل کے خاک رہیں میری جاںِ دوست
 صہبائے سبوتے غنچہ سے کیا بیجیے مدام
 ساقی چمن میں ساغرِ گل ہے کہاں دوست
 اے مہ جبینِ سمجھو سرِ مواس میں نہ تو فرق
 یہ بات روبرو ترے کہتا ہوں ہاں دوست
 سررشتہ زخمِ دل کو نہیں تیری مالک سے
 کب تارِ کہکشاں سے ہو چاکِ کٹاں دوست
 لبِ تشنہ اب بسانِ صدف رہیے اے نصیر
 کوئی دُرِ سخن کا نہیں قدردانِ دوست

۱۳

یہ اشک چشم کے کیا ہیں مکان سے رخصت
 مسافرانِ عدم ہیں جہان سے رخصت
 یہی ہے اپنی شہادت کی ہارِ دستاویز
 کیا جو شوخ نے اک برگِ ہاں سے رخصت
 ستم ہے زلف کا چہرے پہ یار کے کھلنا
 بلا ہے سوئے زمیں آسمان سے رخصت
 فلک سے کس کو توقع ہے ساری روئی کی
 کرے ہلال کو جب نیمِ قان سے رخصت

بدروش خنجر نہیں ہے سبب یہ رختِ سفر
 چار ہووے ہے اب گلستان سے رخصت
 چمن کو دیکھ لیں چاکرِ قفس سے اے صیاد
 لک اتنی دے بھی اپنی زبان سے رخصت
 بسانِ سہر نہ ٹھہرے پھر ایک ذرہ نصیر
 ہوئے جو اس بتِ نا سہربان سے رخصت

۱۴

ہو فراموش نہ کیوں غیر کے مطلب کی بات
 دن کا کہنا نہ کہیں یاد ہے نے شب کی بات
 طوطیا دیدہ و دانستہ نہ بالندھو ، دیکھو
 تم نے آنکھوں کے اشارے سے بھلا کب کی بات
 زلفِ مشکیں کا تری جانِ من اب چھیڑ کے ذکر
 ہے خطا چھیڑے گر عنبرِ اشب کی بات
 شربِ مے سے ہے انہیں کلمِ مدام اے زاہد!
 بوجھ مت اہلِ خرابات کے مشرب کی بات
 یاد کیوں سبیلِ مژگان نہ رکھے طفلِ سرشک
 مردمان بھولے ہے کب طفل کو مکتب کی بات
 طالبِ بوسہ عبت ہوں کہ وہ کرتا ہے قطع
 من کے مفروضِ دو لب سے مرے مطلب کی بات
 ہند ہو جانے ہیں رستے وہیں اے رشکِ قمر
 جب کہ چلتی ہے تری زلف کے عقب کی بات
 تجھ کو اور آئنے کو دیکھ نہ کیوں حیراں ہوں
 چائے انصاف ہے کیا صاف ہو اس ڈھب کی بات

جس کو گر عالمِ حیرت ہے یہ وجہِ احسن
 اس کے تختے کی کہوں اب کے تری چھب کی بات
 کان رکھ کر نہ سنوں کیونکہ بھلا میں کہ نصیر
 ہے سرے کام کی اس کے دہن و لب کی بات

۱۵

فرہاد مجھ سے بوجھے ہے کیا دلستان کی بات
 شعیب لکھے ہے تلخ جو اس بدزبان کی بات
 سرکا نہ من کے لاقہ لیلیٰ کے پہلو سے
 مجنوں نے کر دی کوز شتر ساریاں کی بات
 غنچے کے منہ سے لگتے ہیں جھڑنے چمن میں بھول
 کرتا ہے اس روش سے وہ ٹیرے دہان کی بات
 کب ہے پدر کا کودکہِ ابر کو امتیاز
 جانے ہے طفلِ اشک کوئی مردمان کی بات
 کہنے لگا کہ بیعتِ دستِ سبو کرو
 خوش آئی ہم کو انہی یہ پیرِ مغان کی بات
 آئی دوچند یاد شب اس ماہِ رو کی مانگ
 چھٹی کسی نے آہ جوئی کہکشاں کی بات
 بھولے ہے آئے ہو جو کچھ آؤں سی صرصری
 پہنچے ہے گل کے کان میں بادِ خزاں کی بات
 کھینچے ہے دور آب کو اتنا عبث ہلال
 بھڑ جائے گرچہ رخ سے اس ابرو کاں کی بات

دن رات ایک سے نہیں کٹتے کے اے نصیر !
پہری میں باد آئے گی آس نوجوان کی بات

۱۶

رخ ہر بنایا حلقہ کاکل گجر کے وقت
کب سہر و کھ کے نکلے ہے عینک سحر کے وقت
کھینچے ہے دور آپ کو کیا ماہ و آفتاب
ہوتا ہے سچ غرور بہت سیم و زر کے وقت
ہنگامہ اشک نے نہ کیا کوچ چھٹ مقام
جاتا ہے لافلہ بھی ٹھہر دوپہر کے وقت
کیوں کر نہ روزِ جنگ ہو تلوار حرزِ جاں
بیکل نہ مرد کے ہے گلے میں خطر کے وقت
آتے ہی ہر گرسنہ کو دیتی ہے نانِ گرم
ہو جاتی ہے پناہ بدن کی سپر کے وقت
کیوں کر نہ جامِ زہریلوں میں کہ تو نے آہ
ہو چھی کبھو نہ بات بھی شیر و شکر کے وقت
طے راہِ عشق کیوں نہ کرے چشم سے کہ ہے
عینوں کے ساتھ آبلہ پا سفر کے وقت
اہلِ دول کو چاہیے اتنی نہ سرکشی
پاہوس ہو ہے شاخِ شجر بھی ٹمر کے وقت
اڑتا ہے مرغِ رنگِ حنائی ہنسی ہر
ہرواز و نہ طیر کو ہے بال و پر کے وقت

سول ہے شمع حق میں اگرچہ ہتک کے
منصور وار سود ہے اس کو ضرر کے وقت
بازی تھارِ عشق میں جیتا وہی نصیر
شمشیر لایا جو کوئی پہلے سہر کے وقت

۱۷

دیکھا نہ تجھے رہ گئی دیدار کی حسرت
تا مرگ نہ نکلی ترے بیمار کی حسرت
جوں فقیر قدم خاک نشینانِ روِ عشق
خاک ہی میں ملا بیٹھے ہیں رفتار کی حسرت
سینے سے نکلتی ہے ہر اک آہ بھی جوں سرو
کیا دل میں ہمارے ہے قدرِ یار کی حسرت
قائل نے ابھی افسوس نہ کی عقدہ کشائی
ہیات کہ دل میں رہی تلوار کی حسرت
سر کھولے ہوئے شمع نکتہ ہیں کہ جہاں ہے
سر رشتہ الفت سے ہمیں تار کی حسرت
جوں دانہ تمبیح اب اے شیخ و برہمن
اس دل میں نہیں رشتہ زناں کی حسرت
چہاں! قفس کو نہ اٹھا صحنِ چمن سے
باقی ہے ابھی سراغِ گرفتار کی حسرت
گو جام و جم و کاسہ فغفور گئے آہ
تاروں بھی گیا لیے زر و دینار کی حسرت

کچھ کام نہیں طوٹی و رضوان سے انہوں کو
 ہے جن کو ترے سایہ دیوار کی حسرت
 کرتا ہے ملک تاج شہنشاہ کو کجکول
 کم ظرف نہ رکھتے ہوادار کی حسرت
 آئندہ نصیر اس کو ذرا لے کے دکھا دے
 رہ جائے نہ جی میں گل و گلزار کی حسرت

۱۸

جائے نصیر ہے پیارے ترے یار کی بات
 سرگیا پر لبِ شکوہ سے نہ اظہار کی بات
 ہم نہ کہتے تھے کہ ہے صرف خودی اے منصور
 عاقبت دار پہ کہہ دیجے گی یہ پندار کی بات
 مہ و خور تیغ و سپر لے کے لڑیں آپس میں
 گو چلے چرخ پہ ظالم تری تلوار کی بات
 بھوٹ جائے گی صبا طبلہ عطار کی ہو
 ہے خطا کھولے اس 'طرہ مٹرار کی بات
 بندھی مٹھی چنر دہر میں وہ غنچہ صفت
 اے صبا کھولیں بھات نہ اصرار کی بات
 اور بکواس نہیں ہم کو خوش آتی ہے نصیر
 بات میں بات خوش آتی ہے تو اس یار کی بات

زہی کہ گرے سے آنکھیں تھیں نہیں دن رات
رہے تری یہ دامن و آستین دن رات

صافی چہرے کی خط آنے پر رہے گی نہیں
نہ کر غرور، سدا ایک سے نہیں دن رات
یہ زور ظلم نہیں عقل کی ہے کوتاہی
فلک پھرے ہے سدا ماہتا زمیں دن رات

زبان پہ سہر ہے ہر تیری یاد سے دل میں
رہے ہے نام کا ہی نقش جوں لگیں دن رات
نہ بھول بٹھہر اک گلی کی شاخ پر بلبل
ہے تیری فکر میں صیاد در کہیں دن رات

اجل تو باز ہے اور عمر ہے تری جوں کبک
یہ بال و پر ہیں اب اس کے مسجھ نہیں دن رات

نصیر اور غزل اس زمیں میں کوئی کہہ
کسی طرح سے تو پہلیں یہ ہم نشین دن رات

رفیق غم کے سوا کوئی یاں نہیں دن رات
یہ درد پہلو ہی اپنا ہے ہم نشین دن رات

جراغ و شمع تو جلتے ہیں شام سے تا صبح
مجھے جلاوے ہے یہ آہِ آتشیں دن رات

تو مہر ہے تو میں ذرّہ ، تو ماہ ہے میں چکور
 میں تیرے ساتھ ہوں گو تو پھرے کہیں دن رات
 جو آیا چمک میں نکلنے کو دل نہیں کرتا
 بٹا بیٹی کا یہ غیمہ ہے دل نشیں دن رات
 کسی نے خواب میں دیکھی تہ وہی بھی اب تک
 اکیلے ہو کے جو ہم تم نے بائیں کیں دان رات
 سحر کو گریہ و شب سوخت ، مثل شبنم و شمع
 کٹے میں اپنے تو اس طرح ہم نشیں دن رات
 ہر ایک شام و سحر تجھ پہ واہ وا ہے نصیر
 نبھائے خوب طرح تو نے آفریں دن رات

۲۱

ہر ایک ذرّے کو ہے آفتاب سے نسبت
 بجا ہے "درد کو گر ہو شراب سے نسبت
 تمہارے ناخنِ پا کی برابری تو کرے
 ہلال کیا ہے جو دیجے رکاب سے نسبت
 نہ چھیڑ ، یک نفسِ مرد میں ہے کام تمام
 رکھے ہے آئنے دلِ حباب سے نسبت
 بجا ہے نغمہ داؤد کو اگر دیجے
 صدائے ہر پٹ و چنگ و رباب سے نسبت
 جنہوں کو نیند نہ آتی تھی فرشِ زمل ہر
 انہوں کو اب ہے تہِ خاک خواب سے نسبت
 پتنگ شمع کے صدقے ہے ، جانے آس کی بلا
 چکسور کو ہے اگر ماہِ شباب سے نسبت

خدا کے واسطے انصاف کر کہ کیا ہے برق
 جو دے ہے اس دل پر اضطراب سے نسبت
 لگائے تاک آہل جانے گر یہ دخترِ رز
 تو اس کی کردے اے ساقِ شراب سے نسبت
 برنگِ ہر ورقِ گل یہ دل ہو سیاہ
 مجھے ہے عشق کی امّ الکتاب سے نسبت
 تمام پیرنِ اس کا ہے مثلِ گلِ خوشبو
 عرق کو کیونکہ نہ دیمے گلاب سے نسبت
 لبوں سے اس کے ہے کیا کام جامِ مے کو نصیر
 عجب ہے یہ کہ ہو آتش کو آب سے نسبت
 شزل نصیر کی اب تو بقولِ آشفہ
 رکھے ہے مطلعِ خوش انتخاب سے نسبت

۲۲

سر پہ رکھ تاجِ شگوفہ ہے وہ افلاکِ پرست
 دانہ سان مزرعہ دلیا میں ہے جو خاکِ پرست
 دیدہ دامنِ محبت سے لگائے ہے تاک
 ہوں نہ میں حید گمِ عشق میں فتراکِ پرست
 جذبہٴ عشق میں معشوق لیے جذبہٴ عشق
 یہ غلط ہے کہ نہ ہو عاشقِ پیاکِ پرست
 نرگس آما ہر اک انگشت یہ بیانا ہے
 ساقِ اس دور میں ہیں ہم شجرِ تاکِ پرست

آستیں صرف نہیں دامن و جیب و رومال
 چشم بد دور ہیں کیا دیدہ نمناک پرست
 کیا ہے اعجاز جلا دہنے میں فیروزے کے
 کب شناسا ہے جلا دہنے میں حناک پرست
 کام آزاد کو ہے خلعتِ عربانی سے
 جس لباس کو ہے دیکھا ہوئے ہوشاک پرست
 نہ بھڑک اس قدر اے آتشِ گل کہ جو نصیر
 آشیانے کے لیے ہوں خس و خاشاک پرست

۲۳

تو نے جو کی اے جانِ محفل جانے کی تیاری رات
 شمع نے بھر سولی پر کٹی روتے روتے ساری رات
 بخت سہہ کیا اپنے کہے تو جو نہ آیا ماہِ جیبی
 تارے گنتے صبح کی ہم نے آنکھوں میں اندھیری رات
 دل نے تو آپ کو روکا تھا جانے سے وہاں کے لیکن آہ
 لے گئی تھی بیار کو اُس کے کوچے میں ناچاری رات
 چشمِ قدر کی طرح لگتی ہی نہیں بے سہر ذرا
 سونے کب دیتی ہے ہل بھر تجھ بن یہ بیداری رات
 دن بھی گزرا شام ہوئی ہر خوب تم آنے میری جان
 کرنی پڑی اس دل کی اپنے آپ ہمیں دانداری رات
 بھول گیا وہ سیر تماشا دیکھ کے آتش بازی کا
 آہِ شرر افشاں نے ایسی دکھلائی گلی کاری رات

دیکھتے ہیں کہ وہ ملے گا رشکِ قمر اے واٹے نصیر
دن تو گزارا جوں توں کر ، ہے قہر قیامت بھاری رات

۲۴

اس داغدار دل سے نہ دھو ہو کے تنگ ہات
جیتے ترے ہی ہوں گے لگے گا ہلنگ ہات (کذا)
رکھ دوں اگر پروے بتانِ فرنگ ہات
پیدا کرے مرا بد بیضا کا رنگ ہات
پہنچے بہ کاش تا بہ گریبانِ تنگ ہات
جوں کل شکفتگی کا لگے تا کہ رنگ ہات
قبضے بہ تیغ کے نہ رکھ اے خالہ جنگ ہات
کرفا ہے گر شہید تو سہندی میں رنگ ہات
عشقِ بتانِ سنگِ دلاں چھوٹتا نہیں
کیا کہجے آگیا ہے مرا زہرِ سنگ ہات
تجھ سے کرلیں گے لیتِ دستِ سب جو ہم
پہرِ مغان اٹھائیں گے پہنے سے بنگ ہات
جامِ حباب دیکھ کے بولا وہ بادہ نوش
دوبا لگا ہے زور ترے جلتونگ ہات
تیری طرح سے غنچہ کل تنگ دل نہیں
گو ہات سے زمانے کے اپنا ہے تنگ ہات
کل گہر منہ ہمارے ہے تیری طرف (کو دیکھ)
نزدیک پائے شمع نہ لے جا ہتنگ ہات
حیرت ہے بہ کہ اس لب شیریں بہ خال دیکھ
پہنے ہے منہ اٹھا کے مگس بے درلک ہات

دستِ گرہ کشا سے بھی میں سمجھوں تجھے بڑا
”چھوٹے جو تجھ سے آئندہ“ دل کا زنگ ہات

قطعہ

جاگے نہ اپنے طالعِ خوابیدہ ، حیف ہے
مارے نہ کیونکہ سر پہ بتِ شوخ و شنگ ہات
مدت کے بعد وصل کی شب ہاتھ آتی تھی
کہینچا ولی نہ تو نے بچھا کر ہلنگ ہات
کر اس زمیں میں فکرِ غزل اور اے نصیر
برگز آٹھا نہ لکھنے سے تو ہو کے لنگ ہات

۲۵

چل دے اُس کوچے میں موجِ اشکِ چشمِ تر سمیت
بادشاہِ ملکِ تن ہے تو لکل لشکرِ سمیت
کیوں نہ ہم شیشے کو پتھریں باغ میں ساغرِ سمیت
لوڑکا گلچیں ہے غنچے کو کلِ احمرِ سمیت
خال کو دیکھا ہے دل تو نے لبِ دلبرِ سمیت
شکرِ اللہ کر بلال آیا نظرِ گوثرِ سمیت
دیکھی آدھی رات کو مانگ اس کی جب جھومرِ سمیت
کٹ گئی تب کہکشاں دنیا دارِ اخترِ سمیت
زلفِ مشکیں نعت میں کر دل خطِ دلبرِ سمیت
کشورِ تانار لے ، سر کر کے عنبرِ سرِ سمیت
آنسوؤں کے بوجھ کی لانے نہ مڑکاں تاب ہائے
عاقبتِ لٹولی رسنِ طفلانِ بازی گہرِ سمیت

چشم وہ کیا ہے کہ جس میں ایک بھی آئو نہیں
 آبرو لب ہے صدف کی جب کہ ہو گوہر سمیت
 نقشہ آس بت کی جیبیں ہر جوں الف یارو نہیں
 دیکھ لو شق القمر الکشتِ پیغمبرؐ سمیت
 ابروئے پُر خم کے پہلو میں بنا کاجل کا خال
 اے قمر طلعت نکلتا ہے ہلال اختر سمیت
 ناف کے حلقے سے بچ آس بحرِ خوبی کے دلا
 ڈوبتی کشتی ہے اس گرداب میں لنگر سمیت
 حسن سے آگاہ کر مغرور خوباں کو کیا
 کاڑ ہی دینا آئینے کو اسکندر سمیت (کذا)
 ہے نمودِ خط ترے رخ پر آٹھا دے رخ سے زلف
 رات کو خوبی ہے ہالے کی سدا اور سمیت
 گو ہیں یارو ہیر ہم ، ہر عشق سے خالی نہیں
 رکھتے ہیں خاکسترِ افسردہ کو اخگر سمیت
 ذکرِ کس کی جامہ زیبی کا چمن میں ہے صبا
 کی جو سو ٹکڑے قبا ہر گل نے ہالا ہر سمیت
 میں غطِ ہشت لبِ دلبر کے ہوں بوئے سے خوش
 زہر بھی اس نے دیا یارو تو ہاں شکر سمیت
 تو نے کیوں صیادِ پھینکا لاشہٗ بلبل کو آہ
 داب دینا تھا کہیں گلشن میں بال و ہر سمیت
 ہاں کی سرخی دکھیا مت کر مٹی سے لب سیاہ
 لعل کو رکھتا ہے ہاں کوئی بھی خاکستر سمیت

موج ہائے بحر کی ہو مشقِ بے تابی دو چند
گو نہاؤں تا ہم سینہ میں دلِ مضطر سمیت
کیا عجب ہے رحمتِ عامِ خدا سے اے نصیر
داخلِ جنت ہو ہر مومن اگر کافر سمیت

۲۶

دیکھ اے قاتلِ کمر کو تیری وہ خنجر سمیت
جس نے عطا کو کبھی دیکھا نہ ہو شہر سمیت
کیوں ترے ہاتھوں کے قرباں ہار تیر انگن نہ ہوں
کمر دیا غریبِال سینہ یکِ قلم بکتر سمیت
کون کہتا ہے کہ ہم کے حق میں کہتا ہے برا
ہم کو روئے یار لکنا ہے بھلا زیور سمیت
ابروئے پُر جبین ہم اس کے دل نظر کر غور سے
دیکھتے ہیں اصفہانی تیغ کو جوہر سمیت
ہم کو شوقِ وصل ہم تھا ، کی نہ پہلو سے جدا
شب کو تصویرِ نہالی یار ہم بستر سمیت
ہائے ہوسی پر نہ جا اے شمع تو کل گبر کی
عاقبت تاجِ زر آلودہ ہم لے گا سر سمیت
حشر کو چاہیں گے تجھ سے خون بہاے دل صنم
ساتھ اپنے تجھ کو لے کر تیغ اور خنجر سمیت
سوڑنِ بے رشتہ آسا پھر نہ ڈھونڈا پاؤں میں
گر نہ ہو تارِ نفس اپنا تنِ لاغر سمیت

”مہر ہائے داغ سے معمور ہے سینہ تمام
 روبرو اللہ کے چائیں گے ہم محضر سمیت
 دل کو روؤں یا کہ میں ہر استخوانِ تن کو آہ
 نیستان پھونکا ہے تو نے آہ شیرِ نر سمیت

قطعہ

ہے تپِ ہجران نہ لکھ نسخہ میں میرے اے طبیب
 خرمہ و کشمیز کو تو اب التارِ تر سمیت
 بار کے خال و لب و رنگِ معی کا ہے خیال
 تخمِ رحمان دے مجھے عناب و لیلوفر سمیت

قطعہ

شوق گر قلیاں کشی کا ہے تو مہتابی پہ، آ
 اے مرے سلطانِ خویاں شب کو کٹر و تر سمیت
 بیچواں بن جائے لالہ حقہ، سبیں ہے ماہ
 عقدِ پرویں کی چلم گردوں کی ہے چنبر سمیت

قطعہ

ہم کو ترغیبِ طوائفِ کعبہ مت کر زاہدا!
 زادِ رہ تو لے کے جا احرام کی چادر سمیت
 ابرو و بینی سے رخ پر اپنی دکھلائے ہے یاں
 نقشہٴ عرابِ بیت اللہ کو منبر سمیت
 ہڑھ پہ تبدیلِ قوافی اس زمیں میں اے نصیر
 دوسری بھی اب غزلِ مضمونِ قازہ تر سمیت

سامعین بیٹھے ہیں تیرے جتنے مشتاقِ سخن
سن کے خوش ہوں تا سخنِ فہانِ دانشور سمیت

۲۷

ذکرِ خطِ اپنی زباں پر رکھ رخِ جاں سمیت
یادِ تفسیرِ حسنی کر دلا قرآن سمیت
آبلہ گر میں دکھا دوں سینہٴ سوزاں سمیت
ہاتھ شیشوں سے اٹھا دے شیشہ گر دکان سمیت
ہے چمن میں خندہٴ گلِ شبنمِ گریاں سمیت
ساقیا دے ساغرِ مے برق ہے باراں سمیت
کر نظرِ خطِ پر دلا ہشتِ لبِ جاں سمیت
خضر کو دیکھا نہ ہو گر چشمہٴ حیوان سمیت
اس نے دل سینے سے کھینچا تیر کے ہیکل سمیت
آہ صاحبِ خانہ بھی آخر ہوا مہاں سمیت
دل بہ دریاے سرشکِ چشمِ تر اپنا نہیں
ہم دکھائے نوح کی کشتی کو ہیں طوقاں سمیت
زیبِ رخِ خط سے ہے جاںِ خال کا نقطہٴ مٹا
زاغ کو یک جا نہ رکھ طوطیؔ خوشِ العان سمیت
دیکھتی کیا ہے دلِ بلبل میں اے بادِ بہار
تیرِ شاخِ گل لگا غنچے کے تو ہیکل سمیت
ایک بو سے کے لیے اتنی بھی ہٹ لازم نہیں
نقدِ دل کیا مال ہے ، حاضر ہوں میں دکان سمیت
بعدِ بچنوں کیوں نہ چمکے یہ مرا دیوانہ بن
میں ہوں ان اشکوں کی دولتِ لشکرِ طفلان سمیت

ترک چشم یار ہے گر شہرہ آفاق ہے
 قرص ابرو کو رکھے ہے ناوکِ مژگاں سمیت
 مہ جییں دستِ حنائی مت دکھا، کٹ جائے گا
 پنجمہ سہرِ شفیق کوں پنجمہ مرجاں سمیت
 مت اٹھا رخ سے نقاب اپنی، نہ دکھلا زلف و خط
 باغ میں لغارت نہ کر حنبل کو تو رجاں سمیت
 وہ ذوق ہیں اس کی دیکھے اے عزیزو دل مرا
 جس نے یوسف کو نہ دیکھا ہو چہ کنعاں سمیت
 پشت لب پر ہے یہ خط اے عقل کے دشمن منڈا
 رکھتے ہیں تنگ شکر نادان صفِ موراں سمیت ؟
 ابر میں تارے چمکتے آج تک دیکھے نہیں
 ہنس کے دکھلا دو ذرا دلکِ مسی دندان سمیت
 گلشنِ دنیا میں یارو ہے غم و شادی ہم
 شبہمِ گریاں ہے دیکھو ہر کلِ خنداں سمیت
 شکر اب کر تو دلا دن ہیں یہ تیرے وصل کے
 تھیں جو راتیں ہجر کی ۔ و کٹ گئیں حرماں سمیت
 لاف کو ہستاں یہ اس کے ہو کے دست انداز دیکھ
 گیند قسمت سے ملی ہے حلقہ چوگاں سمیت
 الفت اس کو کہتے ہیں یارو کہ بعد از مرگ بھی
 ایک جا رکھتے سدا عاشق کو ہیں جاواں سمیت
 آج تک تصویر کش لیلی کی ہے کھینچی شبہ
 دیکھ تو تصویرِ قیس سلسلہ جنیاں سمیت

میں یہ کچھ تنہا نہیں تعریف کرتا ہوں تری
 کہتے ہیں ہزاروں محفل بھی سخن سنا جاں سمیت
 آج اگر ہوتے تو سن کر شعر کو تیرے نصیر
 چاک میر و مصحفی کرتے غزل دیوان سمیت

مطلع

اپنی تو بام پہ صورت نہ دکھا تیسری رات
 دیکھنا ماہ کا ہوتا ہے برا تیسری رات

☆ ☆ ☆

ردیف ٹ

۱

نزع میں ہوسہ لب دے ، نہ گلا داب کے گھونٹ
 دمِ آخر تو ہلا شربتِ عذاب کے گھونٹ
 غیر پاؤں میں لگائے ترے سہندی بہات
 ہم ہٹیں رشک سے خونِ دلِ یثاب کے گھونٹ
 کپِ فرقت کا علاج اور ہے جانے دے طبیب
 کس سے اے یار پیے جائیں گے جلاب کے گھونٹ
 جام پر جام دے اے ساقی کم ظرف ہمیں
 بیچے اس دور میں کیا چند مٹے ناب کے گھونٹ
 عجب کو چاہت سے بلاتے ہیں وہ ہو کر سرگرم
 چاؤ کے کیوں نہ پیوں ہاتھ سے احباب کے گھونٹ
 فرقتِ یار میں غم کھاتے ہیں ، پیتے ہیں نصیر
 اشکِ ابرِ مژدہ دیدہ بے خواب کے گھونٹ

۲

لڑ گیا رشکِ قمر شام کو اس گہات سے 'جھوٹ
 گئی خورشیدِ درخشاں کی سپر بات سے 'جھوٹ
 شیخ ابوہ ترے غش ہے ، یہ دل آنکھوں پر
 آس کو مسجد ہے ، نہ آس کو ہے خرابات سے 'جھوٹ

المدد المدد اے خارِ بیابانِ ونا
 قافلہ دور گیا، رہ گئے ہم ساتھ سے چھوٹ
 ناخیزِ تیغِ ستمگر نے یہ عندہ کھولا
 قیدِ ہستی کی نہیں آہِ معویات سے چھوٹ
 کشورِ عشق میں ہے شورِ قیامت برپا
 دان بھی کیجیے یا رب جو ہو اس بات سے چھوٹ
 شمع کو کیا ہے خزاں سے کہہ گیا جل کے یہ غل
 بھول سے بھول سے بری شاخ سے اور بات سے چھوٹ
 سیکھ لے حرفِ نفی غنچہ لا لا سے کوئی
 اے صبا جس کی زباں کو نہیں اثبات سے چھوٹ
 رخ پہ دل زلف کے حلقے سے نہ لکلا اس کے
 تا سحر چاند کو کہنے سے نہیں رات سے چھوٹ
 لکھ غزل اور اسی بحر میں اب جلد نصیر
 جائے یہ طائرِ مضمون نہ ترے بات سے چھوٹ

۳

زلفِ مشکیں گئی شائے کے جو شب بات سے چھوٹ
 تا سحر حرفِ خطا کی نہ ملی بات سے چھوٹ
 خالہ چشم کی کیا خاکِ مرمت کیجیے
 طرفۃ العین نہیں موسمِ برسات سے چھوٹ
 داغِ دل کی ہے بھری آہِ جگر کا گنگا
 ہم ترے عشق سے لڑتے ہیں نئی گہات سے چھوٹ
 ٹک ہمارا بھی تماشا تو کہو آ کر دیکھ
 کیا نہیں ہوتی ہے لہیروں کی ملاقات سے چھوٹ

کہکشاں کشتیِ افلاک میں اک لفکر ہے
 کس طرح جانے یہ اے دیدہ تر رات سے چھوٹ
 گردبادِ الہ ہٹکتے ہیں لیے غیمے کو
 اس طرح کوئی نہ ہو خاکِ سرِ بات سے چھوٹ
 خط سے یہ چشمہٴ حیران لبِ بار رہا
 دستِ دل آہ کیا پردہٴ ظلمات سے چھوٹ
 باد آئی جو تری زلف چلیا شب کو
 دل کیا خواب پریشان کے خیالات سے چھوٹ
 ہے یہی سوچ مجھے روزِ جزا آہ نصیر
 کس طرح ہوگی کتابوں کی مکافات سے چھوٹ

✽ ✽ ✽

ردیف ث

۱

نہیں کھلتا یہ عقدہ پنجمہ تقدیر کیا باعث
کہ کیوں واشد نہیں یہ غنچہ تصویر کیا باعث

خدا کے واسطے لک دیکھ پھر کر اے بت سرکش
کہ چلنے سے رہا کیوں باز گشتی تیر کیا باعث

نہیں ہے سلسلے میں قیاس کے باعث مجھے لاصح
بڑے ہے پاؤں میرے کس لیے زنجیر، کیا باعث

نہ پوچھو مردماں کچھ بات طفل اشکِ اہتر کی
کہ کیوں دن رات ہے مڑگاں کا دامن گیر کیا باعث

ہمارے خون سے بہتر نہیں دلکِ حنا ظالم
نہیں کیوں سرخ کرتا ناخن شمشیر کیا باعث

تمہاری سرزمین زلف میں کچھ دام تھے دل کے
سو وہ اب ہاتھ شانے کے لگی جاگیر کیا باعث

عرق کے کیوں ہیں اس کے روئے آتش ناک ہر قطرے
کہ شبنم نے کیا خورشید کو تسخیر کیا باعث

کہاں ابرو لگانا دیکھ بھال اس تیر مڑگاں کو
بھڑے ہے تو ہمارے دورے تقدیر کیا باعث

نہیں معلوم ہوتا اے نصیر اب وجہ حیرانی
کہہ رہتے ہیں کھلے کیوں دیدہ تصویر کیا باعث

۲

دلِ مفلس ہوا کس چشم کا بیمار کیا باعث
اثر کرتا نہیں کیوں شربتِ دیدار کیا باعث
شہیدِ ناز ہوں میں خنجرِ مڑگانِ قاتل کا
تبسم کیوں کرے ہے جوہرِ قلوار کیا باعث
ہر لکِ غنچہ گویا منہ پہ اک سہرِ خموشی ہے
نہیں کھلتا وہ ہم سے ہر سرِ گفتار کیا باعث
نہیں مڑگان ، یہ در پرچشم کے بان خس کے پردے ہیں
کرم کرتے نہیں کیوں کس لیے یک بار کیا باعث
یہ ہوں میں دل گرفتہ تا کجا جوں غنچہ لالہ
کھلا عقدہ نہ یہ یا حیدرِ کٹارا کیا باعث
نہیں معلوم ہوتا پہچ کچھ اس بات کا بھ کو
پریشان کس لیے رہتی ہے زلفِ یار کیا باعث
کھلی رہتی ہیں آنکھیں یک قلم جوں نرگسِ شہلا
گریبان گیر ہے کیوں حسرتِ دیدار کیا باعث
ہمیشہ ہاتھ میں رکھتا ہے تسبیحِ سلیمانی
نہیں ہے شیخِ تم ہر الفتِ زئار کیا باعث
نصیر اس شمع پر بھی شام سے تا صبح محفل میں
کھلا ہرگز نہ کچھ اس بات کا بستر کیا باعث

ہارا دل یہ کیوں جہنے سے ہے بھزار کیا باعث
 جو گریاں روز و شب رہتی ہے چشمِ زار کیا باعث
 لگا کرنے جو بوسے کا کھلا انکار کیا باعث
 اب اتنی ہم سے تو کرتا ہے کیوں لکرار کیا باعث
 مجھے کیونکر قرار آئے کہ جاناں کل کے آنے کا
 بھلا کیوں آج تو کرتا نہیں اقرار کیا باعث
 گلے کا ہار ہوں میں کیوں نہ تیرے سچ بتا ہم کو
 یہ کھلایا ہے بھولوں کا جو تیرا ہار کیا باعث
 ہارا بس انہیں باتوں سے ہر دم ، دم لگتا ہے
 جو ہر دم دیکھتا ہے اپنی تو تلوار کیا باعث
 ذرا تم محو سے دیکھو مری آنکھوں میں اے ہمد
 مژہ کا عکس کھٹکے ہے برنگِ خار کیا باعث
 نصیر اس واسطے آنکھوں سے جاری خون رہتا ہے
 سچی ہے سرخ آس نے سر پہ جو دستار کیا باعث

گر ہے خدا خود آنے کا بھرتا ہے تو عبث
 بن ڈھونڈے جس کو پائیں ، ہے جستجو عبث
 پیرِ مغان نے جام تو بھر کر دیا نہ حیف
 تاحق کی ہم نے بیعتِ دستِ سبو عبث

تو ہے تو کتنے مجھ سے ہیں پروانے جاں نثار
 میرے مزار پر تو نہ رو شمع رو عبث
 غونی تری ان آنکھوں سے سرخی نہ جائے گی
 تلوار سے تو دھووے ہے قاتل لہو عبث
 ہوتا وہی ہے جو کہ خدا چاہے ہے نصیر
 بندہ ہزار جی میں کرے آرزو عبث

☆ ☆ ☆

ردیف ج

۱

یاں سے (دیں گے) نہ تم کو جانے آج
 لاکھ اب تم کرو بھانے آج
 بن لیے آج قبرا ہوسہ لب
 کب بھلا دوں گا تجھ کو جانے آج
 بس یہ مجھ سے نہ تم کرو کل کل
 اتنی ہے کل کہاں کہ جانے آج
 داغ جوں لالہ کھا چن میں نسیم
 میں بھی آیا ہوں کل کھلانے آج
 لک گیا خاک ہو گئے جسم نصیر
 کوچہ یار میں ٹھکانے آج

۲

کب چشم یار سے ہو دل زار کا علاج
 بیمار سے ہوا نہیں بیمار کا علاج
 بے وجہ آئنے کی نہ پتھرا گئی ہے چشم
 ہے تیرے ہاتھ تشنہ دیدار کا علاج

زلفوں سے چھوٹ کیوں سرِ مڑگاں چڑھے نہ دل
 آخر ہے دارِ دزدِ سیدِ کار کا علاج
 دامن و آستین کے سوا کس کو یاد ہے
 عاشق کے تیرے دیدہ خونِ بار کا علاج
 کھٹکے ہے دل میں کچھ مڑا بار اے طیب
 کیا کیجے آہِ سرزلفِ خار کا علاج
 قطعہ

ہوجھا جو میں نے اپنے مسیحائے وقت سے
 ہے کچھ بھی یعنی دردِ دلِ زار کا علاج ؟
 بولا نہ دردِ دل نہ تپِ عشق ہے تجھے
 بیمار ہو تو کیجیے بیمار کا علاج
 ہاں ایک وہم ہے سو نہیں آج تک ہوا
 لہان سے بھی وہم کے آزار کا علاج
 رہتی ہے بندِ شام و سحر یہ کہ بن کرے
 ہو کس سے چشمِ رختہ دیوار کا علاج
 مہم گئے ولے نہ کسی سے ہوا نصیر
 اس زخمِ تیغِ ابروے خمِ دار کا علاج

۳

چمکے ہیں دانتِ بار کے دوئے مسی سے آج
 کوندے ہے برقِ ابرِ سید میں خوشی سے آج
 ہے سرزمینِ حسنِ خس و خارِ خط سے پاک
 جاروب ہے نہ زلفِ پریشان کسی سے آج

کل کی خبر کسے ہے گلستانِ دہر میں
جو کل ہے مفتاح ہے جو گذرے خوشی سے آج
ہولے سے تو نے کیا گذراک میرے گھر کیا
آیا ہوں میں بھی آپ میں خود رفتگی سے آج

دیکھیں وہ قد تو آؤ شہر سے نعریاں
یہ قطع ہائے سرو کریں اس خوشی سے آج
دربا دلوں کی خاک میں مل جائے آبرو
مانگیں جو آبِ بحر سے تشنہ لبی سے آج
ہے پسلیوں کا نقش مری نقشِ بورہا

لوٹا ہوں فرشِ خاک پہ کیا بے کلی سے آج
سرگرمِ نالہ کون سا گزرا ہے اے نسیم
بہاگی جو آہِ سرد پھر آس کی گلی سے آج

خالی پڑا شکم ہے لبِ نانِ جوں ہلال
کس کو دکھائیے ، نہیں مطلب کسی سے آج
با وصفِ ہال و ہر لبِ بام و نفسِ تلک
چنچا نہ اڑ کے آہ میں بے طافنی سے آج

جوں نقشِ ہا ہر اک نے کیا مجھ کو رہ نما
عزت جہاں یہ ہائی ہے افتادگی سے آج
غنجے کے منہ سے آتی ہے ہوسونکہ اے نصیر
تشبیہ دے دہن کو نہ آس کی کلی سے آج

تخت پر مت بھول خسرو سر پہ رکھ اہمول تاج
 ہاں فلک کم ظرف نے کتنے کہے کچکول تاج
 شمع کا تاج زر آلودہ وہاں سر ہے دہکھ
 کر تو دانا ہے تو مت رکھ سر پہ اے بھول تاج
 کم نہیں ہے افسر شاہی سے کچھ تاج کدا
 گر نہیں باور تجھے منعم تو دونوں تول تاج
 بن لیے مطرب تمھارا چھوڑتا ہے کب خیال
 جب تلک آس کو نہ دے بیٹھو گے سر سے کھول تاج
 شیخ صاحب جانتے ہو تم کہ یہ وہ قوم ہے
 چھین لیتے ہیں بجا چنگ و رہاب و ڈھول تاج
 جانبِ ملکِ سلیمان سے طرفِ بلقیس کے
 گرم پروازی میں ہیں رکھ بدھدوں کے غول تاج
 کیفیت کیا خوب ہے اب بادہ نوشوں کی نصیر
 پاؤں میں دستار ہے بھرتا ہے ڈالوان ڈول تاج

بندہ ہو ہر اک دیکھ نہ کیونکر تری سچ دھج
 ہے نامِ خدا وہ بتِ کافر تری سچ دھج
 ہل کر کے نہ دریا میں چلے بھر کج و واکج
 دیکھے جو کبھو موج ٹوٹھک کر تری سچ دھج

کلی کھائے ہیں طاؤسِ چمن نے بھی سراہا
 کیا قہر ہے ٹوٹا سے یہ ، قد پر ، تری سچ دھج
 اسپند کرے کیوں نہ تجھے عقدِ ثریا
 مہتاب بنا دیکھ کے بھر تری سچ دھج
 جوڑے کی نہ بندش سے فقط بیچ میں ہے دل
 ہے آفتِ جانِ جان ! سراسر تری سچ دھج
 رفتار نے ہمال کیا کبکِ دری کو
 اس قد پہ قیامت ہے ستم گر تری سچ دھج
 قمری کو لبِ جو پہ نہ کیوں سرو ہو سولی
 کچھ اور روش سے ہے سمن بر تری سچ دھج
 کیا جانے کیا مدِ نظر آس کو ہو تجھ سے
 آئندہ جو حیراں ہے بنا کر تری سچ دھج
 رکھ یاد نصیر اپنے کی یہ بات کہ قاتل
 بھولے کی نہیں تا دمِ خنجر تری سچ دھج



ردیف چ

۱

میں کیونکہ کہوں بار کی میرے ہے کمر بیچ
تو آگے ہے اس کے رگِ برگِ گلِ تر بیچ
کشتہ ہوا گو دل بھی تو ہے داغِ جگر بیچ
کام آوے نہ جب وقت ہی ہر ، بھر ہے سپر بیچ
کیا ہے مڑا اشکِ فشاں دہدہ تر بیچ
جو ہو نہ مگر ریزِ شجر ، ہے وہ شجر بیچ
دنیا میں ہم اک دم کے لیے ہنسنے ہیں تو بھی
اے ہستیِ مہیوم تو ہے مثلِ سحر بیچ
ہے مجھ کو یقین جس نے تری گوندھی ہے چوٹی
کالا بھی جو کائے تو نہ ہو اس کو اثر بیچ
کیا خاک کوئی ہووے تنکِ ماہ سے سائل
جب لب بھی نہ تر ہو تو ہے بھر آبِ گہر بیچ
گر تو ہے سلامت تو کہے رو کے نہ کیوں شمع
یہ تاجرِ زرِ آلود مرے تن پہ ہے ہر بیچ
شبِ خواب میں ہم بارے سوئے تھے لپٹ کر
بیدار ہوئے آہ تو دیکھا بسحر بیچ

رخ سے ترے ہم چشمی کا دعویٰ ، کریں کیا منہ
 کل تکیوں کے آگے ہیں ترے شمس و قمر بیچ
 تو دامِ تحبیر میں مقید ہے اڑے کیا
 اے طائرِ تصویر ترے سب ہیں یہ ، ہر بیچ
 دن رات تصور تری آنکھوں کا ہے ، مت ہوچہ
 کولین کی معلوم نہیں مجھ کو خبر بیچ
 چشمے کو کوئی چشم کے آنسو ہے پہنچنا
 ماہی ہے تو دریا کے ہے نزدیک گھر بیچ
 تابِ رخِ دلدار کو کیا دیکھ سکے گا
 خورشید کے تو روبرو ہے نورِ نظر بیچ
 اس کے لبِ شیریں کا لیا میں نے جو بوسہ
 میں تیری حلاوت کو نہ کیوں سمجھوں شکر بیچ
 کیا شوقِ نظارہ نہ وہاں خط سے رہا حسن
 کیا کیجے ملاقاتِ ادھر بیچ ادھر بیچ
 تو کیوں نہ حبابِ ابھرے ترے پاس ہے خیمہ
 ہم کیا کریں رکھتے نہیں اسبابِ سفر بیچ
 اک بوسہ دین کا تو دیا ہار نے مجھ کو
 اور دوسرا مانگا تو کہا اس نے دگر بیچ
 مانند گھر چمکے نہ کیوں اشکِ مزہ ہر
 ہے کانٹہ کا پورا نہ سمجھ دیندے تر بیچ
 کیا راہِ عدم ہے کہ چلے جاتے ہیں بند آنکھ
 ٹھوکر کا نہ ہے خوف نہ گرنے کا ہے ڈر بیچ

جلوہ ہے ترے حسن کا آئینہ، دل میں
 جب تو ہی نہ ہو یار تو بھر ہے یہ بشر بیچ
 ہوں کیوں نہ سخن فہم نصیر اب ترے قائل
 ہر شعر غزل میں ہے بہ اندازِ دگر بیچ

۲

کیا ترے من میں ہے دل کا کلِ خمدار نہ کھینچ
 مار کھائے گا تو منہ پر یہ سیہ مار نہ کھینچ
 اس روش سرو پہ قمری کو نہ بٹھلا اے عشق
 کیا گنہ اس نے کیا اس کو سرِ دار نہ کھینچ
 کوئی دم اور لے تیشے کی زباں سے کچھ کام
 منہ پہ فریاد ابھی دامنِ کھسار نہ کھینچ
 نام کے واسطے گھر میں نہ مقید ہو نصیر
 جوں لکیں چاروں طرف اپنے تو دیوار نہ کھینچ

۳

جدانہیں ہے ہر اک موج دیکھ آب کے بیچ
 حباب بھر میں ہے، بھر ہے حباب کے بیچ
 لگا ہے جس سے مرے دل میں عشق کا کانٹا
 ہوں مثلِ مابی، بے تاب بیچ و تاب کے بیچ
 کسو کے دل کی عمارت کا فکر کر منعم
 بنا نہ گھر کو تو اس خانہ، خراب کے بیچ

ہر ایک چلتے کو پاں مستعد ہے شاہ سوار
 زمیں پہ پاؤں ہے اک دوسرا رکاب کے بیچ
 برنگِ شمع چھپے حسن جلوہ گر کیوں کر
 ہزار آس کو رکھیں برق و نقاب کے بیچ
 نصیر آنکھوں میں اپنی لکے ہے ہوں دو جہاں
 خیال دیکھتے ہی جیسے شب کو خواب کے بیچ

۴

دیکھتے کہاں ہیں ہم گلِ گلزار تک پہنچ
 جونِ خار کی نہیں سرِ دیوار تک پہنچ (کنہ)
 قاتل کی آبِ تیغ کا تشنہ ہوں دیکھنا
 ہے کون دم کو اب دمِ تلوار تک پہنچ
 ہے دل میں آس فرنگی ہسر کے ہماری جائے
 عیسیٰ نبی ہے گر فلکِ چار تک پہنچ
 جاتا ہے کیا چڑھا سرِ مڑگان یہ طفلِ اشک
 بازی سے لٹ کے لڑکے کو ہے تار تک پہنچ
 ابرو کہاں کے تیرِ مژہ نے کہا ہے صید
 آس سرخِ دل کی ہے لبِ سوار تک پہنچ
 ملا کی دوڑ جیسے ہے مسجدِ تلک نصیر
 ہے مست کی بھی خانہٴ خار تک پہنچ

روشِ تازہ تو ہو اس گلِ شاداب کے بیچ
 بے کلی دیکھو پھر اس دلِ بیتاب کے بیچ
 اشکِ موتی سے ہیں اس دیدہ ہر آب کے بیچ
 خاکِ دریا ہے ترے کاسہؔ گرداب کے بیچ
 رشتہٗ الفتِ پروانہ سے ہر شب اے شمع !
 تو ہے انگشتِ نما محفلِ احباب کے بیچ
 نورِ تن کی ترے بازو پہ جھٹک کر دیکھے
 شبِ اترا بھی چھپے چادرِ مہتاب کے بیچ
 ہو خیالِ آس کے نہ کیوں چاہِ ذقن کا دل میں
 ہانی آیا ہے پیاسے کو نظرِ خواب کے بیچ
 گر رہے ہیں نظرِ جلوۂ طاؤسِ چمن
 طرفہٗ گل ہیں ترے ہاجامہٗ کم خواب کے بیچ
 چھوڑے ہیں تیرے تماشا کو یہ دریا میں چراغ
 لختِ دل ہیں نہ سرے دیدہ ہر آب کے بیچ
 چار دن گل کی طرح ہنس کے بسر کر اوقت
 غنچہٗ سا بند نہ ہو عالمِ اسباب کے بیچ
 دیکھ آس کے مسی آلودہ تو دندان کو نصیر
 یہ چمک کا ہے کوہِ کرمکِ شب تاب کے بیچ

سرگرمِ فنا ہے تو دمِ عشقِ نہاں کھینچ
 اے شمعِ لبِ شکوہ سے باہر نہ زباں کھینچ
 جوں تیر چلا تھا وہ لکل ہاتھ سے لیکن
 رکھتا کشرِ دل نے اے مثلِ کہاں کھینچ
 ہے دامنِ گلِ منہ پہ لیے خواب میں بلبل
 ہنکھے کو صبا میں تجھے لکھتا ہوں کہ ہاں کھینچ
 کیا شاخِ لکائی ہے نئی تو نے یہ ناداں
 دورِ آپ کو اتنا نہ تو اے سرورِ رواں کھینچ
 اس دور میں ہمدِ کوئی اپنا نہیں تجھ بن
 ساغر نہ مرے ہاتھ سے اے پیرِ مغان کھینچ
 مطربِ ہسر اس شعلہٴ آواز کی / اپنے
 ہے تجھ کو مرے سر کی قسم جلد عنان کھینچ
 مر بستہ نظر آئے نصیر اس کا یہ کوچہ
 لاق ہے گرفتاریِ الفت یہی کہاں کھینچ

دیکھے تو جی لکے نہ ترا اپنے گھر کے بیچ
 ہے ناچ 'ہتلیوں کا مری چشمِ تر کے بیچ
 چلمن مڑے کی جھوڑ کے پھر رواقِ چشم
 اے طفلِ اشک تکیو مت دوہر کے بیچ

کیجو نظر تک اس کی بیتی پہ اے فلک!
 سوراخ ہے 'گہر کے ہمیشہ جگر کے بیچ
 آنسو نہیں یہ پنچہ' مڑکاں سے مردہک
 موقی پرو رہا ہوں میں تارِ نظر کے بیچ
 سونے پڑے رہیں گے یہ مہاں سرانے میں
 ہر لحظہ دیکھتا ہوں میں دم کو سفر کے بیچ
 اٹکے ہے چشم زلف کے حلقے میں اے طرح
 یارب غریق ہووے نہ کشتی بہنور کے بیچ
 کاکل سے کام یک سر مو ہے نہ زلف سے
 سودا کچھ اور رکھتے ہیں ہم اپنے سر کے بیچ
 چاکِ قفس ہے گو درِ مقصود ہم صغیر
 پرواز کی ہے تاب کہاں بال و پر کے بیچ
 مضمون تازہ تک دہن ہار کا تو ڈھونڈ
 رہنا نصیر بیچ ہے فکرِ کمر کے بیچ

۸

دیکھے لیلٰی کے اگر زلفِ گرہ گیر کے بیچ
 قیس ہرہا کرے غلِ خانہ' زنجیر کے بیچ
 مرغِ جاں کیونکہ نہ پرواز کرے دہشت سے
 حلقہ' دام میں اس جوہرِ شمشیر کے بیچ
 ہو کئے ہار کیلے کا جوں ہی بدستی میں
 اس نے پگڑی کے وہیں پھینک دے چہرے کے بیچ
 والدہ' ماہ نہیں شب کو یہ بیٹھا ہے سانپ
 مار کے گرد دلا اس قندحِ شیر کے بیچ

طائرِ دل پہ اڑاتے ہو جو شہبازِ نظر
 کیا نہیں دیکھے ہیں شایین و عصفیر کے بیچ
 کارِ شاہِ دلِ صد چاک سے لے اے راجھا !
 کھول اس شکل سے تو موئے سرِ پیر کے بیچ
 ہے شررِ دشمنِ مو دیکھ کے حیراں ہوں نہ کیوں
 شعلہ رخ دیکھ کے یہ زلفِ گرہ گیر کے بیچ
 کیسی تب ہے یہ طیبو ہوئی بالعکس دو چند
 اور کھانے سے بڑھا قرصِ طباشیر کے بیچ
 بالذہبے رشتہٗ فتراک سے اے شاہِ سوار !
 تاکہ گھر تک نہ کھلیں پاؤں سے زنجیر کے بیچ
 ہاتھ شانے کے قلم کر کہ نہ کھولے راجھا
 ہر محرّآ کے ترے موئے سرِ پیر کے بیچ
 دستِ آدم کی لکیروں سے نہیں ہیں کچھ کم
 زنجیر کے بیچ

خود ہے زنجیرِ بیا عالمِ حیرت دیکھو
 واسطے اپنے ہیں موجِ بحرِ تصویر کے بیچ
 آس کے پھندے سے کوئی نکلے خدا یا کیوں کر
 آہِ ہر بات میں ہو جس بتِ بے پیر کے بیچ
 تہہ کو اے چرخ کہیں دیکھ دکھاؤں گا زمیں
 کہ جوان ہر غیب چلتے ہیں ہلِ پیر کے بیچ
 ہل سکے گاؤں زمیں خاک کہ زنجیریں ہیں
 رہشہٗ ایخِ درختانِ زمیں گیر کے بیچ

اپنی صورت جو ہوا دیکھ کے وہ دیوانہ
 جوہر آئندہ سب بن گئے زنجیر کے بیچ
 دل میں گھر گرجہ بتاں کا ہے ولے کھلتے نہیں
 قفلِ صندوقچہ، عفلِ تصویر کے بیچ
 شیخ کو وجد ہو عفل میں نہ کیوں کر یارو
 کھینچتے دل کو ہیں آوازِ مزامیر کے بیچ
 موجِ سبزہ کی طرح اے خطِ رخسارِ بتاں
 جدا پیشِ نظر ہیں تری تحریر کے بیچ
 رشتہ، شمع کے مانند جلے ہے دیکھو
 قافلہ پہنچے ہیں آوِ دلِ دل کبر کے بیچ
 غرقِ درہائے بحرِ فکر ہوں انشاءِ ہر داز
 اے نصیر اپنی دکھاؤں میں جو تحریر کے بیچ



ردیف ح

۱

شبم جو نقلِ جام بنا گلِ علی الصباح
 کشن میں کس شہید کا ہے قل علی الصباح
 کیا بیچ و تاب شکلِ گلِ آفتاب ہے
 مکھڑے پہ اس کے حلقہ کاکلِ علی الصباح

 آخر تو یہ چراغ ہے بھر گلِ علی الصباح
 شبم گلابِ ہاش لے غنچے کی ہاتھ میں
 منہ پر گلوں کے چھڑکے ہے دھل دھل علی الصباح

قطعہ

مسجد کو کر سلام ایک آزاد حق پرست
 سن میکدے میں مستوں کے وہ غل علی الصباح
 تشریف آپ محفلِ رندان میں لے گیا
 دیکھا تو ہو رہا ہے تجمل علی الصباح
 طبلہ بجا رہا ہے سبو کا بنا کوئی
 مردنگ لے رہا ہے خمِ مُل علی الصباح
 دامن کسی کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے جیب
 کھنڈی دلوں کی سب کے گئی کھل علی الصباح

القصہ ذوق و شوق ہے ہر ایک چیز کو
 کیا جلوہ گر ہے مظہرِ حق کل علی الصباح
 ہوجھا جب ایک رند سے اُس نے کہ کیا ہے آج
 اُس نے کہا یہ پور بہ تامل علی الصباح

ساقی کا ہے پیالہ جو پڑھتا ہے چار کُل
 شیشہ کرے ہے دیکھ کے قتل علی الصباح
 روق ہے شمع تاجر زر آلود کر کے یاد
 وہ اوچر شام یا یہ تنزل علی الصباح
 بادِ صبا چمن میں زرِ گل کرے ہے دان
 بیٹھا ہے عندلیب کوئی تل علی الصباح

چہرے بہ یار کے نہیں ابرو کے نیچے خال
 بیٹھا ہے ماہی گیر تیر پل علی الصباح

کُکھڑے ہی کی تلاش میں نکلے ہے آفتاب
 عارض کو نت روا ہے تناول علی الصباح

دیکھی تھی زلف شام کو تیری کھلی ہوئی

سنبل چمن میں کھا گئی سنبل علی الصباح

نانِ شبنم کے لیے جون ماہ بھر نہ شیخ

کوشے میں بیٹھ کر کے توکل علی الصباح

چادر میں ابر کی بھی حرارت ہے مہر کو

لرزہ چڑھا ہے اوڑھے ہے فرغل علی الصباح

وابستہ رشتہ رگِ گل سے چمن میں اب

دیکھ اے نصیر ہے ہر بلبل علی الصباح

چوں یاضِ صبح ہے چاکِ گریباں کی طرح
 داغِ دل ہے جلوہ گر سہرِ درخشاں کی طرح
 یں گیا داغوں سے سینہ مثلِ طاؤسِ چمن
 بیٹھا ہا افتادہ ہے اب تو گلستاں کی طرح
 ابو بھی بھرتا ہے پانی رات دن اے مردمان
 دیکھ کر اب تو ہماری چشمِ گریباں کی طرح
 دشتِ وحشت خمیز میں رکھا نغم جس روز سے
 سر کے مو تکلے مرے خارِ مغیلاں کی طرح
 رشتہٴ الفت سے کر آں کو رفو اے جامہ زیب
 دیکھتا کیا ہے مرے چاکِ گریباں کی طرح
 سرکشی کرنے میں ہے سرگرم اے ہم دم سدا
 آہ نے میکھی ہے کیا شمعِ شبستاں کی طرح
 اس قدر آں کے ہوا ہے تیرِ مزگاں کا ہجوم
 دل مرے چلو میں ہے شبنمِ لیستاں کی طرح
 ہاتھ سے شانہ کی غلطان کیوں نہ ہو یہ کوئی دن
 حلقہٴ زلفِ بتاں کی جب ہو چوگاں کی طرح
 لکھ غزل اک اور ولکیں اس سے بھی بہتر نصیر
 اس زمیں کی کہب گئی ہے دل میں کچھ ہانکی طرح

چشمِ قر میں لختِ دل سے یوں ہے مڑکان کی طرح
 آبِ دریا میں ہو جوں سروِ چراغاں کی طرح
 اشکِ کل کون سے ائے گر اہنے داماں کی طرح
 گرد ہو جانے کی باغِ نور افشاں کی طرح
 ساقیامت ہوچھ کچھ تجھِ بن چمن میں صبح دم
 غنچہ لالہ لکھے ہے مجھ کو پیکان کی طرح
 روز و شب جاری رہے ہے ایک سیلِ اشک آہ
 روزِ کشتی سے بھی ہے چشمِ گریباں کی طرح
 ہاتھ پر کل کھا کے ہم نے دیکھ ہاتھوں ہاتھ آج
 اے صبا اڈال نئی ہے کیا گلستاں کی طرح
 ڈوب جانے رشک سے ہو ہاتی ہاتی اے عزیز
 دیکھے گر ہوسف ترے چاہِ زرخندان کی طرح
 جم گیا ہے رونے رونے کیا یہ خولابِ جگر
 پنچہ مڑکان ہے دیکھو آج مرجاں کی طرح
 زورِ اشکِ سرخ تو نے آج دکھلائی ہمار
 جوں رگِ کل ہے مرے تارِ گریباں کی طرح
 ہوں ہوا خواہِ بیاباں بعدِ محبتوں گرد باد
 دل میں کھٹکتے ہے مرے خارِ مغیلاں کی طرح
 روز و شب ہے کیا خیالِ چشمِ جاناں اے نصیر
 یک قلم دل بن گیا ہے نرگستاں کی طرح

سجدہ اور بوجھ کر اے شیخ ہم نے دور کی تسبیح
 دکھانے کے لیے لوگوں کے مت رکھ زور کی تسبیح
 جہاں سے نام حق کا لے کے اپنی راہ تک سو لی
 اللہ الحق تا دمِ آخر رہی منصور کی تسبیح
 عبادت روز و شب کرتے ہیں جنت کے لیے زاہد
 پڑھیں ہیں بے سبب کب خالقِ غیبور کی تسبیح
 لگی ہے یاد مجھ کو بے طرح سے دخترِ رز کی
 بنایا چاہیے اب دالہٗ الکور کی تسبیح
 ہمیشہ سکھ میں گر ہر کو جیے تو کالجے کو دکھ ہو
 بوقتِ بے کسی اللہ ہے رنجور کی تسبیح
 بنا کر من کو منکا اور رگِ تن کے تئیں رشہ
 اٹھا کر سنگ سے بھر ہم نے چکناچور کی تسبیح
 یہ روز و شب ہے تسبیحِ سلیمانی نہیں لازم
 نصیر اُس زلف و رخ کی یاد کر کافور کی تسبیح

اجابت گر ہوئی کب اُس کی بے تائید کی تسبیح
 لیے بھرنا چہ حاصل ہاتھ میں تقلید کی تسبیح
 خدا کا نام اُٹھتے بٹھتے لیتے ہیں ہم جی میں
 ہماری تو یہ ہے اس عقلِ نافہمید کی تسبیح

رکھوں ہوں پنچہ' مڑگاں میں اس اشکِ مسلسل کو
 یہ میرے پاس بھی ہے دیکھ مروارید کی تسبیح
 عبت ہوچھی ہے مجھ سے دیدہ و دانستہ اے زاہد
 میں آنکھوں سے جیوں ہوں آسِ بتِ بے دید کی تسبیح
 ہو الاول ہو الآخر ہو الظاہر ہو الباطن
 نصیر اب ہے یہ ہر دم صاحبِ توحید کی تسبیح

۶

گلشن میں جب کہ فندقِ پا تو دکھائے صبح
 غنچے کو چشکیوں میں نہ بھر کیوں اڑائے صبح
 مضمونِ تابِ رخ کو ترے گرجائے صبح
 آتش کا آفتاب سے گولا بنائے صبح
 دستِ حنائی کو یہ ترا دیکھ ہائے صبح
 خونِ شفق میں پنچہ' خور کو ڈبائے صبح
 ہوں اشکِ ریز اس لیے تو گھر کو جائے صبح
 کیونکر چلے نہ قافلہ جب منہ دکھائے صبح
 یارب وہ زیرِ زلف نہ رخ کو چھپائے صبح
 نکلتے کہیں گھٹا سے مرے دل پہ چھائے صبح
 غنچے کی کیا چٹک تجھے پھر گل خوش آنے صبح
 کوسِ رحیل کی یہ صدا جب سنائے صبح
 دامنِ شب میں جب درِ انجم چرائے صبح
 کیوں آتشی نہ مہر کا گولا اٹھائے صبح
 تو میکشی کو جانبِ دریا جو جائے صبح
 مے جامِ آفتاب میں بھر کر پلائے صبح

اس حسنِ عارضی پہ نہ کر ہار تو غرور
 ہے ایک دم کا جلوۂ نشو و نمائے صبح
 ہستان کو تیرے دیکھ کے مٹ جائے پھر حباب
 دریا میں تا بہ سینہ اگر تو نہائے صبح
 ساقِ شبابِ جامِ بلوریں میں دے شراب
 ہے یہ بیاضِ گردنِ مینا بجائے صبح
 تو روزِ حشر تک یوں ہی رہنا شبِ وصال
 داغِ فراق کا نہ کوئی گلی کھلانے صبح
 پیری میں دالت کرتے نہیں ہیں وفا نصیر
 تارے یہ سچ ہے ہوتے نہیں آشنائے صبح

۷

ہر چند صاف تر ہے فلکِ اشتہائے صبح
 قسمت میں نانِ مہر اگر ہو تو کھائے صبح
 جوں مہر کھلنے دیتی نہیں آنکھِ خواب سے
 جانِ مسافراں کی عدو ہے ہوا سے صبح
 رکھتی رخِ نگار سے ہے تو مشابہت
 کیونکر نہ میرے دل میں تری ہووے جائے صبح
 سرگرم مہرِ غیر سے ہی وہ سدا رہا
 ہر چند ہم نے نقشِ ابھی لکھ لکھ جلائے صبح
 خاک اس کی دوستی کا کرے اعتبار مہر
 پٹکے زمیں پہ شام کو سر پر چڑھائے صبح
 شکرِ خدا کہ میں نہ ہوا آج تک دلا
 مقنونِ فالہ شب و آوِ رسائے صبح

بھرتے نہیں ہیں کاسہ بکف سہر کی طرح
 ہر روزین کے کوچہ بہ کوچہ گدائے صبح
 ہم وہ فلک ہیں اہل توکل کہ مثلِ ماہ
 رکھتے نہیں ہیں فانِ شبینہ برائے صبح
 ہے الفتِ دلی مجھے طفلی سے تیرے ساتھ
 اے یارِ سہر طلعت و رونی فزائے صبح
 کہتا تھا شب کو خواب میں رخ دیکھ کر ترا
 والشمس کاشکے مجھے ملا پڑھائے صبح
 افسوس ہے کہ جلدِ شبِ وصل کٹ گئی
 اور بولنے لگے ہم سو زاغ ہائے صبح
 بھولا ہوا تو صبح کا آنا ہے شام کو
 تم وعدہ کر کے شام کا بھی پھر نہ آئے صبح
 کوسوں تو کیا آئے ہیں کہنا ہے میرا بس
 بجر ان کی اپنے آگے الہی یہ ہائے صبح
 غم الوداعِ شامِ جوانی کا کیوں نہ ہو
 پیری کی اے نصیر یہ جب منہ دکھائے صبح

۸

نالے سے لے کے دل نے نئی یاد کی طرح
 ہر دم نئی نکالی ہے فریاد کی طرح
 یکدست جانِ من رگِ جاں میں تری مڑ
 ڈوبی رہے ہے نشترِ فساد کی طرح

اصلاح خط کو دے کرے آئینہ کیا ہے منہ
 اس خط سے ملتی ہے خطِ استاد کی طرح
 کشتا ہے کوئی آہ کے قیشے سے کوہِ غم
 مر کر گئے ہیں سینکڑوں فرہاد کی طرح
 صبحے یہ دل کے کہینچوں ہوں کلک خیال سے
 تصویرِ یارِ مانی و بہزاد کی طرح
 ہاسال رفتہ رفتہ کیا تیری یاد نے
 افتادگی سے بوجھ نہ افتاد کی طرح
 اے مرغِ دل یہ شہرِ پرواز کھولنا
 تنگ تو سمجھ کے طائرِ آزاد کی طرح
 حلقے میں دام و زلف کے دائرہ ہے خال کا
 درپے درپے پھرے ہے وہ صیاد کی طرح
 اے ہم صغیرو! عرصہٴ پرواز تنگ ہے
 کنجِ قفس میں بیضہٴ فولاد کی طرح
 کوچے میں تیری زلف کے اے بادشاہِ حسن
 کیا دل نے بے نوائی کی ایجاد کی طرح
 موجِ سرشکِ چشم کی سیلی کلمے میں ڈال
 پھرتا ہے مالکتا ہوا آزاد کی طرح
 کیجے قبولِ بیعتِ دستِ سبُوِ نصیر
 پھرِ مغاں کی ہے جی ارشاد کی طرح

ردیف خ

۱

آس کی مڑکاں سے ہوئے یوں مرے سر میں سوراخ
 جس طرح کرتے ہیں نجات کے بر میں سوراخ
 بھر دنیا میں ہے یہ حال جفاکیشوں کا
 کرتے ہیں چشمِ صدف چہر گمہر میں سوراخ
 کیا کوئی باندھے ہوا کاغذِ بادی کی طرح
 جب تلک ہووے نہ سر اور کمر میں سوراخ
 اہنے چہرے سے تو برقع کی آٹھا دے جالی
 آج تک دیکھے نہیں ہم نے نعر میں سوراخ
 دشت گردی کے سبب چھوٹے ہے فتوارہ خوں
 ہڑ گئے سرزنشِ خار سے سر میں سوراخ
 گوہرِ قطرہ شبنم کے لیے کر دے صبا
 سوزنِ خار سے گوشِ گلِ تر میں سوراخ
 دل بنا صورتِ قندیل مشبک اپنا
 نشترِ غم سے پڑے بسکہ جگر میں سوراخ
 تجھ سے کیا آنکھ لڑائے کوئی اے خانہ خراب
 نہ تو دیوار میں رخنہ ہے ، نہ در میں سوراخ

تو ہی انصاف کر اے شوخِ کانداز بھلا
 کیوں کہ اختر نہ لگیں اپنی نظر میں سوراخ
 رات کو میری خدنگ افگنی' نالہ سے
 شکلِ غربال ہیں گردوں کی سپر میں سوراخ
 روزنِ سینہ میں کر آہ کی پیکان سے نصیر
 روشنی کے لیے گر چاہیے گھر میں سوراخ

۲

تن نہ زخمِ سنگ سے ہے یہ بروے خاک سرخ
 رنگ نے وحشت کے پہنائی ہے کیا پوشاک سرخ
 نشہ' سبزی سے بھی گاڑھا ہے آس کا خطرِ سبز
 ہے تصور سے جو چشمِ عاشقِ غم ناک سرخ
 اشکِ گلِ کون کی سرے کیا قدر جانے تو کہ یہ
 لوٹوان کرتا ہوا ہے اے اتِ بیباک سرخ (کذا)
 روزِ نوروزِ شہیدان شاید اے قاتل ہے آج
 ہے جو یہ رنگِ شفیق سے یضہ' افلاک سرخ
 چمکیں یہ قطرے عرق کے کیوں نہ شہم کی روش
 ہیں ترے / جوں برگِ کلی / رخسارِ آشناک سرخ
 اے شکارِ افکن چڑھا ہے خونِ اسیرِ صید کا
 یہ نہیں بے وجہ چشمِ حلقہ' فتراک سرخ
 لعلِ لب سے آس کے تو نسبت نہ دے یاقوت کو
 کوئی ایسا تو نگین دکھلا دے اے حکاک سرخ
 باد و آتش ہیں جہم دست و گریباں اب ترا
 یہ نہیں رنگِ حنا سے توسنِ چالاک سرخ

مردمان کیا دیکھتے ہو یہ نہیں لختِ جگر
 کچھ مرے ہمراہِ اشکِ دیدہِ نمناکِ سرخ
 دل نے فوجِ عشق سے آس کی جو مانی ہے شکست
 لئے چلے ہیں تھیلیاں ہرکارہ ہائے ڈاکِ سرخ
 زہرِ دستارِ ہنر اک روز ہووے گا نصیر
 ہے ہرنگ گلِ ترا بھی یہ دلِ حدِ چاکِ سرخ

۳

تھی زلفِ بارِ سنبلِ خلدِ بریں کی شاخ
 بالے کے موتیوں سے بنی پاسبین کی شاخ
 بے فیض آہ بھولتے بھلنے نہیں کبھی
 سرسبز کس نے دیکھی ہے گاؤں زمین کی شاخ
 از بسکہ نخلِ سوختہ ہے شمعِ الجھن
 ہر داغِ عشق سے ہے گلِ آتش کی شاخ
 شاخیں تری بھنویں گلِ بادام کی ہیں دو
 ہم چشم ان سے کیا ہو غزالانِ جبین کی شاخ
 نخلِ چنارِ رشک سے جلتا ہے دیکھ کر
 دستِ حنائیِ صنمِ نازبیں کی شاخ
 ہر گل کی باغِ دہر میں باصدِ زمانِ برگ
 تعریف کر رہی ہے جہاں آفریں کی شاخ
 ڈھونڈے زمین یہ گوشہ نشینی ہلالِ چرخ
 دیکھے اگر کہاں بتِ مہ جبین کی شاخ

کیا سرخ خونِ دل سے ہے اپنی مڑ، نصیر
مرجاں کے نخل نے بھی یہ پیدا نہیں کی شاخ

۴

یہ نکل جائے گی اک دن تری چوڑائی چرخ
گر کبھو تجھ سے زمیں ہم نے بھی لہوائی چرخ
گرد باداں، ہوا خواہوں سے اپنے تو نے
عاقبت خاک ہر اک دشت کی چنوائی چرخ
مہر مت سمجھو کٹورا ہے سنہری اس میں
قابلِ سیر ہے جوں گنبدِ مینائی چرخ
سرفرازی تری معلوم ہوئی تہہ کر رکھ
تو یہ کہ ہارچہ کا خلعتِ رسوائی چرخ
میرزائی یہ نہ بھول اپنی تو اے گل کہ جاں
خاک میں دے ہے ملا ہل میں یہ رعنائی چرخ
کہکشاں یہ نہ سمجھ منہ میں ہے انگشت لیے
جانِ من دیکھ مری یہ شبِ تنہائی چرخ
منحرف جب کہ ہو یہ طینتِ واڑوں کے ساتھ
کر لے کچکول گدا افسرِ دارائی چرخ (۹)
شکلِ فانوسِ خیالی جو سدا پھرتا ہے
جلوۂ ہوقلموں کا ہے تماشاں چرخ
آنشِ عشق سے کر دل کو گداز اپنے نصیر
یہ مسِ قلب ہے دے اُس کو تو اے بھائی چرخ

ترا نہ در تہِ خطِ روئے آتشی ہے سرخ
 کہ طرفہ سبز یہ ہوتا ہے اور زمیں ہے سرخ
 کہے تو دیکھ کے جس کو چراغِ فالوسی
 وہ اپنے ہاتھ کی گلیز آستیں ہے سرخ
 شفق میں رشک سے ڈوبا ہے ہنجر خورشید
 ترا وہ دستِ حنا بستہ نازنیں ہے سرخ
 خواصِ دالہٗ خاکِ شفا یہ رکھنا ہے
 جو اشکِ تار میں مڑکاں کے ہم نشین ہے سرخ
 خدا کے واسطے سر پر نہ خونِ عاشق لے
 قیامت آج صنمِ قشقہٗ جبین ہے سرخ
 ڈبوئے ہاتھ مرے خون میں کہہ یہ قاتل نے
 حناے سبز قدم اس سے تو نہیں ہے سرخ
 نصیر دیکھ تو باہم ہے خط سے کیا لبِ یار
 کہ سبز ڈانک یہ گویا دھرا نکلی ہے سرخ

ردیف د

۱

بیٹھا ہے کیا تو منہ کو کیسے لٹچا، وار بند
 اتنا ہنسی میں ہم سے نہ ہو گئی عذار بند
 شہدیزِ لاز پر جو چڑھا وہ کٹار بند
 تارِ نظر سے ہم نے بنائی شکار بند
 حق پر کشودِ کارِ تہی دست ہے صبا
 باغِ جہاں میں کیونکہ ہو دستِ چنار بند
 کرتا ہے دست بند یہ ساقِ حباب بھی
 بھرتا ہے تیغِ موج یہ جو کر کے دھار بند
 عکسِ مرہ نہ کیوں ہو ترے خطِ سبز پر
 دستے کو یہی کھیت کے کرتے ہیں خار بند
 مژگانِ چشمِ تر کی سرے تک بہار دیکھ
 سروِ چمن میں کیا لبِ جو پر قطار بند
 ہیں لختِ دل کے سرخ لواڑے چھٹے ہوئے
 آنے سے کب ہے قافلہٗ اشکِ یار بند
 دریاے چشمِ بر ہے گذارا لگا ہوا
 ہوتا نہیں ہے گھاٹ یہ لیل و نهار بند

کس کی نگہ نے جلوۂ برق اب دکھا دیا
 آنکھیں جو اپنی ہو گئیں بے اختیار بند
 قوسِ قزح نصیر نہیں ہے یہ سرخ و سبز
 منديلِ چرخ کے ہیں یہ دو تین چار بند

۲

اہنے پر لغتِ جگر پر ہے یہ مڑگان کی نمود
 جون لبِ دریا پہ ہو سروِ چراغاں کی نمود
 زلف کے حلقے میں جوں چمکے ہے یہ عارضِ ترا
 شب کو ہالے میں نہیں یہ ماہِ تاباں کی نمود
 اتنی فرصت پر نہ ابھرو جوں حباب اے غافلوا
 خاک میں مل جائے ہے اک دم میں انسان کی نمود
 اشک کیا مڑگان پہ ہے ہابندِ طفلِ نے سوار
 چشمِ بد دور آج تو اُس کی ہے یہ بانگی نمود
 توبِ خنداں ہو تو میں چشمِ گریاں کیوں نہ ہوں
 برقِ چشمک زن سے تو ہوتی ہے باراں کی نمود
 فصلِ کل آئی ہے اور آؤں بھرے ہیں دھنچیاں
 ہے ہوا پر (آج کل اہنے) گریاں کی نمود
 ابر دریا بار کیا ہالہ ہے دریا پر ہوا
 ہو رہی ہے ان دنوں اس چشمِ گریاں کی نمود
 عہدِ پیری میں کھلی ہے چشمِ غفلت اے نصیر
 صبح کو ہوتی ہے سچ سہرِ درخشاں کی نمود

۳

کاش رہ جائیں مرے دیدہ تر بند کے بند
 کہ وہ رکھتا ہے سدا روزِ در بند کے بند
 سرِ قاصد کو مرے گر نہ قلم کرتا وہ
 بھیجتا لکھ کے آئے شام و سحر بند کے بند
 دیکھنے دے آئے گل ہائے چمن کو صیاد
 دیدے سی کر تولہ کر بلبل پر بند کے بند
 کیونکہ چھڑوں انہیں ڈرتا ہوں کہ ہے ناگ بھی
 جامہٴ قبائل و شمشیر و سپر بند کے بند
 (نائب)

۴

کرے ہے کھیت کو سبز ابرِ فیلکوں کی بوند
 عجب ہے رحمتِ باریؐ بے چگون کی بوند
 کرے عروج پہ خاک اپنے لاز قنارہ
 کہ سر کے بل کرے ہے آبِ واژگون کی بوند
 زبانِ تیشہ کے نشتر کا ڈر یہ تھا فرہاد
 نہ نکلی خونِ رگ سنگ بے ستوں کی بوند
 بڑے یہ سینہٴ دریا بھبھولے جائے حباب
 عرف کی ٹپکے مرے گر تب دروں کی بوند
 کمی کی تو نے یاباں میں ووند نشترِ خار
 کھلاتی گل مرے خونِ رگِ جنوں کی بوند

قطعہ

انہی میری دعا تو قبول کر اس وقت
 بڑے نہ کوئی سحابِ سیاہ گوں کی بوند
 ہوا بہ ہمسری کرنے کو چرخ سے نکل
 بونی ہے آج سرے ہار ذو فنوں کی بوند
 چمن میں شاخ یہ لالے کے پھول کی کٹ جائے
 دکھا دوں گر مڑہ پر زخمِ دل کے خوں کی بوند
 گلال مل سرے منہ ہر تو طفلِ ہولی باز
 کہ رنگ کی تو نہ چھڑکی کوئی شکوں کی بوند
 چمن میں تارِ رگِ ابر تر سے اے ساقی
 ساقی مجھ کو ہے آواز ارغنون کی بوند
 وہ طفل ناز کرے ہے کہ اب جابیوں کی
 نلی سے شیشہ بنانے کو یعنی پھولکی بوند
 دکھا دے تو یہی ہنر اپنا چشمِ ہر خوں آج
 مڑہ کے تار یہ دوڑا ہر ایک خوں کی بوند
 میں پوچھتا ہوں یہ تجھ سے بتا مجھے قاتل
 نہیں ہے میرے تنِ لاتواں میں خوں کی بوند
 کرے گا کس کو کٹاری سے تو مڑہ کی شہید
 جو سنگِ سرمہ سے اب اور بھی فزوں کی بوند
 گھٹا سے کیوں کہ نہ وقتِ دور دوڑے دھقان
 مضر ہے پختہ ہر ایک بالِ گو گہیوں کی بوند
 فراقِ یار میں مڑگاں سے جائے اشکِ نصیر
 ٹپک بڑا دلِ خوں گشتہ ہو کے خوں کی بوند

۵

یوں تصور ہے ترا دیدہؔ پُر آب میں بند
 جوں شناور ہو کوئی حلقہؔ گرداب میں بوند
 گرچہ انسان وہ تھا ایک پر اس کو ہم نے
 دو ہی باتوں میں کیا محفلِ احباب میں بند
 خود بخود طاق سے شیشہ جو گرا اے ساقِ !
 روح تھی کس کی یہ سیناے مٹے تاب میں بند
 برق میں گر کبھو دیکھا نہ ہو تارا تو دیکھے
 تو سویدا کو ہارے دلِ بے تاب میں بند
 کیوں کہ یک جا ہو مقید کوئی وارستہ مزاج
 بُو کو دیکھا نہیں ہم نے گلِ شاداب میں بند
 اپنے قاتل کے نہ بھر گھر میں قدم وہ رکھے
 بُز کو دیکھے جو کوئی خانہؔ قصّاب میں بند
 بند کاغذ کا لیا تھا کہ لکھوں خط اس کو
 ہو گئی آہ زبانِ قلم القاب میں بند
 حلقہؔ زلف میں اس کے دلِ مضطر ہے یوں
 پھولی جوں تڑپے ہے ہو کر کوئی قلاب میں بند
 مے سے اے ساقِ کم ظرف بھر اب جامِ بلور
 منہ کو شیشے کے نہ کر تو شبِ مستجاب میں بند
 ہو گیا مرغِ دل اپنا تو صد افسوس نصیر
 دام پر حلقہؔ زلفِ ہتِ پنجاب میں بند

حشر کے دن تاکہ ہو روئے سید کاراں سفید
 لامعہ اہمال کیجو دیدہ گریباں سفید
 جلوۂ پیری بھی زاہد کم نہیں اعجاز سے
 جوں بدِ بیضا ہے دیکھو پنچہ مڑگاں سفید
 خونِ مردم سے نہ کیوں ہو دیدہ قاتل یہ سرخ
 کس نے دیکھی ہے بیلا قصاب کی دکان سفید
 چہرۂ روشن ترا وہ ہے کہ جس کے سامنے
 فردِ باطل کی طرح تھا شبِ مہِ تاباں سفید
 چشمِ خونِ اشانِ عاشقِ نغمہ ہے رنگ کا
 دیکھے کیوں کر رہیں گے جیب اور داماں سفید
 قطرۂ شبنم چمکتے یہ نہیں اے عندلیب
 گل کے ہنسنے سے نمایاں ہے دُرِ دلفاں سفید
 فرقتِ یوسف میں رو کر یہ کہا یعقوب نے
 ہو گیا خونِ عزیزاں چشم پر چنداں سفید
 چاندنی میں دیکھے اس روئے تاباں کی بہار
 کیا گلِ مہتاب میں ہے باغِ نورِ انشاں سفید
 فرشِ خاکستر پہ منعم ایک دن سونا ہے دیکھ
 مسندِ زریں بچھا مٹ اور نہ کر دیواں سفید
 منزلِ آرائشِ دنیا ہے غافل چند روز
 کام وہ کر جس سے کھر ہو عاقبت کا ہاں سفید
 لال جوڑا پر مٹی گر اس شوخ کے دیکھے نصیر
 پیرہن نہ کر رکھے اپنا مہِ کنعاں سفید

کیوں نہ کہیں بشر کو ہم آتش و آب و خاک و باد
 قدرتِ حق سے ہیں ہم آتش و آب و خاک و باد
 اٹکر غنچہ آب جو گردِ چمن نصیرِ صبح
 ہیں یہ گرہ کشائے غم آتش و آب و خاک و باد
 حقے کو اہلِ معرفت کیوں کہ نہ سمجھیں ہندم اب
 یہ بھی رکھے ہے پیش و کم آتش و آب و خاک و باد
 سوزشِ داغ و آبلہ گردِ الم شہارِ دم
 بجر میں چاروں ہیں ہم آتش و آب و خاک و باد
 برق و سحاب و گردِ باد ، دشتِ جنوں میں ساتھ ہیں
 ہیں یہ مرے رفیقِ دم ، آتش و آب و خاک و باد
 رو و عرقِ غبارِ خطِ جنبشِ زلف کی ہوا
 چاروں ہیں دل کے حق میں ہم آتش و آب و خاک و باد
 چشم میں آئیں ہیں اشکِ دل میں غبارِ آوِ سرد
 دونوں سے لیتے ہیں جنم آتش و آب و خاک و باد
 مجھ کو خدائی کی ہے قسم رکھتے ہیں گہیرے دہدہم
 تیرے یہ عشق میں صنم آتش و آب و خاک و باد
 کیوں نہ حواسِ خمسہ گم اہلِ سخن کے ہوں نصیر
 تجھ ہی سے بس ہوئے رہم آتش و آب و خاک و باد

اشک و لغتِ جگر آتے ہیں مجھے ہار پسند
 تو بھی کر لعل و گُہر ان میں سے دوچار پسند
 کیوں نہ بازارِ محبت میں ہو سودا دل کا
 جس بکئی ہے کرے جس کو خریدار پسند
 جوہر اُس ابروے خم دار کے دیکھے جب سے
 اصفہانی کوئی آئی نہیں تلوار پسند
 کہکشاں یہ نہیں، گردوں نے ہے اے کافر دیکھ
 عشق میں تیرے کیا رشتہ زُتار پسند
 دیکھے گر قطرۂ شبم کو اگر گل میں سحر
 بے وفا تو نہ کرے موتیوں کا ہار پسند
 لاکھ ہنجوں کے بل اپنے تو چلا کبکِ دری
 اُس نے ہر دیکھ کے کب کی تری و تار پسند
 کہوں نہ منصور سرِ دار "انا الحق" بولے
 بات جو حق ہو آئے کرتے ہیں سردار پسند
 شکل جاروبِ نظر میں ہے شاعرِ خورشید
 جب سے آیا ہے سرا طرۂ زورقار پسند
 ہے ہوا سلطنتِ فقر کی اس دل میں نصیر
 قاجر زر آئے ہے نے تخت ہوادار پسند

دل بیتاب نہ جا زلفِ سیاہِ فام کے گرد
 کام کیا طائرِ سیلاب کا ہے دام کے گرد
 یوں ہجومِ مژہ ہے چشمِ دل آرام کے گرد
 جس طرح حلقہٴ مستان ہو کہیں جام کے گرد
 چشم یہ تجھ سے نہ تھی چشم کہ اب سیلِ سرشک
 شکل گرداب ہو اس عاشقِ لاکام کے گرد
 ترے ابرو کے ہیں یہ پاسِ عرق کے قطرے
 پا ہڑی اوس ہے شاخِ گلِ بادام کے گرد
 ہیں سری خانہ خرابی کے یہ پیدا آثار
 تو نے کھینچی ہے جو دیوارِ در و بام کے گرد
 اس قدر میں ہوں سراغِ کمرِ یار میں کم
 کہ ہٹکتا ہی نہیں غنا بھی سرے نام کے گرد
 لشکرِ مور نے ہے تنگِ شکر کو کھیرا
 خط نہیں ہے یہ لبِ شوخِ گلِ الدام کے گرد
 سچ بتا بھول ہیں بالے کے تری زلف کے پاس
 یا ہے یہ فوجِ شہیدانِ ملکِ شام کے گرد
 یہ تمنا ہے کہ جوں شعلہٴ جہنم بھروں
 شمعِ رو اس دلِ بیتاب کو میں تھام کے ، گرد
 ایک ہل گردشِ چشمِ اس کی مجھے آہ نصیر
 جانے دیتی ہی نہیں گوشہٴ آرام کے گرد

عملِ نشیں ہے لپائی ہانگِ درا ہے شاہد
 ہے کوچہ گردِ مجنوں پر نقشِ پا ہے شاہد
 غیرت سے کیوں نہ توڑے اپنا حبابِ کاسہ
 کشتیِ تلک ہے دریا پر ناخدا ہے شاہد
 کب بوریا نشیں کو غفل پہ خواب آیا
 بوئے رہا نہیں ہے یہ بوریا ہے شاہد
 بوجھو نہ ہم صغیرو! بلبل سے الفتِ گل
 ہے صرصری چمن میں بادِ صبا ہے شاہد
 وارستہ کو مقید زنجیر سے نہ دیکھا
 آؤں ہے لکھتِ گل موجِ ہوا ہے شاہد
 جوں شانہ ہاتھ پہنچا کاگل تلک نہ اُس کا
 کچھ دستِ رس نہیں ہے ، دستِ رسا ہے شاہد
 گر کوہ ہو تو اُس کو جوں کاہ دیجے جنبش
 اس عشق کی کشش کا یاں کھربا ہے شاہد
 دل کو پھنسا کے خط میں کیسی ہلٹ گئی ہے
 کہتی ہے زلفِ اس کی مبری بلا ہے شاہد
 کردے ہے ایک ہل میں کجکول تاجِ شابی
 اس گردشِ فلک کا جامِ گدا ہے شاہد
 ظالم تری جفا کی کوئی نہ دے گواہی
 ان بے وفائیوں کی اپنی وفا ہے شاہد

زاہد صنم ہرستی واجب ہے عاشقوں کو
 ممکن نہیں کہ چھوٹے ان سے خدا ہے شاہد
 سرورِ چمن رکھے ہے آزادی سے نسبت
 برگ و لہوا کا اُس کے ہر بے لہوا ہے شاہد
 خونِ لعبہ کو کر ہمال اے صنم گرا!
 انکار کیوں کرے ہے رنگِ حنا ہے شاہد

۱۱

بھولے ہے زلف و رخ کی ترے کب جہاں میں یاد
 لیل و نہار ہے میں پرو جواں میں یاد
 یوسف کو اے عزیزو! جو آتی ہیں ہچکیاں
 شاید ہے اُس کی آج دلِ کارواں میں یاد
 ہروالہ جل مرے ہے تو رشتہ جتانے کو
 روتی ہے رات شمع بھی کر شمع داں میں یاد
 پڑھ مرغِ خواہدگی سے گلستان میں خواہدگی (کنا)
 بلبل سے آج بھٹے ہے کیا بوستان میں یاد
 نکلا ہے آفتاب بھی لے جام صبح دم
 ساقی ہے قبری الحزنِ میکشاں میں یاد
 آئینہ لے کے دیکھ ذرا اپنے جسن کو
 آئے گی یہ بہارِ گلستانِ خزاں میں یاد
 ہم دم کہاں جو سوزِ دل اپنا سنا لے
 مانند نے ہے اُس کی مرے استخوان میں یاد
 بولے ہے ہودنا کہیں تنہا توئی توئی
 طائر کوئی کرے ہے بنا گلستان میں یاد

شبم میں رشتہ رگِ گل کو پرو سحر
 ہلبل کرے ہے سچہ لیا گلستان میں یاد
 غنچہ مراقبے میں کہیں کیا ہے سونگوں۔
 با صد زبانِ لال ہے گویا دہان میں یاد

قطعہ

لاکھ اک صدا وہیں آئی کہ اے عزیزا
 غلّان و حور کرتے ہیں باغِ جنان میں یاد
 نادم ہو تب کہا دلِ غفلت زدہ سے میں
 کیا ہو رہی ہے دیکھ زمین و زمان میں یاد

قطعہ

دیکھا جو ہم نے باغ میں جا ایک دن نصیر
 کرتے ہیں نامِ یار سب انہی مکان میں یاد
 اے روسیاء مثل نکیں تو بھی اب کہیں
 کھود اس کا نام سینے میں رکھ انہی جاں میں یاد



ردیف ذ

۱

نامہ ہر! کہوں نہ وہاں پہنچے یہ اڑ کر کاغذ
 نامہ شوق کا ہے بال کبوتر کاغذ
 کس گنہ گار کے نامے کا ہے دل ہر کاغذ
 تو جو قینچی یہ چڑھاتا ہے یہ لے کر کاغذ
 عکس مڑکاں سے ترے صفحہ آئینہ کا
 یک قام دیکھ رہا ہے خطرِ مسطر کاغذ
 نامہ لکھنے کو آئے اپنی نظر میں نہ چڑھا
 بردہ چشم سے مردم کوئی بہتر کاغذ
 ورقِ کل یہ نہیں تارِ شعاعِ خورشید
 جدولِ زر ہے یہ چمکے ہے سراور کاغذ
 فردِ دل داغ سے وابستہ ہے یوں سینے میں
 جس طرح مہر سے لگ جائے لپٹ کر کاغذ
 گنجہ چشم کی آس گل کے جو کھینچوں تصویر
 مثلِ برکِ کلرِ نرکس ہو معطر کاغذ
 یاد قامت میں یہ آس کی نہیں لکھتا ہوں الف
 بیٹ میں اپنے تو یہ مارے ہے خنجر کاغذ

کیوں نہ ہو گردِ تصویر کے مانند یہ دل
 اُس کی تصویر کا رکھتا ہوں میں دل پر کاغذ
 شب کو مت جان کہ ہے نقطہٴ ہر اختر سے
 صفحہٴ لیلیٰ گردوں کا مشور کاغذ
 صورتِ کاغذِ آتش زدہ جلتا ہے نصیر
 یہ مری آہِ شرر بار سے جل کر کاغذ

۲

سوزِ دل میں لکھا جب تجھے جاناں کاغذ
 سر پر موئے قلم سے ہوا سوزاں کاغذ
 غلط کو کہتے ہیں کہ ہے نصف ملاقات پر آہ
 گاہ کالجے تو یہاں بھیجے پاراں کاغذ
 یہ نہ جانا تھا کہ ہوں ہرزے آڑیں گے خط کے
 بھیج کر بھی ہوئے ہم تجھ کو ہشیاں کاغذ
 اُس کے کوچے کا سراخ آہ نہ پایا ہرگز
 کتنے قاصد ہوئے کم ، راہ میں چنداں کاغذ
 اے نصیر اُس کو لکھا نامہ میں جب رو کر
 اشکِ کل کون سے سرے ہو گیا افشاں کاغذ

۳

حرف ہجراں سے ترے صاف نہیں ہے کاغذ
 نقشِ مسطر ہے کہاں چیں یہ جبین ہے کاغذ
 سرو سے کم نہیں ہر مصرعِ موزوں اپنا
 یک قلم دیکھ تو گلشن کی زمیں ہے کاغذ

بے سرِ سہر لقاہ سے یہ مضمون کھلا
 نامہٴ یار کا کچھ بر سرِ کیں ہے کاغذ
 نامِ عالم میں کیا خانہ نشیں ہو پیدا
 آج تک اس لیے ہابوس لگیں ہے کاغذ
 نامہٴ رو رو کے میں لکھتا ہوں آئے اے قاصد
 ہوگا ابری سے مجھے آج بقی ہے کاغذ
 قصہٴ فرقتِ جانان کے تو لکھنے کو نصیر
 ہمیں کیا چاہیے گر پاس نہیں ہے کاغذ
 شبِ تاریک سے گردوں ہے سیاہی و دوات
 کہکشاں خامہٴ مدِ ہالہ لشیں ہے کاغذ



حواشی

غ ۱ (جب لکھنا کیا) م ، ہنیالہ - ۱ آصفیہ ، رضا ، سخن (۱ تا ۳ نہیں) -
شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ انتخاب -

ش ۳ الف : عین جلی (ہنیالہ سہو) -

ش ۴ الف : ذات قدرت (رضا سہو) -

ش ۵ ب : جن کو نہیں (رضا سہو) -

سب کو نہیں (آصفیہ سہو) -

لسخند ہنیالہ میں جو زائد اشعار ملتے ہیں ، وہ ممکن ہے مصنف نے
بعد میں اضافہ کیے ہوں -

غ ۲ (اولک گیا) ۶ ، ۵ آصفیہ ، رضا ، ہنیالہ ، سخن (۲ نہیں) - شعر ۳
بے غزاں -

ش ۳ الف : جاری تھے (رضا) -

ش ۴ ب : یہ اشک کیوں (رضا) -

غ ۳ (لکا بیٹھے جو ہم چھیٹا) ۸ آصفیہ ، رضا ، ہنیالہ ، سخن -

ش ۲ الف : بناوٹ کا لگاوٹ کا (ہنیالہ سہو) -

ش ۴ الف : آئے ہے ولکِ دل (سخن سہو) -

ش ۶ الف : کہہ دیتی ہے (سخن) -

ش ۷ ب : سورہ جن پڑھ کے دم (آصفیہ ، رضا ، ہنیالہ ، سخن) -

غ ۴ (دود آہ کا ٹکڑا) ۱ آصفیہ ، رضا ، ہنیالہ ، سخن - ش ۱ ، ۲ ، ۳ دکا -
۱ شعراء -

- ش ۱ ب : ابر ہار کا ٹکڑا - (شعرا سہو) -
 ش ۶ ب : جو اس ے گناہ کا ٹکڑا (پشالہ) -
 ش ۷ ب : ہے وہ ماہ کا ٹکڑا (پشالہ)
-

- غ ۵ (ہاں چمکا) ۱۶ رضا ، پشالہ -
 ش ۲ ب : آپو کے نکلا سر پہ (رضا) -
 ش ۵ ب : (یہاں) لم کا (رضا سہو) -
 ش ۷ ب : بھروسہ ہے نہیں (رضا) -
-

- غ ۶ (کھلایا بیڑا) ۷ آصفیہ ، رضا ، پشالہ ، سخن - ش ۱ لغز ، ذکا ،
 دواوین ، انتخاب - ش ۵ شعرا -
 ش ۶ الف : یا بفلک (پشالہ سہو) -
 ش ۳ الف : تو اب کہتی ہے (سخن) -
 ش ۳ ب : یعنی کس رو سے ترے ہاتھ سے پایا (پشالہ سہو) -
 ش ۵ الف : کہ جھٹ جان گئے (شعرا) -
-

- غ ۷ (خطِ رحمان ایسا) ۸ آصفیہ ، رضا ، پشالہ ، سخن - ش ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۶ ،
 ۷ ، ۸ ، ایات ، قلمی - ۱ ذکا ، لغز ، دواوین ، طبقات ،
 لازلیان -
 ش ۱ ب : لکھیں ہا قوتِ قائم خاں (غزنیہ) -
 ش ۳ ب : قربت قیس پہ ہے (سخن) -
 ش ۶ الف : سر الہائی کی نہیں خنجر، صفتِ فرصت ہی (سخن سہو) -
-

- غ ۸ (ہم خواب نہ ٹھیرا) ۱۱ رضا ، پشالہ -
 ش ۱۱ الف : اس بھر میں لازم ہے (رضا) -
-

- غ ۹ (سیلاب نہ ٹھہرا) ۱۱ رضا ، ۱۰ پٹیالہ ، سخن (۳ نہیں) -
 ش ۵ الف : آیا نہ کبھی (سخن) -
 ش ۹ الف : تو قصے کتناں ہو گئے (رضا) -

- غ ۱۰ (اسیر ہوا) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن - ش ۴ ، ۳ ذکا ،
 ۔ بے خار ، عوض ، منادیل ، شعرا -
 ش ۳ الف : ہمیں اس سے (سخن) -
 بہت اس سے (پٹیالہ) -
 ش ۴ ب : ہلال عید یہ گردوں پر (پٹیالہ) -
 ش ۵ الف : فلک نے بھول کے بھی (پٹیالہ) -
 ش ۸ ب : یہ ہے ہاں یہ اب فقیر (سخن) -

- غ ۱۱ (لٹکانے لگ گیا) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن - ۸ پٹیالہ (۶ نہیں) -
 ش ۱ الف : رات تری زلف میں (رضا) -
 رات زلف یار میں (پٹیالہ) -
 ش ۹ الف : ہیکلی کیوں کر نہ ہو جوں نکہت کل (پٹیالہ) ۱ -

- غ ۱۲ (ہنر دکھلا دیا) ۱۵ رضا ، پٹیالہ -
 ش ۵ الف : پہنچی تھی واں (رضا سہو) -
 ش ۱۳ ب : فوسین میں دیے ہوئے لسخے کی اصل عبارت پٹیالہ میں
 کچھ اس طرح ہے : ”گو مرویدے“ جو سہو کتابت ہے -
 ش ۱۴ الف : مایل ۴ اس پردہ نشیں کے چشم و لب پر (رضا) -
 ش ۱۴ ب : ہر تسکین کیا کہوں کیا جان کو (رضا) -

۱- پٹیالہ میں مقطع حاشیے پر لکھا ہے -

۲- یہ تخلص شاہ نصیر کے استاد کا ہے ۹۱

غ ۱۳ (خاکستر لگا) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن - ش ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ادبیات ، قلمی -

ش ۳ الف : ہڑا ہے شور (ادبیات ، قلمی) - ۱ شعرا -

ش ۷ ب : اور دوش پر بستر لگا (آصفیہ ، رضا) -

ش ۸ الف : نخل قامت کے (سخن سہو) -

ش ۱۰ الف : سیر کرنے بالغ میں (سخن) -

ش ۱۱ ب : کس طرح اڑ جائے اب کوجہ میں - (آصفیہ ، رضا) -

غ ۱۴ (شام غرت کا) ۱۱ ہشیالہ - ۱۰ رضا ، سخن (۱۱ سخن نویں) -
ش ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ انتخاب - ۲ ذکا -

ش ۳ الف : ہر دم سرو پر کھینچے (سخن) -

ش ۵ ب : سحر مذکور تھا خورشید رو (رضا) -

سحر خورشید رو مذکور تھا (ہشیالہ) -

ش ۷ الف : کیسے ہے شمع (سخن) -

ش ۱۰ الف : نصیر اب اس کی ابرو کو نہ کیولکر ہم کسریں سجدہ

(رضا ، سخن) -

غ ۱۵ (مقتدر ہو چکا) ۷ رضا ، ہشیالہ -

غ ۱۶ (زلفیں بنانے کا) ۱۰ رضا ، ہشیالہ - ۸ سخن (نمبر ۳ و ۴ نویں)
ش ۳ شعرا -

ش ۲ الف : بد باعث آدم و حوا کے تھا (سخن) -

ش ۸ الف : چکر میں - (رضا) -

۱- مقطع حاشیے پر لکھا ہے -

۲- ہشیالہ میں آٹھ اور نو نمبر شعروں کے آخری مصرعے بدل دیے گئے ہیں
اور سرخ روشنائی سے ان پر نمبر ڈال کر ٹھیک کیا گیا ہے -

غ ۱۷ (آنسو بہانے کا) ۸ پشمالہ - شعر نمبر ۳ و ۴ رضا -

غ ۱۸ (سہندی لگانے کا) ۹ رضا ، پشمالہ -

غ ۱۹ (کدیر دل میرا) ۱۰ پشمالہ - ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن (نمبر ۱۰ نہیں) -

ش ۴ الف : سنگ حوادث سے (پشمالہ) -

ش ۵ الف : اُسے خاطر (پشمالہ سہو) -

ش ۶ الف : خیال چشم جاناں کیا نصیر اب مجھ کو رہتا ہے (آصفیہ ، رضا ، سخن) -

غ ۲۰ (دیدہ تر باتھ اتھایا) ۸ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن -

ش ۱ الف : میں اب دیدہ تر (پشمالہ) -

ش ۲ الف : اس منہ کے پڑھا منہ (سخن سہو) -

ش ۳ الف : خط آتے ہمیں اس کی (آصفیہ سہو) -

ش ۴ الف : کہنا ہے کہ خط لکھتے سے . . . نصیر اب (سخن) -

غ ۲۱ (اٹھا لایا) ۹ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن - ش ۶ شعرا -

ش ۴ الف : آکر بھی رات شاخ مڑے (سخن سہو) -

ش ۵ ب : ورق دل کے (پشمالہ) -

ش ۸ الف : میں دیکھنے کو لیسے (سخن سہو) -

ش ۶ ب : اس شوخ سے جو قاصد خط بھی (آصفیہ ، رضا ، سخن ،

شعرا) ۴ -

۱- رضا میں غزلوں کی تعداد تین ہے مگر تعداد اشعار و ترقیب میں اختلاف ہے -

۲- اس غزل اور اس سے چلی غزل میں نسخہٴ پشمالہ میں بہت سے شعر مشترک ہیں ، بعض یہ اختلاف نسخ ہیں اور بعض نئے ہیں -

- غ ۲۲ (نو دل اپنا بھرتا) ۱۸ رضا - ۱۶ ہشالہ (۱۲ و ۱۳ نہیں) -
 ش ۵ ب : کہ یہ رہتا ہے شب و روز (رضا) -
 ش ۹ الف : شرم سے سوج نہ کیوں دامن ساحل میں چھپے (رضا) -
 ش ۹ ب : لب دریا کرتا (ہشالہ سہو) -
 ش ۱۱ الف : خار صحرائے جنوں خمیر میں اے واے
 ش ۱۳ ب : خاک پاتھوں سے ترے آہلہ (رضا) -
 (رضا میں یہ تبدیلی ”بدلہ“ لکھ کر حاشیے پر کی گئی ہے) -

- غ ۲۳ (لوکا بھرتا) ۹ ہشالہ - ش ۱ ، ۱۱ ، ۱۳ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ رضا -
 ش ۱ الف : میں ترے واسطے ہوں دیکھ تو کب کا بھرتا (رضا) -

- غ ۲۴ (دوبارہ اپنا) ۸ آصفیہ ، رضا ، ہشالہ ، سخن - ش ۱ و ۲ ادبیات ،
 ہشالہ - ۱ ذکا -

- ش ۱ ب : ابھی گردش میں کوئی دن ہے (آصفیہ ، رضا ، ہشالہ ،
 سخن) -

- ش ۳ ب : تختہ باغ ہے یہ تخت مزارا (آصفیہ) -
 (’مزارا‘ سہو کثابت ہے ، ’ہزارا‘ ہونا چاہیے) -
 تختہ یہ ہزارا (سخن سہو) -
 ش ۶ الف : چا ذقن میں ہی (ہشالہ سہو) -

- غ ۲۵ (ستانے سے جدا) ۱۰ ہشالہ - ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن (۵ نہیں) -
 ش ۳ الف : آئی بیش آنے سے ترے (ہشالہ) -
 ش ۱۱ الف : جب سے رخ پر تیرے (ہشالہ) -
 کدوگنی ہے جس سے رخ ترے بن اے ایروکان (کذا) - (آصفیہ) -
 ش ۸ ب : آج غوارے کو (آصفیہ ، رضا ، سخن سہو) -

غ ۳۶ (بدظن سمجھا) ۱۔ رضا ، پٹیالہ (نمبر ۳۱ نہیں)۔

غ ۳۷ (کاٹ کے یہ سر پھینکا) ۵۔ پٹیالہ۔

ش ۱ ب : جو تو نے فلک پر (رضا)۔

۳ الف : کشتی* دل (رضا)۔

غ ۳۸ (شہر بلبل کترا) ۶۔ پٹیالہ۔ ۵۔ آصفیہ ، رضا ، سخن (۶ نہیں)

ش ۱ ، ۲ ادبیات ، قلمی۔

ش ۵ ب : اے نصیر آ کے خزاں نے (آصفیہ ، رضا ، سخن)۔

غ ۳۹ (صورت جاناں ہو گیا) ۱۱۔ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن۔

ش ۱ ڈکا۔

ش ۳ ب : شیشہ کبھی بنا کبھی پروانہ (آصفیہ ، سخن سہو)۔

ش ۶ الف : یاد میں کرتا ہوں رات دن (پٹیالہ)۔

غ ۴۰ (کا کل دل ہو گیا) ۷۔ رضا ، پٹیالہ۔

غ ۴۱ (غیر کو اپنا سمجھا) ۲۰۔ رضا۔ ۱۶۔ پٹیالہ (۷۱ نہیں)۔

غ ۴۲ (سلام عاشق کا) ۵۔ رضا پٹیالہ۔

ش ۲ الف : بے خواہش (رضا سہو)۔

غ ۴۳ (سہر دوغشاں بن گیا) ۷۔ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن۔

ش ۳ الف : شیشہ* دل میں ہے بے ڈھب (رضا ، پٹیالہ سہو)۔

غ ۴۴ (دل دار الہ بیٹھا) ۶۔ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن۔

ش ۲ ، ۳ انتخاب۔

- ش ۴ ب : مرے پاؤں کی وہ آہٹ ہے ہو بیدار (سغن) -
 ش ۷ الف : چھاتی پہ سوتا تھا (سغن) -
 ش ۸ ب : سیاہی نے جو گھیرا (پشمالہ) -

- غ ۳۵ (خیال نقش پا) ۷ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ - ۶ سغن (۶ نہیں) -
 ش ۱ ڈکا -
 ش ۲ الف : بیتاب ہے سینہ کی آہ (سغن) -
 ش ۳ الف : حصہ صحرا میں ہے (سغن سہو) -
 ش ۴ الف : رنگ گل غالب ہے دیکھ آ (رضا) -

- غ ۳۶ (ہلال اس کا) ۱ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سغن -
 ش ۳ الف : حاصل شکستگی ہے (آصفیہ سہو) -
 ش ۶ الف : جوڑائی انہی کر لے (رضا سہو) -
 ش ۷ الف : دیکھیے نگاہ بھر کر (پشمالہ) -
 ش ۷ ب : لرگیں ہے چشم اس کی کر کے خیال اس کا (رضا سہو) -
 ۱ الف : خط سے نصیر اس کے کیا حسن کی ہے رونق (سغن) -

- غ ۳۷ (صفا طینتوں نے کیا دیکھا) ۳ رضا ، پشمالہ -

- غ ۳۸ (تہ آیا تو ہوا کیا) ۷ رضا - ۸ پشمالہ - (۷ تا ۱۵ نہیں) -
 ش ۳ ب : یان شام سے نا صبح جگایا (رضا) -
 ش ۵ الف : منہ لال کیا (رضا) -
 ش ۶ الف : اچھا ہوا ہم نامہ (رضا) -
 ش ۸ الف : مر جانے سے تو ہم رہے گو (رضا سہو) -
 (اس موقع پر 'جوں' ہونا چاہیے) -

ش ۱۶ ب : کر تو نے نصیر (رضا) ۔

ش ۱۷ الف : جیتے رہے ہم دلنے کو چھاتی یہ تری موتک (رضا) ۔

غ ۴۹ (جامہ* عربانی کا) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، ہشیالہ ، سخن ۔

ش ۳ الف : عیث ابھرے ہے [آصفیہ ، رضا ، ہشیالہ ، سخن (لفظ ”ہے“

ان تمام نسخوں میں سہر کتابت معلوم ہوتا ہے ۔ اس کی جگہ

”تھا“ ہونا چاہیے] ۔

ش ۴ الف : اشک کے پی جانے سے (ہشیالہ) ۔

ش ۷ الف : روز رہے جب کہ وہ دامن سے لگا (آصفیہ ، رضا سخن) ۔

غ ۴۰ م (دیدۂ تو ہائی کا) ۶ شعر ایک مصرع : رضا ۔

غ ۴۱ م (ہر ایک کے نشان کا) ۸ آصفیہ ، رضا ، ہشیالہ ، سخن (۷ ، نہیں) ۔

ش ۸ : نصیر آنکھوں سے دیکھتے ہیں کب اُس کا اہل نظر سماسا

بزار سر پر زمیں نے اپنے بھرا ہے شیشہ یہ آسماں کا (سخن)

غ ۴۲ م (ہر تیر کی صدا) ۹ آصفیہ ، رضا ، ہشیالہ ، سخن ۔ ش ۷ گلستان ۔

ش ۳ الف : یہ آہ یہ دل حزین (ہشیالہ) ۔

ش ۱۱ الف : گردوں نے رکٹھی کان میں (ہشیالہ) ۔

ش ۵ الف : نہ روئے کی (ہشیالہ سہو) ۔

ش ۷ الف : خانہ خراب کب (گلستان) ۔

ش ۸ الف : مارے نہ کیوں ہلال یہ انگشت کمکشان (ہشیالہ) ۔

ش ۹ الف : کیوں کر نہ بھلا طعمہ* شاہین ہو (آصفیہ ، رضا ، سخن) ۔

غ ۴۳ م (تاباں دریا) ۱۰ ہشیالہ ۔ ۹ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، سخن ، قلمی ۔

(۱۰ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، سخن ۔ ۱۰ ، ۵ قلمی نہیں) ۔

ش ۵ الف : گردش چشم دکھاتا ہے نہیں ہے کشتی (آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، سخن) ۔

ش ۸ الف : کہ کتول روشن ہے (آصفیہ ، رضا ، سخن سہو) ۔

ش ۹ الف : جوش چراغاں ہے نصیر (آصفیہ ، رضا ، سخن) ۔

ش ۹ ب : خود مماشے کو بنا (آصفیہ ، رضا ، سخن) ۔

خ ۳۳ (نغم گسار رہا) ۱۲ رضا - ۱۰ آصفیہ ، پٹیالہ - ۹ سخن (۳ ، ۳ ، ۳ آصفیہ ، پٹیالہ - ۲ ، ۳ ، ۳ سخن نویں) ۔

ش ۵ ب : ترے دل میں ہے غبارِ رہا (سخن) ۔

ش ۹ ب : اگر رہا بھی تو بس اک یہ (سخن) ۔

خ ۵۳ (گرہ گیر میں الجھا) ۸ آصفیہ ، رضا ، سخن - ش ۱ ذکا -

ش ۹ الف : اے عاقل نادان (رضا سہو) ۔

خ ۶۳ (در آئے گا) ۲۳ رضا - ۲۱ پٹیالہ (نمبر ۳ ، ۱۱ ، ۲۳ نویں) ۔

ش ۷ الف : میں نے راہ عشق میں (رضا) ۔

ش ۲۳ الف : شوق شہادت ہے ہمیں (رضا) ۔

خ ۷۳ (حیرت جگا) ۸ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن - ۷ ادبیات ، قلمی (۶ نویں) ۔

ش ۱ الف : حسرت جگا (ادبیات ، قلمی) ۔

ش ۲ الف : زلف چھٹ اے دل خیال رخ میں اُس کے مت جگا (ادبیات ، قلمی)

اُس کے خیال زلف میں دل مت جگا (پٹیالہ سہو) ۔

ش ۳ الف : زلف مبوش ہے دلا (پٹیالہ ، سخن سہو) ۔

ش ۷ الف : ناقہ لیلیٰ کا کرے گا (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۸۸ (لگاتا تیر کا) ۱۲ آصفیہ ، رضا ، ہشیالہ - ۱۰ سخن ، آصفیہ ، رضا -
 ۱۰ ، ۱۱ سخن نہیں - ش ۱۰ شعرا -

ش ۲ الف : لٹالہ تیر کا (رضا) -

ش ۲ الف : لگاتا تیر کا (ہشیالہ سہو) -

ش ۲ ب : اب ہوا خاطر نشیں (آصفیہ ، رضا ، سخن سہو) -

ش ۷ الف : مڑکان ناوک صید گیر (رضا سہو) -

ش ۸ ب : سیکھ لے ابو و کہاں (ہشیالہ) -

غ ۹۹ (حلقہ نہ بنا) ۱۳ رضا ، ہشیالہ -

ش ۷ الف : کون جان ہر سرے قاتل سے ہوا آہ نصیر (رضا) -

ش ۷ ب : کس کی وہ جان کے لینے کو (رضا) -

ش ۹ ب : حیف کہ شیشا نہ بنا (رضا سہو) -

غ ۵۰ (مکتدر کروں گا) ۱۴ آصفیہ ، رضا ، سخن ، ہشیالہ -

ش ۳ الف : وہ آیا ہے (ہشیالہ) -

ش ۵ الف : نہیں موم ہوتا ہے دل سخت اس کا (ہشیالہ) -

غ ۵۱ (اسے بتاں بہر خدا) ۱۴ آصفیہ ، رضا - ۱۰ ہشیالہ ، سخن (۸ ، ۱۱

ہشیالہ - ۱۰ ، ۱۱ سخن نہیں) -

ش ۳ الف : گلی رغو خط کا ہے کفر (ہشیالہ) -

ش ۹ الف : خنجر و تلوار تک (سخن) -

ش ۱۰ ب : لے اجل آئی بن آئے پھر وہاں (آصفیہ) -

ش ۱۱ ب : ناوک مڑکان نہیں (آصفیہ) -

غ ۵۲ (مابوس ہیں گویا) ۸ رضا ، ہشیالہ -

ش ۸ الف : کیا مجھے سوچھا (رضا سہو) -

غ ۵۳ (لدم آٹھ نہیں سکتا) ۱۶ سخن - ۱۳ ہشیالہ - ۱۲ رضا - ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ہشیالہ - ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ رضا نہیں) -

(شعر ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۸ ، آصفیہ - ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ انتخاب) -

ش ۲ الف : آہ جگری کو (آصفیہ ، رضا ، سخن ، انتخاب) -

ش ۷ الف : ہر جا متجلی ہے وہی (سخن) -

غ ۵۴ (تہ کلہ ٹوٹ گیا) ۱۱ رضا ، سخن - ۱۰ ہشیالہ (۷ نہیں)

ش ۱ ب : تجھے اے ساقی کم ظرف (ہشیالہ)

ش ۸ ب : ٹھیس ہے اس فاس سرد سے تو (ہشیالہ سہو)

غ ۵۵ (سرو سامان بھلا) ۹ رضا - ۸ ہشیالہ ، سخن (۸ ہشیالہ ، ۲ سخن نہیں) -

ش ۷ الف : ہاٹ دریا کا بنا دامن صد چاک نصیر (ہشیالہ) -

ش ۸ ب : ہم نے اغوش دیا اے سر تابان بھلا (سخن)

ش ۹ الف : ہم سید بخت دکھائیں گے لیا چرخ کیبود (ہشیالہ) -

ش ۹ ب : دود آہ جگری گر شب ہجران بھلا (رضا ، ہشیالہ) -

غ ۵۶ (جانب ہاسوں ہوا) ۹ رضا ، ہشیالہ - ۷ سخن (۳ ، ۵ نہیں) -

ش ۲ الف : جلوۂ رنگ شفق سے رنگ سے الزون ہوا (ہشیالہ) -

ش ۶ الف : کیا کہوں خالد لبِ جانان کی کیفیت نصیر (سخن) -

ش ۶ ب : نشہ سے کے برابر (رضا ، سخن) -

ش ۹ الف : اک نظر میں کر کے مفتون (سخن) -

غ ۷۷ (مسند زر زہرا) ۱۴ ، رضا ، ہشالہ ، سخن - شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۵ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۱ ، ۱۳ ، انتخاب -

ش ۱ الف : ہالش سر چاوشے (رضا ، سخن) -

ش ۲ الف : روندے لخت دل عاشق کو (سخن) -

ش ۳ الف : رکھ کے کیا کہتے ہیں وہ یہ دیدہ تر (رضا ، ہشالہ ، انتخاب

ش ۱۰ الف : ہاتھ اے غافل آٹھا (ہشالہ) -

غ ۵۸ (دل کو رکھ کر زہرا) ۱۳ ، ۱۲ ، ہشالہ ، سخن (۸ ہشالہ ، ۱۰ سخن نہیں) - شعر ۳ ، ۵ ، ۷ ، ۸ ، ۱۱ ، ۱۲ ، انتخاب -

ش ۶ ب : جو اسیروں کے ملے تو توڑ کر پر (ہشالہ سہو) -

ش ۱۰ الف : چھوڑ کر مجھ کو (رضا) -

ش ۱۲ ب : ہوگا تیرے ایک برباد (رضا سہو) -

غ ۵۹ (تیرے دلبر زہرا) ۱۶ ، رضا ، ہشالہ - ۱۲ سخن (۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ سخن نہیں) - شعر ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۱۶ ، انتخاب -

ش ۱۰ الف : سرور پر دوسرا اپنا ہے (سخن) -

غ ۶۰ (وہ شمع رو نہ آٹھا) ۷ ، آصفیہ - ۱۶ ہشالہ ، سخن (۴ سخن نہیں) - شعر ۱ ، ۳ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، انتخاب -

ش ۱ الف : لو لک رہی ہے جب سے (آصفیہ ، ہشالہ) -

ش ۵ الف : کیا جائے یہ کیا تھا (آصفیہ سہو) -

ش ۷ ب : کارِ رفو (ہشالہ) -

۱۔ آصفیہ میں یہ غزل دوبارہ نقل ہوئی تو شعر ۱ تا ۱۱ اور مقطع بھی شامل کیے گئے -

- ش ۸ الف : آخر کو کھکشاں ہی پکسر وہ مانگ نکلی (سخن) -
 ش ۱۲ ب : میں تو ابھی آہ لے کر (سخن) -
 ش ۱۷ ب : تیری زبان سے کس دن (پشالہ سہو) -

- غ ۹۱ (سر مرگان نکلا) ۱۱ ، ۱۰ رضا - ۸ پشالہ (۷ رضا ، ۷ ، ۸ ، ۹ ،
 پشالہ نہیں) - ش ۱ انتخاب -
 ش ۱ ب : وہ طوفان نکلا (پشالہ) -
 ش ۹ الف : بانگ ناقوس تھی لبیک حرم زاہد کو (پشالہ) -
 ش ۱۰ ب : جس کو سب کہتے تھے ہندو سو مسلمان (پشالہ)
 ش ۱۱ الف : دیکھا تو تعبیر (پشالہ سہو) -

- غ ۹۲ (بہرام ہوگا) ۱۱ آصفیہ ، پشالہ ، سخن - ۸ کستان ، شعرا ، بزم سخن -
 ش ۱۰ ب : جو تیرا گنر گر لب بام ہوگا (پشالہ سہو) -
 ش ۱۱ الف : بھول سکتے ہیں بھر ہم (آصفیہ) -

- غ ۹۳ (جب سے کہ منظور ہوا) ۱۳ آصفیہ ، پشالہ ، سخن -
 ش ۱ ب : جلوۂ صبح ہمیں جو (ن) شب دیجور ہوا (آصفیہ) -
 ش ۲ الف : شبم ہی نہ کچھ روق ہے (آصفیہ ، سخن) -
 ش ۳ الف : نہ گردش سے چھٹا میں اندوس (سخن) -
 ش ۹ ب : نہ جس بزم میں منظور ہوا (پشالہ سہو) -
 ش ۸ الف : اُس ساقی مخمور کو ہم (پشالہ) -

- ۱- نسخہٴ پشالہ میں غزل دو بار نقل ہوئی ہے - ایک روایت میں شعر ۱ ، ۱ ،
 ۱۲ ، ۱۱ شامل نہیں -

- ش ۷ الف : کڑو پیل (آصفیہ سہو) گڑبیل (رضا سہو) -
 ش ۸ الف : برق بھی تھی یہ بھامی کا نشان لے کر ساتھ (آصفیہ ، رضا) -

- غ ۹ الف (الفت کے ہنر کا) ۹ رضا ، ہشالہ - ۱۰ سخن (۱۱ سخن نہیں) -
 ش ۲ ب : مثلر گلر خورشید (رضا ، ہشالہ) -
 ش ۳ ب : کیا سرو چراغاں ہے آئند کے (سخن) -
 ش ۵ الف : لیلانے سیکسار (رضا) -
 ش ۶ ب : لرکس نہیں محتاج (سخن) -
 ش ۱۰ ب : ہستی سے قدم ہستی میں (رضا سہو) -

- غ ۱۰ الف (جب کہ قائل رہ گیا) ۱۰ ہشالہ - ۹ سخن (۹ سخن نہیں) -
 ش ۱ ب : انگشت حسرت (سخن) -
 ش ۲ الف : اس دہان تنگ کو یا دوج در (ہشالہ) -
 ش ۳ الف : ساغر کشی کو دیری دریا پر (سخن) -
 ش ۵ الف : زلف تک سوتے ہوئے (سخن) -
 ش ۵ ب : منہ اپنا سا لے کر ماہ کامل (سخن) -
 ش ۷ الف : دیکھ کر چہرہ مخطّط اس لہر جاں بخشی کا (ہشالہ سہو) -
 ش ۱۰ الف : ماجرا اس ضعف تن کا (ہشالہ) -

- غ ۱۱ الف (ذرا آتش کا) ۹ رضا ، ہشالہ - ۵ سخن (مقطع سخن نہیں) -
 ش ۳ الف : داغ دل کو سرے (رضا ، سخن) -
 ش ۵ الف : ہو گیا ہے سینہ کباب (سخن) -

- غ ۱۲ الف (خوف ہے کیا آتش کا) ۷ رضا - ہشالہ ۶ سخن ، ادبیات ، قلمی -
 (ش ۶ ادبیات ، قلمی ، سخن نہیں) -

ش ۲ الف : دل ہے ہر داغ تو کس طرح نہ روؤں سچ ہے (ادبیات ، سخن) -

ش ۳ ب : شاید اس باغ میں کوئی بھول پڑا (رضا ، ادبیات ، قلمی) -

ش ۴ الف : آتشیں رخ سے ملا اس کے لہ تو ریش کو شمع (ہیالہ) -

: آتشیں رخ کو نہ چھو اُس کے تو اس ٹاڑھی سے شیخ

(رضا ، ادبیات ، قلمی) -

ش ۵ ب : وہ فریگی کا بھیدوکا ہے نرا (ہیالہ) -

ش ۶ ب : ہم نے جانا کہ گویا شعلہ اٹھا (رضا ، ادبیات ، قلمی) -

غ ۳ ے (میرا خون نہ ٹھیرے گا) ۱۳ رضا ، ہیالہ - ۱۰ سخن (شعر ۱۰ ،

۱۱ تمیں) -

ش ۷ ب : کبھی بھی یوں نہ ٹھیرے گا (سخن) -

ش ۸ الف : برنگ طائر سیاب گو ہے بال و ہر ہے (گا) - (سخن) -

ش ۹ ب : دل مضطر کو ہے تیرے جہاں ٹھیروں نہ ٹھیرے گا

(کذا) (سخن) -

ش ۱۰ الف : کہے تھا رات کیا وہ سہر طلعت (رضا) -

غ ۴ ے (جانبِ باموں نہ ٹھیرے گا) ۱۰ رضا ، ہیالہ - ۸ سخن (کبیر ۸ ، ۹

سخن نہیں) -

ش ۱۱ الف : شمشیر قاتل کا (ہیالہ سہو) -

ش ۱۲ ب : گشتوں کا پیر خون (ہیالہ سہو) -

ش ۱۳ ب : کبھی لب ہر پارا (سخن) ۹ -

- ش ۳ الف : بمقرب کو ہووے (سخن) -
 ش ۴ ب : بر سر دیوار (رضا سہو) -
 ش ۵ الف : کس طرح ہو ہو حیرانی (رضا) -
 طرح ہو آب سے روشن (سخن) -
 ش ۷ الف : اگر روئندہ ہو لرکسی لعجب باغیاں کیا ہے (سخن) -
 ش ۸ الف : ادا ہو گز نہ ہو تو بھی (سخن) -
 ش ۱۱ الف : کہکشاں سے بدر کو نسبت (رضا) -
 کہکشاں و بدر کو رشتہ (پشمالہ) -

غ ۸۰ (عاشق کو غم ہوا) ۸ سخن -

غ ۸۱ (دل آرام بہارا) ۱۳ رضا ، پشمالہ - ۷ سخن (۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ سخن نہیں) -

- ش ۱ الف : ملتے ہی گیا راحت و آرام بہارا (رضا - پشمالہ) -
 ش ۲ الف : کیا تھر ہے اوروں سے تو ملتا رہے ظالم (سخن) -
 ش ۳ ب : اور مفت میں بدنام ہو اب نام بہارا (سخن) -
 ش ۴ ب : دکھ مت مٹے کلکوں سے (رضا ، پشمالہ) -
 ش ۵ الف : کس طرح نکل جاؤں میں لک آنکھ چا کر (سخن) -
 ش ۷ ب : جوں شانہ ہے اے زلف سیدہ غام بہارا (پشمالہ سہو) -
 مگر زلف سیدہ غام بہارا (رضا سہو) -
 ش ۸ الف : چنچا سکا نہ کوئی ایک اُس شوخ کے منہ نال (رضا سہو) -
 ش ۱۱ الف : آغاز اسیری میں نہیں طاقت پرواز (پشمالہ) -

غ ۸۲ (مذکور ہے بہارا) ۸ - پشمالہ - ۶ سخن (۲ ، ۸ سخن نہیں) -

- ش ۶ الف : دوش بہار پر بھی مثل سیو ہے غنچہ (پشمالہ) -
 ش ۶ ب : ابر و ہوا (پشمالہ : اتھار لگاوش) -

- غ ۸۳ (شہید مغفور ہے بہارا) ۹ پشمالہ - ۷ سخن (۷ و ۸ سخن نہیں) -
 ش ۸ ب : ہر اشک سبز دیکھو (سخن) -
 ش ۵ الف : نیش مڑا اس کی (پشمالہ) -

غ ۸۴ (وا سحر ہوا) ۹ رضا ، پشمالہ - ۸ ، ۵ ، ۴ ، ۳ سخن -

- غ ۸۵ (چمن میں گزر ہوا) ۹ رضا ، پشمالہ - ۶ سخن ۱ - (۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ سخن نہیں)
 ش ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ادبیات ، قلمی -
 ش ۷ الف : دیدہ صبیادہم صغیر (سخن) -
 ش ۸ ب : خاتم ہے یعنی (ادبیات سہو) -

- غ ۸۶ (وہ سے نوش کل گیا) ۱۰ رضا ، پشمالہ (۱۱) ۹ سخن (ش ۱۰ سخن نہیں) -
 ش ۱ الف : جو وہ انسوس کل گیا (سخن) -
 ش ۸ ب : آلتے بٹھتے کوئی (رضا سہو) -
 ش ۷ ب : قربان اس اکڑ پہ تری پیریل گیا (سخن) -
 ش ۸ الف : خطِ سبز کو وہ دیکھ (سخن) -
 : خطِ سبز دیکھ کر (پشمالہ) -

- غ ۸۷ (بروانہ جل گیا) ۱۳ ایک مصرع ۱۳ رضا ۱۱ پشمالہ (۱۴ رضا نہیں ،
 ۱۰ ، ۹ مصرع ۱۳ پشمالہ نہیں) ش ۱۴ سخن -

- غ ۸۸ (اے جان میں بھٹکا کیا) ۵ سخن - (ش ۱ ، ۲ ادبیات ، قلمی) -

- ۱- سخن میں یہ ایک ہی لہزل ہے - (۱۱) رضا میں شعر ۹ کا مصرع کافی کثافات سے رہ گیا -

- ش ۱ الف : کس اندھیری رات (سخن) -
ش ۲ الف : شام کو کوٹھے پر (سخن) -

ع ۸۹ (ہم کتنا کیا ، ہم نے کیا کیا) ۱۲ رضا ، پشمالہ - ۱۱ سخن (۱۱) سخن نہیں) -

- ش ۵ ب : کیوں چہر اختیار کیا - (پشمالہ : انداز نگارش) -
ش ۶ الف : گلے اور دوسری (پشمالہ) -
ش ۱۱ الف : دست چنوں نے جب سے رشتہ کو دور آج (رضا) -

ع ۹۰ (صبح چار کھینچا) ۹ رضا ، ادبیات ، قلمی - ش ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ سخن ۱ -

ع ۹۱ (نقش و نگار کھینچا) ۱۲ رضا ، ادبیات ، قلمی - ش ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ سخن -

- ش ۵ الف : بہنہ میں آہ کا اب باقی نہیں خلش کچھ (رضا ، پشمالہ سمرو) -
ش ۵ ب : یہ تو نے خار کھینچا (رضا ، پشمالہ) -
ش ۱۲ الف : دست طمع کو اپنے کیسے نصیر ہم نے (ادبیات ، قلمی) -
: یعنی کب سے نصیر ہم نے (رضا) -

ع ۹۲ (خستہ حال کے کیسا) ۱۵ رضا ، پشمالہ - ۸ سخن - ش ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ سخن نہیں -

- ش ۷ الف : سرید دل تھا ہوا (رضا ، پشمالہ) -
ش ۱۳ الف : خال زلف کو دیکھ (سخن) -

غ ۳۳ (میں تھا کہ تاب لایا) ے رضا ، مجمع الانتخاب - ۵ سخن (ش ۳ ، ۴ ، ۵ سخن نہیں) -

ش ۵ ب : شکل حباب لایا (سخن) -

ش ۷ الف : چپ رہ نصیر ہی اب (سخن مجمع ، الانتخاب -

غ ۳۴ (لقاب اٹھا) ے ہشیالہ - ۵ سخن (ش ۵ ، ۶ سخن نہیں) -

ش ۳ الف : کہ دستِ ابرو سے جانان ترے مطالع سے (ہشیالہ) -

غ ۵۵ (کٹاری کو لگانا کیا تھا) ۸ رضا - (ش ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ سخن ۱) -

غ ۶۶ (دستِ حنائی سے لگانا کیا تھا) ۸ رضا - (ش ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۸ سخن) -

غ ۷۷ (جوں شمع زباں کھجے گا) ۵ رضا - ۸ سخن -

(ش ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ سخن نہیں) -

غ ۹۸ (خواہاںِ نالہ تھا) ۱۱ رضا ، ہشیالہ - ۱۰ سخن (ش ۵ سخن نہیں) -

غ ۹۹ (کل خنداں پیدا) ۱۳ رضا ، ہشیالہ ، سخن ۲ - ۹ انتخاب (۱۲ سخن ،

۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۲ انتخاب نہیں) -

ش ۲ ب : آکشی سے ہے طوفانِ پیدا (ہشیالہ سہو) -

ش ۳ ب : ہر دم میں ہے جانانِ پیدا (ہشیالہ سہو) -

۱- سخن میں یہ ایک ہی غزل ہے -

۲- شعر ۱۲ سخن میں غزل دوم میں شامل ہے -

- غ ۵۔ ۱ (بجز انکار کچھ نہ تھا) ے رضا - ۵ سخن (ش ۵ ، ۶ سخن نہیں) -
 ش ۱ الف : قبہ کو جب اور جہاں (رضا - سہو) -
 ش ۵ ب : لب آنکھ ہو گئی (رضا سہو) -

- غ ۶۔ ۱ (بعد و شر خاکستر رہا) ے ہشمالہ ، ۵ سخن ' - (ش ۵ ، ۶ سخن نہیں) -
 ش ۱ الف : شور غم سے (سخن) -
 ش ۲ الف : صورت ہستی نہ پھر دیکھی ہشکل رفتگان (ہشمالہ) -
 میں پھر دیکھی (ہشمالہ ب) -
 ش ۳ الف : وادی " وحشت طلب میں ہوں غبار عاشقان (ہشمالہ ب) -
 ش ۴ ب : رشک چشم شمع پھر (ہشمالہ) -
 ش ۵ الف : ناخند کے زیب تن (ہشمالہ ب) -
 ش ۶ ب : نقش پائے عاشقان (ہشمالہ ب) -

- غ ۷۔ ۱ (خاک آلودہ تن کسی کا) ۳ سخن (نامم) -

- غ ۸۔ ۱ (ثابت نہ مرا دکھا) ۵ رضا - (ش ۱ ، ۲ سخن) -

- غ ۹۔ ۱ (اشک چکیدہ تھا) ثانی ۵ رضا ، سخن (نامم) -
 ش ۲ الف : کیا حال ہوسیاں ترے نیاز کا (سخن) -

- غ ۱۰۔ ۱ (دامن گیر پر لکھا) ۸ رضا ، ہشمالہ - ۷ سخن (ش ۸ سخن نہیں) -
 ش ۱ الف : فنا کا حرف چپ ہستی " دامن گیر (ہشمالہ) -
 ش ۱ ب : تو قتل شمع گریاں - (ہشمالہ) -

۱۔ نسخہ ہشمالہ میں یہ غزل دو بار نقل ہوئی ہے - دوسری غزل کے اختلاف کو ب سے ظاہر کیا گیا ہے -

ش ۴ الف : قرے ابو پہ کالب نے (سغن) -
 ش ۵ الف : جواب لاسہ الف (سغن) -

خ ۱۱۱ (بیکان کا لوہا) ۸ رضا - (ش ۱ ، ۲ سغن ، انتخاب ، ذکا ، نگر ،
 دواوین - ۲ بیخار ، طبقات ، سنادید ، شعرا -

خ ۱۱۲ (خنجر ہران کا لوہا) ۹ ، ۸ رضا ، پشالہ (ش ۸ پشالہ ، ۹ رضا
 نہیں) -
 ش ۴ الف : تکتے کو گنہ گار کے ہے (پشالہ) -

خ ۱۱۳ (رشک حورکا) ۱۲ رضا ، پشالہ - ش ۱ سغن ، انتخاب ، لازینان ،
 دواوین ، شعرا -
 ش ۱ الف : ہے لیا جھومر کا عالم (پشالہ سہو) -
 ش ۱ ب : سرو میں دیکھانہ تھا خوش لگا - (پشالہ) -
 ش ۲ الف : داغ دیکھوں پا کہ عالم (رضا سہو)
 ش ۹ الف : اثر سے جس کے فلس (پشالہ ۴) -

خ ۱۱۴ (موتی ہے ہم کا) ۱ سغن ، انتخاب -

خ ۱۱۵ (خون ٹپک کر رہ گیا) ۱۳ ، اصلہ ، رضا ، سغن -
 ش ۱ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ریاض - ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳
 انتخاب) -

- ۱- یہ شعر 'رضا' میں فردیات میں بھی شامل ہے -
- ۲- پشالہ میں دونوں طرح موجود ہے - حاشیے پر 'بدلہ' لکھ کر 'فلس' بڑھایا گیا ہے -

ش ۱۲ الف : گرا تھا ٹوٹ کر (ریاض) ۔

غ ۱۱۶ (آخر کو رہوں گا) م سخن (لائمام) ۔

غ ۱۱۷ (دلبر نہیں بھرا) ۱۱ سخن ۔

غ ۱۱۸ (اگر چاندی کا) ۷ سخن ۔

غ ۱۱۹ (اروے غمدار کو دیکھا) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ۔ ۹ سخن (۹ سخن نہیں) ۔

ش ۴ ب : ہوا ہامال وہ جس نے تری رفتار کو (پشمالہ) ۔

ش ۵ ب : فلک نے بھی گلے میں (سخن) ۔

ش ۶ الف : پتھر کا زہرا ہو گیا ہانی (پشمالہ) ۔

ش ۹ الف : کیا پھر عشق میں پر سرو سے سروا نہ تعمیری کا (آصفیہ) ۔

غ ۱۲۰ (لاجوردی کان کا پتا) ۱۱ رضا ، پشمالہ ۔ ش ۱ ریاض ۸ ۔ ۱۱ آصفیہ ، سخن ۔

ش ۵ الف : جو کلبرگ دیکھے ہے وہ کہتا ہے (پشمالہ) ۔

ش ۱۰ ب : نئی ہی شان کا پتا (پشمالہ) ۔

غ ۱۲۱ (مر شمع کو کھوئے دیکھا) ۸ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ۔ ۷ سخن (۲ سخن نہیں) ۔

ش ۴ ب : سدا اشک سے کھوئے دیکھا (سخن) ۔

ش ۶ الف : ہو گیا حلقہ بگوشوں میں ہے مد ہالہ نشینی (سخن) ۔

ش ۶ ب : ماہتابی میں (سخن سہو) ۔

ش ۸ الف : جز خاک نصیر (سخن) ۔

غ ۱۳۵ (دل افکار نہ پایا) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ - ۱۰ سخن (ش ۱۰ سخن نویں) -

ش ۲ ب : اک ہل کبھی شبم کو (سخن) -

ہل اور کبھی شبم کو (پشمالہ ب) -

ش ۳ الف : یہ زندگی اس کے (پشمالہ) -

ش ۳ ب : جس نے کد کبھی (پشمالہ) -

ش ۴ ب : پتھروں سے بٹا (پشمالہ ب) -

ش ۴ ب : پتھروں سے بھرا دامن کہسار نہ پایا (پشمالہ) -

ش ۸ ب : ابتر گھر بار نے ہی (پشمالہ : انداز نگارش) -

غ ۱۳۶ (شرمکین وہا) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن - ش ۱ ، ۲ ادبیات قلمی -

ش ۱ الف : شب دیکھ تجھ کو (سخن) -

ش ۱ ب : تا چند آفتاب ہی (پشمالہ سہو) -

ش ۶ الف : حیراں مثال آئینہ کے چشم انتظار (پشمالہ) -

ش ۷ الف : یوں دور خط سبز ہے روئے صم کے گرد (پشمالہ) -

ش ۹ الف : اک آئہ نہا سو بھی گیا خار غم سے بھوٹ (سخن سہو) -

ش ۱۰ الف : جون نوح ہاتھ مار لیے کیا (آصفیہ) -

غ ۱۳۷ (جو مصفا کرتا) ۳۰ پشمالہ - ۲۳ رضا - ۱۷ سخن ، انتخاب - ۱۳ دواوین ، نازنینان ، آصفیہ -

۱۔ لفظ 'پشمالہ' میں یہ غزل دو بار نقل ہوئی ہے - دوسری روایت کی

نشان دہی ب سے کی گئی ہے -

۲۔ اس زمین میں 'رضا' میں دو غزل موجود ہے -

- (ش ۲ : ۴ ، ۵ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ : رضا نہیں ۔
 ش ۳ : ۱۵ : سخن ۔ ش ۱ : ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ :
 ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ : قازینان ۔ شعر ۵ : کو حذف کرتے
 ہوئے (اصفہ نہیں) ۔ ش ۲ : ۱۵ ، ۱۶ : شعرا ۔
 ش ۲ : الف : دست پر نور یہ تیرا جو (سخن) ۔
 ش ۱۴ : الف : چشم حیرت زدہ سے آنکھ دل کیا ہو (پشمالہ) ۔
 ش ۱۳ : ب : ابتر تصویر سے پائی (پشمالہ : انداز نگارش) ۔
 ش ۱۴ : ب : یہ پہولا کھوتا (پشمالہ) ۔
 ش ۱۸ : الف : ترے رخسارے کی (اصفہ) ۔
 ش ۲۸ : صفحہ دل سے غرض حرف گان بد کو (پشمالہ) ۔

غ ۱۲۸ : (نظر میں تنکا) ۸ : پشمالہ ۔

- غ ۱۲۹ : (دیدہ تر میں تنکا) ۱۵ : رضا ۔ ۱۲ : پشمالہ ۔ (ش ۵ ، ۶ ، ۸ ، ۱۲ : پشمالہ
 نہیں) ۔ ش ۱ : ۱ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ : سخن ۔ انتخاب ش ۱ ،
 ۱۱ ، ۱۲ ۔
 ش ۱۰ : الف : کہ اذان دی ہے ۔ (پشمالہ) ۔

- غ ۱۳۰ : (چور ہے شیشا) ۱۰ ، ۹ : رضا ، پشمالہ (نمبر ۸ : رضا ، پشمالہ نہیں)
 ش ۱ : ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ : سخن ، انتخاب ۔
 ش ۴ : ب : شمع طور ہے شیشا ۔ (رضا سہو) ۔
 ش ۷ : ب : ساتیا مخمور ہے شیشا (رضا ، پشمالہ سہو) ۔

- غ ۱۳۱ (کان کا بالا زلف کا حلقہ) ۱۰ ، ۹ ، رضا ، ہشیالہ (ش ۸ رضا) ،
ہشیالہ نہیں) - ش ۱ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ سخن ، انتخاب -
ش ۴ الف : سچ ہے سوائے دست شانہ کسی کا منہ ہے - (ہشیالہ) -
ش ۵ الف : دن رات لگے ہی رہتے ہیں (ہشیالہ) -
ش ۶ الف : آج زلیخا کاش کے ہوتی (سخن ، انتخاب) -
: گریہاں ہوتی دام کمند میں جاں ہے پھنسی (رضا) -

- غ ۱۳۲ (حبیب ہے دویا) ۶ رضا ، ہشیالہ -
ش ۱ الف : ہر ایک موج ہے (رضا سہو) -
ش ۲ الف : دن کی رات نہ کر (ہشیالہ سہو) -

- غ ۱۳۳ (زولار کا ہشیا) ۹ رضا ، ہشیالہ - ش ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۹ سخن ،
انتخاب -
ش ۲ الف : ہر ورق تر کو (سخن سہو) -
ش ۳ الف : اے کودک نادان (ولہا) -

- غ ۱۳۴ (نائوانی ہو گیا) ۴ ہشیالہ -

- غ ۱۳۵ (رخ دلبر ہوتا) ۸ رضا ، ہشیالہ - ۵ سخن ، انتخاب (ش ۳ ، ۶ ،
۷ نہیں) -

- ش ۸ الف : صاف ہم قطع نظر عکس دوتی سے کرتے (سخن ، انتخاب) -

- غ ۱۳۶ (چٹکا لک گیا) ۵ رضا - ۴ بیج انتخاب - ہشیالہ ادبیات - قلمی
(نمبر ۵ نہیں) -

- ۱- رضا میں اس غزل کو ردیف ہائے ہوز کے تحت درج کیا گیا ہے -

- غ ۱۳۷ (برابر جو تہ پایا) ۹ ہشالہ - شعر ۱ ، ۲ ادبیات ، قلمی -
 ش ۵ ب : چاک گریبان (ہشالہ—کاٹ کر اصلاح کی گئی ہے) -
 ش ۷ الف : طے کر کے گئے - (ہشالہ سپہ) -
-

- غ ۱۳۸ (گزر تیرا) ۹ رضا ، ہشالہ -
 ش ۲ الف : الفت قبر طلعت (رضا) -
 ش ۲ ب : سدا ہے چاک گریبان جو اے سحر تیرا (ہشالہ) -
 ش ۶ الف : بیرہن سرخ نام میں اے شوخ (خا) -
-

- غ ۱۳۹ (دل سوزاں میں گیا) ۱۸ ، ۱۳ ہشالہ (ش ۸ ، ۹ ، ۱۱ ، ۱۵ ،
 ۱۶ ہشالہ نویں) -
 شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۱۳ سخن — شعر ۱ ، ۸ ، ۹ ، ۱۱ ، ۱۵ ،
 ۱۷ ، ۱۸ رضا - شعر ۳ غزلتہ -
 ش ۳ ب : اے شوخ تری شان میں کیا (غزلتہ) -
-

- غ ۱۴۰ (کسبیں ذرا ٹھیرا) ۱۲ ، ۱۱ رضا ، ہشالہ (ش ۱۲ رضا ، ش ۹
 ہشالہ نویں) - شعر ۳ ، ۵ ، ۶ ، ۱۱ ہشالہ میں غزل دوم میں
 شامل ہیں -
 ش ۳ الف : مکان سینہ میں (رضا) -
 ش ۷ الف : کر لہ کاوش اشک (ہشالہ) -
-

- غ ۱۴۱ (وہ دل ریا ٹھیرا) ۱۱ رضا - (ش ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ رضا نہیں) -
 شعر ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ سخن -

شعر ۴۰ پشالہ میں یہ شعر مقطع ہے :
 نمبر چشم کا یار لالوائ ہے طیب
 جو اس کے حق میں (پشالہ) -

غ ۱۴۲ (لد اصلا کھولا) ۴۰ رضا -

شعر ۱ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، سخن ، انتخاب -
 شعر ۸ شعرا -

ش ۱۱ الف : قید الفت میں ہے وہ چین کہ قمری نے آہ (سخن) -

غ ۱۴۳ (نمبر ہو نہیں سکتا) ۴۰ رضا - ۸ سخن ، انتخاب (شعر ۳ ، ۴ ،

۵ ، ۶ ، ۷ سخن ، انتخاب نہیں) - شعر ۱۱ شعرا -

ش ۸ الف : مسی تک اپنے لب پر مل کے (سخن) -

ش ۱۰ الف : اپنی دکھلائی (رضا) -

ش ۱۱ الف : گرفتار تعین (رضا) -

غ ۴۴ (ملک عدم مشکل ہوا) ۱۰ رضا -

شعر ۱ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، سخن - شعر ۱ ، ۵ ، ۶ ،
 ۱۰ پشالہ -

ش ۱ ب : کوئی بھی رہو نہ یارو ہمو منزل (رضا) -

ش ۶ الف : یار کا چہرہ کتابی (سخن) -

غ ۵۳ (خارت دل ہوا) ۱۹ پشالہ -

۱- پشالہ میں مذکورہ زمین دو غزلہ ماتی ہے - یہ دوسری غزل پہلی غزل

کے ساتھ نہیں ، بعد میں نقل ہوئی - اس میں مقطع وہی ہے جو غزل اول

میں شامل ہے - اس کے علاوہ شعر بھی شامل ہیں جو غزل اول میں

نمبر ۳ ، ۷ پر آتے ہیں -

غ ۱۳۶ (بیچدار خط کا) ۱۰ رضا ، ہشالہ - (شعر ۱ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ،
سخن ، انتخاب) -

ش ۳ ب : ہے تم کو ہار خط کا (رضا ، ہشالہ سہو) -

غ ۱۳۷ (بادیہ بجا نہیں ہوتا) ۱۷ رضا - ۱۶ ہشالہ - ۱۱ سخن ،
انتخاب - (شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ سخن انتخاب نہیں) شعر ۳
ہشالہ نہیں ، شعر ۷ بزم سخن ، شعرا -

ش ۱۲ ب : مجنوں یہ مثل سیج ہے (سخن انتخاب سہو) -

ش ۱۷ ب : ہایل کو کیہی (ہشالہ سہو) -

غ ۱۳۸ (آنسو نہ سلاسل لہکا) ۱۳ رضا - ۱۲ - ہشالہ ، سخن (۱۳ ہشالہ ،
سخن نہیں) -

ش ۱۱ الف : تنک ظرف سے کیوں کر جاری (سخن) -

ش ۱۲ الف : اس خط سبز کا دل میں جو تصور تھا نصیر (ہشالہ) -

غ ۱۳۹ (شجر ہے نیچا) ۱۳ رضا - ۱۲ ہشالہ (۱۱ ہشالہ نہیں) - شعر ۱ ،
۲ ، ۳ سخن ، انتخاب -

ش ۳ ب : کان کا لالہ "ہرخوں کے تو گھر ہے نیچا (رضا ، ہشالہ
سہو) -

غ ۱۴۰ (طفیلی گھٹا) ۲۳ رضا - ۲۱ ہشالہ (مکبر ۵ ، ۱۸ ہشالہ نہیں) -
شعر ۱ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۲ ، ۲۳ سخن ، انتخاب -

۱ ، ۵ ، ۱۱ ، ۱۸ آصفیہ -

ش ۸ ب : وہ قطرہ انشائی (ہشالہ سہو) -

- ش ۹ الف : دور کمر خطر سپہ رخ سے (پشمالہ) -
 ش ۱۶ ب : کسی پرستانی گھٹا (پشمالہ) -
 ش ۲۲ الف : تو نے کہا کی ہے نصیر (سخن ، انتخاب) -

- غ ۱۵۱ (خمدار سے چمکا) ۱۸ و ۱۷ رضا ، پشمالہ (۱۸ نہیں) -
 (ش ۱ ، ۱۳ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ سخن انتخاب) -
 ش ۱۳ ب : شعلہ نہ تورا کوچہ منظر سے (پشمالہ سہو) -

- غ ۱۵۲ (پوروں کو حنا) ۱۳ رضا ، پشمالہ - ش ۱ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ،
 ۱۲ ، ۱۳ سخن ، انتخاب -
 ش ۷ الف : فندق ہائے بتان کی خوبیاں کہتی تھیں آہ (رضا) -
 ش ۷ ب : ان کے کوروں کو (پشمالہ) -

- غ ۱۵۳ (چشم کے پیاروں کا) ۱۳ رضا ، پشمالہ -
 ش ۳ الف : دل سوز کی تربت یہ نہیں (رضا) -
 ش ۱۳ الف : لکھو کے نصیر (رضا) -

- غ ۱۵۴ (مہ ہاروں کا) ۱۰ رضا ، پشمالہ -
 ش ۸ ب : جس میں بہتر ہے (رضا) -

- غ ۱۵۵ (سہر درخشاں بن گیا) ۷ رضا - ۵ مجمع الانتخاب (شعر ۱۰ ،
 ۶ نہیں) -

- غ ۱۵۶ (طوقان نظر آیا) ۹ رضا - ۸ پشمالہ (شعر ۷ پشمالہ نہیں) -

- غ ۱۵۷ (چشم تر سے باندھنا) ۱۱ رضا - ۹ پشمالہ (شعر ۷ ، ۹ پشمالہ
 نہیں) -

- غ ۱۵۸ (دیکھو سفر کیا) ۱۰ رضا ، پشالہ -
 ش ۳ الف : رستہ نہ کہوں کہ ہو (پشالہ) -
 ش ۶ ب : چین جبین یار کو (پشالہ) -
 ش ۷ الف : رنگ بہار ہے (پشالہ) -
 ش ۱۰ الف : دور فلک ہے ہو مستحفل^۱ (کذا) (پشالہ) -
-

- غ ۱۵۹ (جو تہہ خاک چڑھا) ۹ رضا - ۷ پشالہ (شعر ۵ ، ۶ پشالہ نویں) -
 ش ۳ الف : دریا ہے کوئی (رضا) -
 ش ۷ ب : ہم کو دکان یہ (پشالہ) -
-

- غ ۱۶۰ (دیدہ نمناک چڑھا) ۹ رضا ، پشالہ -
 ش ۲ ب : کہ بگولے کی طرح ٹپکے ہے (پشالہ) -
-

- غ ۱۶۱ (تب یکسو ہو) ۹ آصفیہ ، رضا - ۸ پشالہ -
 ش ۱ ب : بردہ جب یکسو کیا (آصفیہ ، رضا سہو) -
 ش ۲ ب : جب سنگ پر چلو کیا (آصفیہ ، پشالہ) -
 ش ۳ الف : چوں نقش نگین (پشالہ) -
 ش ۳ ب میں نے جدھر کو رو کیا (پشالہ) -
 ش ۶ الف : کون تھا بتا کرے بالین یہ (پشالہ) -
 ش ۶ ب : درد دل ہی نے اچھے (پشالہ) -
 ش ۷ ب : اور تھہرے کل رو کیا (پشالہ) -
 ش ۸ الف : اس کو ہاں (پشالہ) -
-

غ ۱۶۲ (دل میں مارا) ۱ آصفیہ ، رضا ، ہنیالہ ۔

ش ۸ الف : رُوبِ قفس طائرِ دل (رضا ، ہنیالہ) ۔

ش ۹ الف : جب کہ ہلائے کو (ہنیالہ) ۔

ش ۱۰ ب : جام اٹھا کر جوں یی (رضا) ۔

ش ۱۰ ب : چپ رلک محل میں (ہنیالہ) ۔

غ ۱۶۳ (عصافیر اڑا) ۱ آصفیہ ، رضا ، ہنیالہ ۔

ش ۲ الف : تو رقیبوں کا تو دل (آصفیہ ، رضا) ۔

ش ۷ ب : سوید بھی مری تقدیر (آصفیہ ، رضا) ۔

ش ۸ الف : برق کوئلے سے ترے (آصفیہ ، رضا) ۔

ش ۹ الف : ترے لعل پری (ہنیالہ : انداز نکارش) ۔

ش ۱۰ ب : مل کے ساتھ اپنے (آصفیہ ، رضا) ۔

غ ۱۶۴ (عاشق دلگیر کا) ۱ رضا ، ہنیالہ ۔

غ ۱۶۵ (بہت تباہ کیا) ۱ مجمع الانتخاب ، رضا ، ہنیالہ ، ادبیات ، فلسفہ ۔

ش ۳ ب : مثل شاخ تاک کیا (مجمع الانتخاب) ۔

: نے بھی تاک کیا (مجمع الانتخاب) ۔

: کبھو مرے دل صد چاک نے نہ تاک کیا (ہنیالہ) ۔

غ ۱۶۶ (دل ڈھونڈتا) ۱ رضا ، مجمع الانتخاب ۔ ۸ ہنیالہ (شعر م ہنیالہ نہیں) ۔

ش ۱ ب : کیوں بھروں دامن ساحل (ہنیالہ) ۔

ش ۶ الف : آہن درہوزہ دیدار کو بھرتا ہے روز (ہنیالہ) ۔

ش ۹ الف : نصیر اشک ندامت بھی (ہنیالہ) ۔

غ ۱۶۷ (قرآن عاشق کا) ۷ رضا ، ہشیالہ -

ش ۳ الف : واہ خدا اے بت (ہشیالہ) -

غ ۱۶۸ (غزالہ عزمِ شکار آیا) ۹ رضا ، ہشیالہ -

غ ۱۶۹ (دوبارا ٹوٹا) ۹ ہشیالہ -

غ ۱۷۰ (شام عاشق کا) ۵ رضا ، ہشیالہ -

ش ۲ الف : ماحر لبریز دے (ہشیالہ) -

ش ۲ ب : رہے اس دور میں افسوس خالی جام (ہشیالہ) -

ش ۳ الف : تجھے پہنچتے ہیں (ہشیالہ) -

ش ۳ الف : کسی معشوق کو دیکھا نہ مرنے بدلے عاشق کے ہشیالہ -

ش ۳ ب : بد معشوقوں کے سر باقی ہے اک (ہشیالہ) -

غ ۱۷۱ (قاتل نے ستایا) ۱۲ ہشیالہ - ۱۱ رضا (۱۲ رضا نہیں) - ش ۱ ، ۱ ، ۱

۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ سخن -

ش ۱ ب : رخ یار کے ہے تل نے ستایا (سخن) -

غ ۱۷۲ (لے کر سو پہنچا) ۷ رضا ، ہشیالہ -

ش ۳ الف : کرد لب تیرے (ہشیالہ) -

غ ۱۷۳ (صمصام لیتا تھا) ۱۶ رضا - ۳ ہشیالہ -

غ ۱۷۴ (قرآن لیا) ۲۲ ہشیالہ -

ش ۲ ب : روز اس گھر میں اک آ رہتا ہے (رضا) -

ش ۱۳ الف : کیا عجب ہے کہ کرے وہ (ہشیالہ) -

غ ۱۵۷ (باندھا ہوتا) ۳۵ رضا - ۳۳ پشمالہ (شعر ۶ ، ۷ ، ۸ پشمالہ نہیں) -
ش ۱۰ ب : ہمارے سر پر سے اتارا ہوتا (رضا سہو) -

غ ۱۵۶ (کار صد اشتر کیا) ۱۰ رضا ، پشمالہ -
ش ۹ ب : تو نے کچھ دھوئے خون شیریں نہ خسرو پر کیا (رضا) -

غ ۱۵۵ (چشم یار کا سایا) ۱۰ رضا ، پشمالہ -
ش نمبر ۵ الف : نہ کیوں تجھ پر نصیر اب سورۃ جن پڑھ کے دم
کیجے (رضا) -

غ ۱۵۸ (تو کیا نہیں آتا) ۱۳ رضا - ۱۲ پشمالہ (شعر ۱۱ نہیں) -
ش ۱۲ الف : ہوس دل (رضا میں ص بنا کر حاشیے میں 'نفس شرم'
کیا گیا ہے) -

غ ۱۵۹ (نہیں کچھ دود سا لپٹا) ۱۰ ، ۸ پشمالہ (شعر ۲ ، ۳ پشمالہ نہیں) -
شعر ۲ ، ۳ ادبیات (قلبی) -

غ ۱۸۰ (چہان بالدھا) ۱۶ رضا ، پشمالہ -

غ ۱۸۱ (میاں بالدھا) ۸ رضا -

غ ۱۸۲ (چہانا اچھا) ۱۳ رضا ، پشمالہ -

غ ۱۸۳ (ہم سر نہیں ہاتا) ۱۲ رضا ، پشمالہ -

ش ۲ ب : رات کو اللہ کر (رضا) -

ش ۷ ب : ہوں لنگ چنگ (رضا) -

غ ۱۸۴ (سوجہ طوفان کیا) ۱۷ رضا - ۱۶ آصفیہ ، پشالہ - ش ۱۰ . آصفیہ ،
پشالہ نہیں) -

- ش ۲ الف : عشق نے جنگ کا (پشالہ) -
ش ۵ الف : تار زلف (آصفیہ ، رضا سہو) -
ش ۶ ب : فاتحہ کو بھی گزر گاہ (رضا سہو) -
ش ۷ الف : لیک برسویں دن ہوئی (رضا) -
ش ۱۲ الف : ختم پڑھنے کے لیے (پشالہ) -
ش ۱۳ ب : داغ دل بہتر از ہجر لوان (رضا) -

غ ۱۸۵ (دوق و باران کا) ۱۸ رضا -

غ ۱۸۶ (تیر نگاہ پیشہا) ۱۰ رضا -

غ ۱۸۷ (چشمہ ہم کو چلا) ۷ رضا ، پشالہ (شعر ۱ ، ۲ ادبیات قلمی) -
ش ۲ الف : کبھی شیخ جی (پشالہ) -

غ ۱۸۸ (کنچر تنہائی ملا) ۹ پشالہ -

غ ۱۸۹ (بستر گل پر نہ ہوا) ۲۰ رضا ، ۱۷ پشالہ - (ش ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ پشالہ
نہیں) -

- ش ۳ ب : جوہر نہ ہوا (رضا ، پشالہ سہو) -
ش ۷ الف : پتہ گلنام دم یادہ کشی (رضا) -
ش ۱۳ الف : تیا ہکولا جو ہوا خواہ (رضا) -

غ ۱۹۰ (الفصیل لک دیکھا) ۹ پشالہ - ۷ رضا (شعر ۳ و ۷ نہیں) -
ش ۶ الف : ہوا چپ قل (رضا سہو) -

غ ۱۹۱ (بہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا) ۱۱ رضا ، پشمالہ ، دواوین - (ش ۱ ،
 ۵ ، ۷ ، ۸ ، ۹ شعرا)

ش ۲ الف : میں نے گلشن ہستی میں (پشمالہ) -

ش ۳ ب : رفیق سرا (پشمالہ) -

ش ۴ الف : نے پھر طواف کعبہ گئے (پشمالہ ، شعرا) -

ش ۵ الف : فریاد نے چیرا جا کے جبل (پشمالہ) -

ش ۶ الف : کیا دن کو نہ دیکھا (پشمالہ ، دواوین) -

ش ۷ الف : گویا تھی یہ غزل (دواوین) -

غ ۱۹۲ (ستارا ڈوبا) ، ۱ رضا - ۹ پشمالہ (شعر ۸ پشمالہ نہیں) -

ش ۸ ب : دل صاف ہمارا ڈوبا (رضا) -

غ ۱۹۳ (بدن گل ٹھنڈا) ۱۱ رضا ، پشمالہ -

غ ۱۹۴ (دل بلبل ٹھنڈا) ۱۲ رضا ، پشمالہ -

ش ۹ الف : تیز مزاجوں کی (رضا) -

غ ۱۹۵ (کیا بتایا مانپنا) ۱۸ رضا ، پشمالہ -

ش ۱۰ الف : جیب کے دامنِ عقل (پشمالہ) -

ش ۱۱ الف : تیرے عشق میں (رضا) -

ش ۱۲ ب : دامنِ ابرو سے (رضا سہو) -

غ ۱۹۶ (گجرا پھولوں کا) ۱۱ رضا ، پشمالہ -

غ ۱۹۷ (سیم تن دیکھا) ۸ رضا - ۷ پشمالہ (شعر ۲ پشمالہ نہیں) -

ش ۱۳ الف : جس کے سانسے تم نے (رضا سہو) -

غ ۲۰۱ (گہرا کر اٹھا) ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱ (ش ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱) -

ش ۱۱ الف : کوئی دم تو اور شرط سیر ہستی کر حباب (سخن سہو) -
 ش ۱۸ ب : گدہ لیے پھرتا ہے اب میرا (سخن) -
 ضد لیے بھرتی (انتخاب) -
 ش ۲۳ الف : اس کو یک جان اور دو قالب (سخن) -

غ ۲۰۲ (بط مے کے شکار کا) ۲۷ رضا - ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱ (ش ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱) -
 شعرا - ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱ (ش ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱) -
 ش ۱۰ الف : مجنوں سے جو ناتواں لیاٹی کو (سخن) -
 ش ۱۱ الف : چمکا در ہلاق جو اس سے رات کو (شعرا) -
 ش ۱۲ الف : قاب کرے ہے مابی زیر زمین تھی (شعرا) -
 ش ۱۳ ب : دشمن ہے نخل قامتِ نابالدار کا (شعرا) -

غ ۲۰۳ (نشہ' بنگ آبی گیا) ۱۰ رضا - (ش ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱) -
 سخن ، انتخاب -

غ ۲۰۴ (فرد باطل ہونے کا) ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱ (ش ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱) -

اشعار : رضا

فردیات : کبیر ۱ ، ریاض ، کبیر ۲ ، شعرا ، کبیر ۳ ، شعرا ، کبیر ۴ ، شعرا ،
 کبیر ۵ ، رضا ، (سخن) -



۱- شعر کبیر ۳ کے مصرع آخر کے بجائے ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱ (ش ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱) کا آخری مصرع لکھا ہوا ہے جو سہو کتابت ہے -

ردیف ب

غ ۱ (ساق کفام شراب) ۴ رضا ، پشمالہ - ۱۹ انتخاب - ۱۶ سخن -

(ش ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ انتخاب - ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ،

۱۰ ، ۱۱ سخن نہیں) - ش ۴ ، ۵ ، ۶ ادبیات قلمی -

ش ۱۱ : ساقیا ہند و نصیحت یہ نہ کر (پشمالہ سہو) -

غ ۲ (بیدائش ہاموں نصیب) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ - ۸ سخن^۱ (۷ ، ۱۰ سخن نہیں) -

غ ۳ (منے گلگون نصیب) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن - (ش ۳ پشمالہ ، ۱۱ سخن نہیں) -

ش ۲ الف : لالہ رخ گر لب ہی تیرے غیرت نعل یمن (سخن) -

ش ۱۱ ب : بحر معنی میں مجھ کو گوہر مضمون (پشمالہ) -

غ ۴ (منت کش گرداب حباب) ۱۲ آصفیہ ، رضا ، سخن - ۱۱ پشمالہ - (۸ پشمالہ نہیں) -

ش ۷ ب : جلمِ گرداب ہے لینا ہے منے ناب حباب (رضا سہو) -

ش ۹ ب : روکشی کی نہیں رکھتا ہے ذرا آب حباب (رضا ، پشمالہ سہو) -

ش ۱۱ ب : نہیں کہیاب حباب (سخن) -

۱- سخن میں یہ ایک ہی غزل ہے -

۲- ش نمبر ۱ غزل دوم (آصفیہ ، رضا ، پشمالہ) میں شامل ہے -

غ ۵ (دل بیتاب حباب) ۱۱ سخن ، آصفیہ ، رضا ۱ - ۹ ہتھالہ -
(مبیر ۲ ، ۸ ہتھالہ شامل نہیں) -

ش ۶ الف : مردمان کیا لکھوں (آصفیہ ، رضا) -

ش ۹ ب : جنگ کا اسباب حباب (ہتھالہ) -

غ ۶ (کیا تاب حباب) ۱۰ آصفیہ ، رضا ۴ ، ہتھالہ - ۹ سخن (شعر ۳ سخن نہیں) -

ش ۳ ب : ناف پدیا میں کمر آب حباب (آصفیہ ، کذا) -

ش ۶ الف : بیضہ صرخاب حباب (ہتھالہ سہو) -

ش ۸ الف : مہر لقا دریا کی (سخن) -

ش ۸ ب : شب بہتاب ہے رکھتا ہے (ہتھالہ) -

ش ۱۰ الف : کوئی کیا سمجھے ہے (رضا) -

غ ۷ (اس دل کا اضطراب) ۱۲ ہتھالہ - ۱۱ رضا ، سخن (شعر ۱۲ رضا ، سخن نہیں) -

ش ۱ الف : دیکھے گر اس دل کا اضطراب (ہتھالہ) -

ش ۶ الف : ہنسے قتل مردمان (سخن) -

ش ۹ ب : خشکی میں جود ہو مایہر بحمل کا اضطراب (ہتھالہ - یہ کسی دوسرے شعر کا مصرع ثانی معلوم ہوتا ہے) -

ش ۱۰ الف : گر ہو سوالِ بوسہ نصیر اب تو حیف ہے (سخن) -

: اب بھی سوالِ بوسہ نہ مانو تو حرف ہے (رضا سہو) -

۱- اس غزل کا شعر ۸ آصفیہ و رضا میں غزلِ مبیر ۶ میں شامل ہے -

۲- مقطع کا مصرع ثانی آصفیہ ، رضا میں کثابت سے رہ گیا ہے -

غ ۸ (زنجیر ہو آب) ۹ آصفیہ ، رضا ، ہشیالہ ، سخن ۔

ش ۲ الف : کس طرح شکل شناور کوئی گرداب میں آہ (ہشیالہ) ۔

ش ۳ ب : نکلتے جب مثل گریبان (ہشیالہ) ۔

ش ۴ ب : خانہ چشم کا جب بائیں تعمیر ہو آب (رضا ، سخن) ۔

غ ۹ (دلیر زار شتاب) ۷ رضا ، ہشیالہ ، سخن ۔ ۶ آصفیہ (شعر ۱ آصفیہ نہیں) ۔

ش ۱۰ الف : عارض ہد کھلی زلف سپہ فام اور جان (رضا) ۔

غ ۱۰ (فالوس حباب) ۱ رضا ، ہشیالہ ۔ ۲ سخن (شعر ۵ سخن نہیں) ۔

ش ۳ ب : کھان ہنگ فالوس حباب (ہشیالہ سپور) ۔

ش ۴ ب : دم میں ہو جاتی فنا ہے (سخن) ۔

ش ۵ ب : جان فالوس حباب (ہشیالہ) ۔

غ ۱۱ (دسترس جام شراب) ۱ رضا ، ہشیالہ ، سخن ۔

ش ۲ الف : قافلہ رنداں اب (سخن) ۔

ش ۳ الف : زور چلتا نہیں کاوے ہد لگا ہے تو من (سخن) ۔

ش ۴ الف : یوں ہیں ہم تب سے مرے قبضالے (سخن) ۔

غ ۱۲ (خط و خال سے خوب) ۹ رضا ، ہشیالہ ، سخن (۱ ، ۲ ، ۳ ادبیات قلمی) ۔

ش ۶ الف : نیخ ایرو کے مقابل میں ہے کیا داغ جگر (رضا ، سخن) ۔

ش ۷ ب : واقف اس اپنے ہے (رضا) ۔

۱۔ آصفیہ میں مقطع مجہر ۶ پر لکھا ہے ۔

ع ۱۴ (دل کھائے قریب) ۱۴ رضا ، ہشالہ - ۱۳ سخن - ۱۲ انتخاب -

(شعر ۲ سخن - شعر ۱۰ ، ۱۱ انتخاب نویں) -

ش ۷ ب : جذبہ دل سے آجے (رضا ، ہشالہ ، انتخاب) -

ش ۹ الف : مکس سے کوئی (ہشالہ) -

ش ۱۰ ب : ہنس انکا ہے مجھے (ہشالہ - یہ شعر ۱۰ کا مصرع ثانی ہے) -

ش ۱۱ الف : ملاقات کا نقشہ ہو (ہشالہ) -

ش ۱۲ ب : کوئی نکتہ یہ کسے بیشہ کے سجھائے قریب (سخن) -

ش ۱۳ الف : صرخ نا نا بھی (سخن) -

ع ۱۴ (آتش کہوں کہ آب) ۱۴ سخن ، انتخاب -

ع ۱۵ (دکھاوے شبیر بہتاپ) ۷ رضا ، ہشالہ - ۶ سخن (شعر ۶ سخن نویں) -

ش ۳ الف : اے ساقی گلفام جو تو آئے (سخن) -

ش ۵ ب : گھوڑے کی طرح (رضا) -

ع ۱۶ (زلفِ یار ہے اب) ۱۶ ہشالہ - ۱۳ رضا (شعر ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ رضا نویں) -

(شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ سخن - ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ مجمع الانتخاب -

شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ادبیات قلمی -

ش ۱ الف : یہ زلف یار ہے (سخن) -

ش ۲ ب : وہ سرا دست داغدار (ہشالہ) -

۱- رضا میں مقطع غزل کے درمیان آیا ہے -

- ش ۵ الف : کہا بھروسہ ہے اس کا اے مردم (پشمالہ) -
 ش ۱۵ الف : خلیہ مڑگن بہ اس کو ٹک دیکھو (سخن) -
 ش ۱۶ ب : کہ جگر حسن کا شکار ہے اب (رضا ، مجمع الانتخاب) -
 ش ۱۷ الف : ڈانکے کی چوٹ دیتا ہے (پشمالہ سہو) -

- ع ۱۷ (ہاری سدا گلاب) ۶ رضا -
 ش الف : ہاری سدا گلاب - (رضا سہو) -
 ع ۱۸ (برائے عندلیب) ۶ رضا ، پشمالہ - ۵ سخن (۶ سخن نہیں) -
 ش ۱ الف : گانٹھ میں رکھتا ہے زر اپنی (رضا ، پشمالہ) -
 ش ۲ ب : نالہ "تمری سنا اور ہائے ہائے (پشمالہ) -

- ع ۱۹ (آگے سدائے عندلیب) ۱۱ رضا ، پشمالہ - شعر ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ سخن -
 ش ۷ الف : مست ہیں کس گلبدن کی بوئے عصمت سے لسم (سخن) -

- ع ۲۰ (کھول دیے ہات شتاب) ۷ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن -
 شعر ، ادبیات ، ذکا ، قلمی -
 ش ۱ ب : طائر رنگ حنا اڑ گئی (رضا سہو)
 س ۳ الف : دین یار کا کیا ذکر جلا کلشن کا (آصفیہ ، پشمالہ) -
 ش ۲ ب : اڑ جانے ہے (سخن) -
 ش ۵ ب : اٹھ گیا رو کے بہ پہلو سے مرے (پشمالہ) -
 ش ۶ الف : کھوج ساق سے جو ہوجھا میں سحر کو اس کا (رضا) -
 : کھوج جو مالک سے ہوجھا (پشمالہ) -

غ ۲۱ (رخسار لعیب) ۱۱ رضا -

شعر ۱ نغمہ ، ذکا ، دواوین ، انتخاب ، سخن ، شعرا -

غ ۲۲ (ہم آتش و آب) ۱۰ رضا ، ہشالہ - ۹ ادبیات قلمی (۹ ادبیات قلمی نہیں) -

ش ۲ الف : ان دل و دیدہ کے (ہشالہ ، قلمی) -

ان دل و دیدہ کے ہاتھوں سے کوئی جانے کدھر -

(ادبیات قلمی ، ہشالہ) -

ش ۳ الف : یہ حنا اس نے لگا کر نہیں دھوئے کف ہا (ہشالہ) -

ش ۵ الف : . . . جو ہنستی ہے تو (ہشالہ) -

غ ۲۳ (بت شوخ و شنگ و خواب) ۱۱ رضا ، ہشالہ ، سخن - ۸ انتخاب ب -
(۸ ، ۹ ، ۱۰ انتخاب نہیں) -

ش ۱ الف : پہلو میں جب کہ ہو (رضا ، ہشالہ) -

ش ۵ الف : جوں توں کٹے ہے اب (ہشالہ) -

غ ۲۴ (شمع در تہ آب) ۸ ایک مصرع رضا ، ہشالہ - ۵ سخن -

شعر ۱ (مصرع ثانی) ۲ ، ۳ ، ۴ سخن نہیں) -

ش ۳ الف : کہیں غلط ہیں (رضا سہو) -

- ش ۶ الف : پڑا لکیر پہ سر پٹ پاتھ سے تیرے (قلبی سہو) -
 ش ۷ الف : خیال خواب میں ہیات تیرے جوڑے کا (قلبی) -

- غ ۳ (ہر کہیں کا سانپ) ۶ ، ۸ رضا - ادبیات - قلمی (۸ نہیں) -
 (شعر ۸ ، ۶ ہشالہ غزل کبیر ۲ میں شامل ہے) - شعر ۱ ، ۲ ، ۶ ، ۷
 انتخاب ب -

- ش ۲ الف : بڑی ہلا ہے (ادبیات قلمی) -
 ش ۶ الف : چائے آتا ہے ہاں (آصفیہ) -
 ش ۶ ب : کہ موج اشک بنی (سخن) -

- غ ۴ (دیکھو ہو ادھر چپ) ۱۰ آصفیہ ، رضا -

- غ ۵ (کیوں کہنچے ہیں آپ) ۱۱ آصفیہ ، رضا - ۱۰ ہشالہ ، سخن) -
 (ش ۳ ہشالہ ، ش ۱ سخن نہیں) -
 ش ۱ الف : پھینک کر ہنسی لگہ کی دل پہ کیوں (کذا) (رضا ،
 ہشالہ) -

- ش ۶ ب : دیکھ بھال اب دل پہ کیوں (ہشالہ) -
 ش ۷ الف : کوئی دم دنیا کی کھانے دو ہوا اے قاتلو (ہشالہ) -
 ش ۸ الف : نقش ہٹھلایا دل شیریں (آصفیہ سہو) -

ردیف ت

غ ۱ (راء تیرے بات) ۔ ۱ آصفیہ ، رضا ، ہشیالہ ، سخن ۔

ش ۱ ب : تو دل تکھے ہے کبھی میرے (ہشیالہ) ۔

ش ۵ الف : بجا لے ناز سے (ہشیالہ) ۔

ش ۵ ب : کہ مرگ و زندگی اپنی ہے (آصفیہ ، رضا) ۔

ش ۶ ب : قلم کرے گی یہ زلفِ سیاہ (سخن) ۔

ش ۸ الف : بھلا ہوا نہ گیا کوئے زلف میں تو دل (ہشیالہ) ۔

ش ۸ ب : ورنہ نگاہ تیرے بات (رضا سہو) ۔

ش ۱۰ الف : لکھے ہے کیا کوئی (سخن) ۔

ش ۱۰ ب : نصیر یعنی یہ ہے دستگاہ (آصفیہ ، رضا) ۔

غ ۲ (دُورِ حنا ہاتھوں بات) ۔ ۱ ہشیالہ ۔ ۶ رضا ، سخن ۔ ۸ آصفیہ ۔

(شعر ۲ مصرع اولیٰ ، شعر ۳ مصرع ثانی رضا - شعر ۴ مصرع اولیٰ ،

شعر ۳ مصرع ثانی ، شعر ۸ آصفیہ نہیں) ۔ ش ۱ ، ۲ (مصرع اولیٰ)

م ۱ ، ۶ ، ۷ ، ۹ ادبیات قلمی ۔

ش ۱ ب : باندھی کا (آصفیہ ، ہشیالہ ، ادبیات سہو) ۔

ش ۲ ب : خط مرا ڈاک میں پہنچے ہے وہاں (رضا سہو) ۔

ش ۳ الف : کو یادست بنے (رضا سہو) ۔

تادست بنے (ہشیالہ - سخن) ۔

ش ۵ الف : لمر آئند ہو کیا خاک (ہشیالہ) ۔

غ ۳ (عاشق ہے دل کے بات) ے آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن -

ش ۲ ب : سخت ہی چلتے ہیں (آصفیہ ، رضا) -

ش ۳ الف : آغاز خط ہے مگر کہو۔۔۔ کیہو (آصفیہ ، رضا سہو) -

ش ۵ ب : جھپک گئے ہیں (پٹیالہ سہو) -

غ ۴ (اشکر مسلسل کا تار ساری رات) ۸ رضا - ے ادبیات قلمی -

(نمبر ے ادبیات و قلمی نہیں) -

غ ۵ (سحر بست) ۳ رضا -

غ ۶ (کون دے لا کر بست) ۱۰ رضا ۱ - ۹ سخن (شعر ۹ سخن نویں)

ش ۱۱ الف : جانا ہے تو (سخن) -

ش ے الف : اگر لے باغباں (سخن) -

غ ے (دوچار بست) ۴ رضا - شعر ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ - سخن -

ش ۱۱ الف : ہوا ہے کنج قلمی (سخن) -

غ ۸ (رخ زود بست) ۱۱ رضا - (شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ - سخن) -

غ ۹ (مشہور ہشت دست) ے رضا ، پٹیالہ - ۵ سخن (شعر ۵ ، ۶ سخن نویں) -

۱- رضا میں مطالعے کے معرعے بدل کر لکھے گئے ہیں -

ش ۴ الف : آغشتہ جب کہ پا سے ہو (سخن) -

: جب کہ پا سے ہو رنگ حنا ترے (رضا) -

ش ۵ الف : مشتاق ہوں میں خندق انگشت پائے لاز (کذا)
(پشمالہ سہو) -

غ ۱۰ (زنجیر سر دست) ۱۰ رضا ، پشمالہ - ۹ سخن (شعر و سخن نویں) -

غ ۱۱ (طلحات کی بات) ۷ رضا ، پشمالہ ، سخن -

ش ۴ ب : پوچھ اشارات کی بات (سخن) -

غ ۱۲ (ایک نان درست) ۶ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن -

ش ۱۳ الف : کیا مجھے مدام (پشمالہ سہو) -

غ ۱۳ (مکان سے رخصت) ۷ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن -

غ ۱۴ (غیر کے مطلب کی بات) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن -

ش ۱ ب : دن کا کھانا نہ سمجھیں یاد ہے (آصفیہ ، پشمالہ) -

ش ۲ ب : غیر کے اشہب کی بات (آصفیہ ، رضا ، سخن) -

ش ۵ ب : کتب چشم کے مکتب کی بات (آصفیہ ، رضا ، سخن) -

ش ۸ الف : تجھ سے اور آئندہ کو (سخن) -

غ ۱۵ (کیا دلستان کی بات) ۹ آصفیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن -

غ ۱۶ (سحر کے وقت) ۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ، ۹ پشمالہ (شعر ۲ ، ۵ ، ۵ -
نہیں)۔

ش ۲ ب : جانا ہے قافلہ بھی ادھر (سخن سہو)۔

ش ۵ الف : دینی ہے نان کام (رضا سہو)۔

: دینی ہے نان کے دم (سخن سہو)۔

ش ۶ ب : پناہ بدن خود سپر کے وقت (سخن)۔

ش ۷ الف : طے راہ عشق کیولکہ کرے کوئی چشم سے (سخن)۔

ش ۱۱ الف : عشق میں صیاد ہے نصیر (آصفیہ ، سخن سہو)۔

غ ۱۷ (دیدار کی حسرت) ۱۱ پشمالہ - ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن (شعر ۹ ، ۱۰ ،
نہیں)۔

ش ۲ ب : خاک ہی میں ملائے رہے (آصفیہ ، سخن)۔

ش ۳ ب : بیہات رہی لائیں تلوار کی حسرت (آصفیہ ، سخن)۔

ش ۵ الف : سر کھولے ہوئے شمع بھٹ بیٹھے ہیں ہم آہ (پشمالہ)۔

: شمع صفت ہیں (آصفیہ ، سخن)۔

ش ۸ ب : در و دینار کی حسرت (آصفیہ ، سخن)۔

ش ۱۰ الف : کرتی ہے ملک (پشمالہ سہو)۔

غ ۱۸ (بیمار کی بات) ۶ آصفیہ ، رضا ، سخن -

غ ۱۹ (تھیں نہیں دن رات) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن -

ش ۶ الف : اجل تو یار ہے (آصفیہ ، سخن سہو)۔

- ۱۲ آصفیہ - ۱۳ انتخاب - ش ۱۹ نازنیناں - ش ۳ ، ۵ ، ۱۵ ،
 ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ آصفیہ نہیں - ش ۸ ، ۱۱ ، ۱۳ شعرا -
 ش ۱۲ الف : ہے نمود خط ترے رخ سے اٹھا ست رخ سے زلف (پشمالہ) -
 ش ۱۴ الف : چمن میں اے صبا (نازنیناں ، انتخاب سہو) -
 ش ۱۵ الف : لب دل پر کے ہوں ہو سے یہ خوش (آصفیہ) -

- غ ۳۶ (غنچر سمیت) ۱۸ ، ۱۶ رضا ، سخن - ۱۹ انتخاب - ۱۵ دواوین -
 ۱۳ نازنیناں - ش ۱ پشمالہ - ش ۱ و ۳ انتخاب ب - ش ۱۸ سخن -
 ش ۱ ، ۳ ، ۸ دواوین - ش ۱ ، ۳ ، ۸ ، ۱۸ نازنیناں نہیں -
 ش ۸ الف : سوزن ہے رشتہ ساں ہوں میں تہ یارو دستاب (پشمالہ) -
 ش ۱۱ الف : حلقہ سر میں ہے آہ (سخن) -
 ش ۱۶ الف : اپنی دکھلائے ہے یار (سخن) -
 ش ۱۸ الف : سامنے بٹھے ہیں - (رضا ، انتخاب) -

- غ ۴۷ (رخ جانان سمیت) ۲۳ سخن -
 مطلع ، رضا -



ردیف ٹ

- غ ۱ (تہ گلا داب کے گھولٹ) ۶ رضا ، پشمالہ ، انتخاب ، سخن -
 شعر ۱ منتخبہ -
 ش ۲ ب : ہم نہیں دیکھ کے خون دل بیتاب کے (سخن ، انتخاب ،
 رضا) -

- ش ۵ ب : چاہ کے کیوں نہ ہوں (رضا ، سخن) -
 ش ۶ الف : غم کھاتے ہیں اور ہوتے ہیں (سخن ، انتخاب) -
 ش ۷ ب : آبِ زیرِ مژہ دیدہ کے خواب (پشمالہ) -

غ ۲ (گہات سے چھوٹ) ۶ رضا - ۸ سخن - ۵ ادبیات ، قلمی (شعر ۸ سخن ،
 شعر ۳ ، ۴ ، ۵ ادبیات قلمی نہیں) - شعر ۱ ، ۲ ، ۳ انتخاب ب -

- غ ۳ (جو شب بات سے چھوٹ) ۶ رضا - ۸ ادبیات قلمی ، ۷ سخن -
 (ش ۴ ادبیات قلمی ، ش ۳ ، ۴ سخن نہیں) - شعر ۸ ، ۶ انتخاب ب -
 ش ۱ الف : زلفِ مشکین گئی شانے کے شب بات سے (ادبیات قلمی)
 ش ۵ الف : کہکشاں دیدہ افلاک کو (ادبیات قلمی) -
 ش ۶ الف : گردبادانہ بوٹکتے ہیں ترے (ادبیات ، قلمی سہو) -
 ش ۷ الف : ہے یہی سوچ مجھے (ادبیات - انمی) -



ردیف ث

- غ ۱ (تقدیر کیا باعث) ۶ اصلہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن -
 شعر ۱ ، ۷ انتخاب ب -
 ش ۵ الف : ہمارے خون سے رنگ حنا چتر نہیں (سخن) -

غ ۲ (بہار کیا باعث) ۶ رضا ، پشمالہ - شعر ۱ ، ۲ ادبیات قلمی -

ش ۱ الف : دل مضطر ہوا (پشمالہ) -

غ ۳ (جئے سے ہے ایزار کیا باعث) ے رضا -

ش ۲ الف : مجھے کیوں کر قرار ہو جان من (رضا سہو) -

غ ۴ (بھونا ہے تو عبث) ۵ رضا ، پشمالہ ، سخن -

ش ۵ : ہوتا ہے وہ ہی جو کدہ (سخن) -

☆ ☆ ☆

ردیف ج

غ ۱ (اے تم کو جانے آج) ۵ رضا -

غ ۲ (دل زار کا علاج) ، ۱ آصفیہ - رضا - پشمالہ - سخن - ش ۱ شعرا -

ش ۶ الف : اپنے مسیحا سے ایک دن (سخن) -

ش ۶ ب : ہے یعنی کچھ بھی (سخن) -

ش ۷ الف : بولا یہ دود دل یہ لب عشق ہے (رضا سہو) -

ش ۱۰ الف : مر ہم گئے نہ کسی سے (اصلیہ سہو) -

غ ۳ (خوشی سے آج) ۲ اصلیہ ، رضا ، پشمالہ ، سخن - ش ۸ شعرا -

ش ۲ ب : جاوہب ہے وہ زلف پریشان کی سی (سخن) -

وہ زلف پریشان کسی سے آج (پشمالہ) -

ش ۳ ب : جو گل ہے مفتاح ہے (سخن سہو) -

- ش ۶ ب : مانگیں جو ہائی بحر سے تشنہ لیں گے (آصفیہ) -
 ش ۷ الف : ہے بے عملوں کا نقش (پشمالہ سہو) -
 ش ۸ الف : خالی شکم تورا ہے لب نان (پشمالہ سہو) -

- خ ۹ (انمول تاج) ۷ رضا ، پشمالہ - ۶ سخن (۶ سخن نویں) -
 ش ۲ ب : جو تو دانا ہے (سخن) -

- خ ۵ (کالر تری سچ دھج) ۹ رضا ، پشمالہ ۱ ، ادبیات قلمی - (شعر ۷ ادبیات قلمی نویں) -
 ش ۲ ب : دیکھے جو کبھی موج (سخن) -



ردیف چ

- خ ۱ (گھر بیچ) ۲۱ رضا ، پشمالہ -
 ش ۱۸ ب : نہ سمجھ اس کو مگر بیچ (پشمالہ) -
 ش ۱۹ ب : ٹھوکر کا نہ ڈر ہے نہ ہے گونے کا خطر بیچ (پشمالہ) -

- خ ۲ (کا کل خمدار نہ کہینچ) ۳ رضا -

۱- پشمالہ میں شعر ۲ ، ۳ کے مصرع ہائے اخیر بدل گئے تھے ، مراتب نسخہ نے بہتر دیکھ کر صحیح کیا -

ش ۷ الف : آگ ہے دشمنِ مو (پشالہ ۱) -

ش ۱۲ ب : موجِ ہمِ شمشیر کے ہیچ (رضا) -



ردیف ح

غ ۱ (جامِ بنا کل علی الصباح) ۹ رضا - ۷۷ پشالہ (شعر ۳ ، ۴ نہیں) -

شعر ۱ ۱۲ ۴ ۱۳ ۴ ۱۴ ۴ ۱۵ ۴ ۱۶ ۴ ۱۷ ۴ ۱۸ ۴ ۱۹ سخن -

شعر ۱ ۱۲ ۴ ۱۳ ۴ انتخاب ب -

ش ۱۸ الف : ابوی میں ابی کی بھی (رضا) -

ش ۱۹ ب : دیکھا نصیر تو نے ہے بلبل علی الصباح (رضا) -

غ ۲ (چاکرِ گریباں کی طرح) ۹ رضا ، پشالہ - ۷ سخن (شعر ۷ ، ۸ سخن نہیں) -

ش ۸ ب : زلفِ بتاں کی جب کہ ہو چوکان کی طرح (رضا سہو) -

غ ۳ (مژکان کی طرح) ۱۰ رضا ، پشالہ ، سخن - شعر ۱ ، ۵ ادبیاتِ قلمی -

ش ۵ ب : اے صبا ڈالی بتائی ہے گاستان کی طرح (سخن) -

ش ۷ ب : پنچہ "مرجان" ہے دیکھو (سخن) -

۱ - نسخے کی اس تبدیلی کے ساتھ یہ شعر دوبارہ حاشیے پر لکھا گیا ہے -

ش ۸ ب : مرے چاک گریبان کی طرح (پشالہ سہو) -

غ ۴ (دور کی تسبیح) ے رضا ، پشالہ ، سخن - شعر ۴ ، ے انتخاب -

ش ۵ الف : ہمیشہ سکہ میں تو ہر کو جہے (سخن) -

ش ۶ الف : سجدہ کمر من کو سکا اور رگ ہر عضو کو رشتہ (رضا ، پشالہ) -

غ ۵ (تقلید کی تسبیح) ۵ رضا -

غ ۶ (فندقہ یا تو دکھائے صبح) ۱۳ ، ۱۲ سخن - ۱۰ رضا ، پشالہ -

(شعر ۲ سخن - شعر ۵ ، ۷ ، ۸ ، ۹ رضا ، پشالہ نہیں) -

ش ۵ الف : بارو وہ زیر زلف (سخن) -

ش ۱۱ الف : جام بلوری میں بھر (سخن) -

ش ۱۳ الف : بیوفائی دلدان کو روؤں کیا - (سخن) -

غ ۷ (فلک اشتہائے صبح) ۱۴ ، ۱۲ سخن - شعر ۱ ، ۱۲ رضا ، پشالہ -

غ ۸ (باد کی طرح) ۱۲ آصفیہ ، رضا ، پشالہ ، سخن -

ش ۱ الف : نالہ کی نے دل نے نہ کی باد کی طرح (پشالہ سہو) -

ش ۸ ب : درے بھرے ہے دانہ صیاد کی طرح (آصفیہ سہو) -

درے ہے تبصرے دانہ صیاد کی طرح (سخن) -

ش ۹ الف : اے ہم صنیر عرصہ فریاد تنگ ہے (پشالہ سہو) -

ردیف خ

خ ۱ (سر میں سوراخ) ۱۱ رضا -

خ ۲ (پوشاک سرخ) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن - ۱۰ ہشالہ ۱ (شعر ۲ ہشالہ نہیں) - شعر ۲ ، ۱۱ ادبیات قلمی - ۹ ، ۱۰ (ق) ذکا -

ش ۲ الف : نشہ سبزی سے کٹڑھا ہے یہ اُس کا خط سبز (سخن) -

ش ۳ ب : لوٹوان لڑنا ہوا ہے (ہشالہ) -

ش ۴ الف : روڑ ہے لوروڑ کا شاید کہ قائل آج ہی (ادبیات قلمی) -

ش ۵ ب : کوئی ایسا بھی نکلیں دکھلا لو اے حکاک (سخن) -

ش ۱۰ ب : لمے چلے ہیں ٹھیلے اب ہرکارہ ہائے ڈاک (سخن) -

خ ۳ (غلدر بریں کی شاخ) ۸ رضا ، ہشالہ ، سخن - شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۶ انتخاب ب -

ش ۸ ب : مرجان کے نخل کی ہے یہ پیدا نہیں کی شاخ (رضا ، ہشالہ سہو) -

خ ۴ (چوڑائی چرخ) ۹ رضا ، ہشالہ - ۸ سخن (شعر ۵ سخن نہیں) -

ش ۲ الف : گردبادانہ ہوا خون سے (رضا سہو) -

۱- ہشالہ میں شعر ۵ کا مصرع اولیٰ کسی نے بعد میں بڑھایا ہے ، روشنائی سرخ ہے -

- ش ۵ ب : جدول زر ہے یہ جمعے ہے (سخن) -
 ش ۶ ب : ہیٹ کا اپنے دلا مارے ہے خنجر (سخن) -

ع ۲ (جاناں کاغذ) ۵ رضا ، ہنیالہ -

ع ۳ (صاف نہیں ہے کاغذ) ۷ آصفیہ ، رضا ، ہنیالہ ، سخن - ش ۱ ،
 ۲ انتخاب -

ش ۴ ب : پاپوش نکیں (رضا سہو) -

ش ۵ الف : نامہ درد میں لکھتا ہوں اے اے قاصد (سخن) -

ش ۶ الف : قصہ فرقت جاناں کے رقم کرنے کو (سخن) -

ش ۷ الف : چرخ لیلیٰ ہے سیاہی و دوات آہ نصیر (ہنیالہ) -

